انتخاب دواوین داغ دہلوی
کمالِ داغ
(مع مقدمہ تنقیدی)
حامد حسن قادری

حامد حسن قادری

انتخاب دواوین داغ دہلوی

کمالِ داغ

(مع مقدمہ تنقیدی)

حامد حسن قادری

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔110025

قومی اردو کونسل کی پہلی اشاعت : 2015
تعداد : 550
قیمت : -/117 روپے
سلسلۂ مطبوعات : 1854

KAMAL-E-DAAGH
By:Hamid Hasan Qadri

ISBN :978-93-5160-084-8

ناشر: ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر:49539000، فیکس:49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر-کے-پورم، نئی دہلی-110066 فون نمبر:26109746
فیکس:26108159 ای-میل:ncpulsaleunit@gmail.com
ای-میل:urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ:www.urducouncil.nic.in
طابع: ہائی ٹیک گرافکس، ڈی 8/2، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز II، نئی دہلی-110020
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل

برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہردلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم و فنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

پروفیسر سید علی کریم
(ارتضیٰ کریم)
ڈائرکٹر

فہرست

دیباچہ اشاعت اول

کمال داغ میں صرف غزلوں کا انتخاب ہے، اس لیے مقدمہ میں بھی صرف داغ کی غزل گوئی پر تنقید کی گئی ہے اور اسی لیے اردو شاعری میں سے صرف غزل پر ریویو کیا گیا ہے۔

داغ کی غزل کا سب سے بڑا عنصر حسن و عشق ہے، اس لیے اردو غزل گوئی پر ''ریویو'' میں بھی غزل کی اسی اصلی شان سے بحث کی گئی ہے۔ غزل کے اور اجزا (اخلاق و تصوف وغیرہ) پر نقد و تبصرہ نہیں کیا گیا۔

انتخاب ہمیشہ اپنی پسند کا ہوتا ہے، اس لیے اس کو قبول عام حاصل ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔

بہر حال میرے انتخاب کا میرے نزدیک یہ حاصل ہے کہ۔

1- داغ کے ہر رنگ کے بہترین اشعار اس میں موجود ہیں۔

2- شوخ اور بیباکانہ اشعار جن کی جدت ادا میں داغ کا خاص انداز ہے شامل کر لیے گئے ہیں۔

3- ہزلیات بالکل ترک کر دی گئی ہیں۔

4- عامیانہ و پست مضامین جن کی داغ نے بار بار بے لطف تکرار کی ہے، چھوڑ دیے ہیں۔

5- کوئی شعر ایسا نہیں لیا گیا جس سے نفس مضمون، یا طرز بیان میں داغ کے رنگ کی کوئی بات نہ ہو۔

یہ انتخاب بظاہر سخت نظر آئے گا، لیکن اگر احتیاط نہ برتی جاتی تو داغ آخری دور کے بہترین شاعر نظر نہ آ سکتے۔

حامد حسن قادری

آگرہ، اپریل 1924

دیباچہ اشاعت دوم

مرزا داغ دہلوی کے چاروں دیوانوں کا انتخاب مع طویل مقدمۂ تنقیدی کے 25 سال ہوئے 1934 میں کمال داغ کے نام سے آگرہ اخبار پریس سے شائع ہوا تھا۔ آٹھ دس سال میں پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ اس عرصہ میں "کمال داغ" پر بڑے حوصلہ افزا تبصرے ہوئے، لیکن ساتھ ہی بعض حضرات نے یہ شکایت بھی کی کہ انتخاب بہت سخت ہے میں نے قصداً سخت انتخاب کیا تھا اور دیباچہ میں اس کا اقرار کر لیا تھا اور اس کا سبب بتا دیا تھا۔

تاہم جب 1944 میں دوسرے ایڈیشن کی تیاری ہوئی تو میں نے پھر تمام دیوان پڑھ کر انتخاب کو بہت کچھ بڑھا دیا۔ یعنی پہلے انتخاب کے 140 صفحے تھے۔ اب 200 صفحے ہیں۔

کمال داغ کی دوبارہ طباعت 1948 میں شروع ہو گئی تھی، لیکن کتابت کی تکمیل اور تجلید میں ناگزیر اسباب کی بنا پر تاخیر ہوتی رہی۔ آخر آغاز کتابت سے دس گیارہ سال بعد دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کی نوبت آئی ہے۔

وما توفیقی آلا باللّٰہ ۔

حامد حسن قادری

ناظم آباد، کراچی 14 / جولائی 1959

اُردو غزل گوئی پر ریویو

غزل کی اولیت: انسان کے تمام جذبات میں سب سے قوی جذبہ غم ہے اور سب سے دیرپا محبت۔ یعنی خالص و پاک محبت وہ محبت جس کی بنیاد خیر و نیکی پر ہو۔ ان کے علاوہ جس قدر اقسام جذبات ہیں سب انہی دو جذبوں کی شاخیں ہیں۔ یہی سبب ہے کہ تمام دنیا کی زبانوں میں شاعری کے ذریعہ سے جن جذبات کا اظہار سب سے پہلے فطرت انسانی نے کیا ہے وہ یا درد و غم تھے یا حسن و عشق۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غزل جو انہی جذبات کے اظہار کا نام ہے شاعری کی سب سے پہلی سب سے عام اور سب سے مقبول صنف ہے، لیکن یہ غزل جو اس وقت ہمارا موضوع نظر ہے بہت بعد کی تخلیق اور فارسی زبان کی ایجاد ہے۔ اس سے پہلے جذبات درد و محبت کا اظہار جس ملک جس زبان اور جس زمانے میں بھی ہوتا تھا مسلسل و مربوط نظم کے ذریعہ سے ہوتا تھا۔ عربوں کے قصائد کی تشبیب میں تغزل و مغازلت بھی شامل تھی لیکن وہ تمہیدی ٹکڑا مسلسل ہوتا تھا۔ فارسی والوں نے اس ٹکڑے کو کاٹ کر اپنے ہاں غزل بنالیا اور رفتہ رفتہ غزل درد و غم اور عشق و محبت کے لیے مخصوص نہ رہی بلکہ متضاد و متخالف مضامین ایک ہی غزل کے اندر جمع ہونے لگے۔ ایک شعر میں غم دوسرے میں مسرت تیسرے میں محبت۔ چوتھے میں عداوت۔ پانچویں میں تصوف۔ چھٹے میں اخلاق یہ صورت فارسی اور اردو غزل کی تمام عالم کی شاعری سے نرالی ہے اور غور

سے دیکھیے تو یہی تنوع اور رنگارنگی غزل کی اشاعت عام اور قبول عام کا سبب ہے۔

شاعری عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ وہاں کا بچہ بچہ شاعر ہوتا ہے اور ان کی شاعری کی خاص صفت کبھی کسی قوم و ملک کو نصیب نہیں ہوئی لیکن غزلوں اور غزل گو شاعروں کی جو کثرت اردو زبان اور ہندستان کے اندر ہے اور مشاعروں کے ذریعہ سے جس قدر اس کا مظاہرہ ہوتا ہے یہ بات بھی ہندستان اور اردو زبان کے ساتھ مخصوص اور تمام عالم میں عجیب و غریب ہے۔ کسی ملک میں یہ مشاعرے بالیقین نہیں اور فارسی کے علاوہ یہ غزل بھی کہیں نہیں۔ خود ہندستان میں بے شمار زبانیں ہیں اور ہر زبان میں شاعری، لیکن نہ ایسی غزل نہ اتنے مشاعرے۔

غزل کی خوبیاں: غزل انسان کے سب سے لطیف سب سے عمیق اور سب سے شریف جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اس کا لطف و اثر اس بات پر منحصر ہے کہ صحیح جذبات۔ اصلی واردات، سچے معاملات بیان کیے جائیں پیرایۂ بیان موثر ہو۔ تخیل کا رنگ نیچرل ہو۔ الفاظ شیریں، بندشیں درست محاورے صحیح، صنائع لفظی و معنوی قریب الفہم ہوں۔ غرض ہر چیز جو غزل کی ساخت میں شامل ہے انسانی فطرت سے زیادہ سے زیادہ اتحاد رکھتی ہو اور اصلیت وواقعیت سے قریب سے قریب ہو۔ حتی کہ بحروں کا متعارف و مترنم ہونا قافیہ و ردیف کا شگفتہ ہونا بھی ان قیود میں شامل ہے۔ یہ سب باتیں اس وقت میسر آ سکتی ہیں جب خود شاعر کی طبیعت حساس ہو۔ عقل دراک، نظر بلند، مشاہدہ عمیق، علم وسیع ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں توازن دماغ ہو۔ یعنی اس کے ذہن و دماغ میں اس طرح کی موزونیت، تناسب اور نقادیت ہو کہ کسی تخیل کسی لفظ، کسی بندش، کسی طرز ادا کا موزوں صحیح اور برمحل ہونا خود اس کی طبیعت اس کو بغیر غور و فکر کے بتا دے۔ یہ وصف ہمعصر اساتذۂ سلف میں سے ناسخ کے مقابلے میں آتش میں زیادہ تھا۔ ذوق کے مقابلے میں مومن و غالب میں امیر کے مقابلے میں داغ میں۔ دبیر کے مقابلے میں انیس میں۔ آزاد کے مقابلے میں حالی میں۔ اصل میں یہی چیز ہے جو شاعر شاعر اور استاد استاد میں فرق پیدا کر دیتی ہے۔ اسی کا دوسرا نام ذوق سلیم یا عیار خالص یا نقد صحیح ہے۔

درد و غالب کا ذوق سلیم: اسی توازن دماغ اور صحت مذاق کا یہ کرشمہ ہے کہ دنیائے غزل کے ابوالبشر ولی دکنی سے لے کر عہد حاضر تک بلا مبالغہ لاکھوں

شاعر ہوئے جن میں ہزاروں استاد اور سیکڑوں صاحب دیوان ہیں لیکن کس قدر عجیب، کس قدر دلچسپ، کس قدر غور طلب واقعہ ہے کہ ان سیکڑوں برس کی مدت میں ہزاروں با کمال استادوں اور سیکڑوں اہل دیوان شاعروں میں صرف دو شاعر ایسے گزرے ہیں جن میں یہ ذہنی توازن اور ذوق سلیم اس درجہ کامل تھا کہ انھوں نے اپنا جو دیوان دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ سراسر انتخاب اور زر کامل العیار ہے۔ ان کے کہے ہوئے ہزاروں اشعار میں دس بیس میں بھرتی کے اور پست وادنیٰ شعر نہ نکلیں گے۔ وہ کون ہیں؟ خواجہ میر درد اور مرزا غالب۔

درد کے ہم عصر سودا و میر لطفِ تغزل میں درد سے بالیقین بہتر ہیں اس زمانے کے بعد مصحفی وجرأت، آتش و مومن نے غزل گوئی کا حق ادا کیا، لیکن ان سب باکمالوں کے تیر ونشتر بغیر ہزار ہا صفحے الٹنے کے نہیں مل سکتے۔ تو اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ سودا و میر اور مومن و ذوق کے کلام میں سے جو اشعار مستر داور قلم زد کرنے کے قابل ہیں وہ خود ان بزرگواروں نے کیوں نہ کردیے۔ درد کی طرح منتخب ہی کیوں نہ لکھا یا غالب کی طرح لکھ کر انتخاب کیوں نہ کر دیا۔ اس کا جواب صرف ایک ہے۔ یعنی

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

غالب کہتا ہے

حلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ   شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اور امیر مینائی فرماتے ہیں۔

رہنے دو تم ابھی دیوان کو چھانٹو نہ امیر   آپ چھٹ جائیں گے جو شعر ہیں چھٹنے والے

یہ فرق ہے ذوق سلیم وغیر سلیم میں۔

غزل کے مختلف مضامین: غزل میں جس قدر مضامین شامل ہیں یعنی تصوف، فلسفہ واخلاق حسن وعشق ان کے تغیرات پر غور کیجیے کہ اردو غزل کی ابتدا سے آج تک جتنے دور بدلے اور رنگ پلٹے وہ سب جذبات حسن وعشق کے انداز بیان کے اعتبار سے بدلے ہیں۔ تصوف اخلاق وغیرہ شاعر کے مذاق اور رفتار طبیعت کے مطابق کم وبیش ہر زمانہ اور ہر دور میں تقریباً یکساں رہے۔ مثلاً خواجہ میر درد، صوفی اور صاحب دل تھے ان کے

تمام دیوان پر تصوف کا رنگ اور سب رنگوں سے زیادہ گہرا ہے۔ میر وسودا، ناسخ وآتش کے ہاں بہت ہلکا ہے یہی حال مومن وذوق کا ہے۔ غالب نے اوروں سے زیادہ لکھا ہے لیکن حال نہیں قال ہے امیر مینائی باوجود صوفی ہونے کے تصوف کو اہل حال کی طرح نہ لکھ سکے۔ اخلاق کے مضامین شروع سے آج تک بلا استثنا ہر شاعر نے لکھے ہیں۔ رند شاعروں نے کم پاکباز شاعروں نے زیادہ، لیکن عام اخلاقی باتیں معمولی اسلوب بیان کے ساتھ ادا کی گئی ہیں جو کچھ دلکشی پیدا ہوگئی ہے وہ شاعر کے اپنے مخصوص انداز بیان کا نتیجہ ہے۔ مثلاً میر تقی خاص کیریکٹر اور اصول کے آدمی تھے۔ ان کا عام طرز ادا نہایت دلچسپ اور موثر ہے اس لیے ان کے اخلاقی اشعار میں بھی ان کی طبعی نازک مزاجی۔ خودداری، خودستائی کا اثر موجود ہے۔ ناسخ ہر قسم کے مضمون میں نقالی، سخن سازی وآورد سے کام لیتے ہیں۔ اخلاقی مضامین میں بھی صائب کی حسن تمثیل کا کثرت سے تتبع کیا ہے۔ مومن اور داغ جیسے شاعروں کو تغزل اور حسن وعشق سے فرصت کہاں تھی۔ تاہم ان کی غزلوں میں بھی اخلاقی رنگ موجود ہے۔ فلسفہ سے ان سب بزرگوں کو کوئی علاقہ نہ تھا۔ یہ کمی غالب نے کسی قدر پوری کردی۔ فلسفہ اور اخلاق پر ان کی زیادہ وسیع نظر پڑی ہے اور اپنے بیان میں ان کو زیادہ گہرا رنگ دیا ہے۔

غزل کی اصلی شان: اب غزل کی اصلی شان کو دیکھیے کہ حسن وعشق کے جذبات وکیفیات ہر شاعر نے اپنے احساسات اور جوش وشوق کے زیر اثر الگ الگ انداز سے بیان کیے ہیں، لیکن آغاز غزل سے انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک دہلی اور لکھنؤ کے تمام شعرا کا اصول ادا اور موضوع بیان ہمیشہ متحد ومتفق رہا ہے۔ یعنی کیفیات حسن کا جس طرح احساس طبیعت کے اندر پیدا ہوتا ہے اور واردات عشق اور معاملات محبت جس طرح آتے ہیں ان کو صداقت وصفائی کے ساتھ بغیر کم وکاست بے لگی لپٹی کے بیان کردیتے تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں یہ رنگ غزل بدل گیا اور ان پچیس تیس برس کی گردش سے جو غزل نئے سانچے میں ڈھل کر نکلی ہے وہ اگر میر وسودا، مصحفی وانشا، مومن وذوق، امیر وداغ کو سنائی جائے تو وہ حیران ہوکر پڑھنے والے کا منہ دیکھنے لگیں گے کہ کون سی زبان اور کیسا انداز بیان ہے۔ غزل ہے یا چیستاں۔ عشق کا حال ہے یا علم کا اظہار، مرزا غالب بھی جو تخیل آرائی کے بادشاہ ہیں سن کر سر ہلائیں گے

اور مسکرا کر فرمائیں گے کہ میں نے جو یہ پیشین گوئی کی تھی کہ۔

کوکبم[1] را در عدم اوج قبولی بودہ است　　　شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن

تو اس کی تقلید میں بے احتیاطی برتنے کے نتیجہ سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

آنکہ[2] صور نالہ از شور نفس موزوں دمید　　　کاش دیدے کایں نشید شوق فن خواہد شدن

کاش سنجیدے کہ بہر قتل معنی یک قلم　　　جلوۂ کلک ورقم دارد رسن خواہد بشدن

چشم کور آئینۂ دعوئی بکف خواہد گرفت　　　دست شل مشاطہ زلف سخن خواہد شدن

شاہد مضمون کہ ایک شہری جان و دل است　　　روستا آوارہ کام و دہن خواہد شدن

غزل قدیم کے عیوب:

اس میں شک نہیں کہ بعض بزرگوں نے مضمون آفرینی کے شوق میں لطف و تاثیر کو کھو دیا ہے مثلاً:

چمکنا برق کا لازم پڑا ہے ابر وباراں میں　　　تصور چاہیے رونے میں اس کے روئے خنداں کا

ہے وہ گلشن داغ ہائے یاس سے سینہ مرا　　　بر ہم زنگار جس میں سبزہ بیگانہ ہے

ناسخ

عطر گلاب مل کر حلقے میں یار بیٹھا　　　بلبل پکڑنے آیا صیاد انجمن میں

آتش

بعد مردن بھی خیال چشم فتاں ہی رہا　　　سبزۂ تربت مرا وقف غزالاں ہی رہا

ذوق

کہیں مضمون کے ساتھ رعایت لفظی کی دھن میں لطافت ضائع کر دی ہے مثلاً:

دیا میرے جنازے کو جو کاندھا اس پری رونے　　　گماں ہے تختۂ تابوت پر تخت سلیماں کا

ناسخ

---

[1] میری شاعری کا ستارہ بلند ہونے والا ہے۔ میرے بعد میری شاعری کی شہرت ہوگی۔

[2] ان چار شعروں کا مضمون یہ ہے کہ شاعر میری تقلید کرتے ہیں الفاظ کی خاطر معنی کا خون کر دیں گے۔ عروس سخن کی رسوائی ان ہاتھوں سے ہوگی جو اس کے قابل نہیں ہیں۔ جو اعلیٰ مضامین ہمارے جان و دل سے متین و سنجیدہ انداز سے نکلتے ہیں۔ نالائق شاعروں کی زبان سے آوارہ بن کر نکلیں گے۔

الجھا ہے دل بتوں کے گیسوئے پرشکن میں   اگتی ہے جائے سبزہ کنگھی مرے چمن میں

آتش

زخمی ہوں تیرے ناوک دزدیدہ نظر سے   جانے کا نہیں چور مرے زخم جگر سے

ذوق

کہیں ادنیٰ اور سوقیانہ تخیل و تشبیہ نے شعر کا رتبہ پست کر دیا ہے مثلاً

آتا نہیں ہے دن کو بجز شب وہ اندنوں   بدلا ہے شپرہ سے مزاج آفتاب کا

ناسخ

اے غم مجھے تمام شب ہجر میں نہ کھا   رہنے دے کچھ کہ صبح کا بھی ناشتہ چلے

ذوق

غنچۂ گل کو یہ نسبت ہے دہان تنگ سے   جس طرح تشبیہ غنچہ کے دہن سے خار کو

آتش

دریائے اشک سے دم تحریر حال دل   کشتی کی طرح میرا قلم دان بہہ گیا

ذوق

کہیں دوست کے حلیہ و لباس کا ذکر متانت کے خلاف ہو گیا ہے۔ مثلاً

مہندی سے ہے شعلہ قدم اس رشک پری کا   پاپوش نے سیکھا ہے چلن کبک دری کا

طرز چمن حسن میں ہے نخل ترا قد   کرتہ ہے جو اے سرو رواں مولسری کا

بجائے شمع و گل ساق بلوریں پائے رنگیں ہوں   کبھی یارب گزر ہو اس پری کا میرے مدفن پر

ناسخ

کہیں ثقیل اور نامانوس الفاظ ذوق سلیم پر بار گراں ہیں۔ مثلاً

آگے مجھ کامل کے ناقص ہے گمانِ مدعی   درمیاں ہے فرق استدراج اور اعجاز کا

بے خطر یوں ہاتھ دوڑاتا ہوں زلف یار پر   دوڑتا تھا جس طرح ثعبان موسیٰ مار پر

ایک اشک گرم ناسخ گر نہ رونے میں گرے　　　طعنہ زن فوارہ ہو منقار موسیقار پر
ناسخ

ہزاروں کشتئ تن پار اترے گھاٹ سے اس کے　　　رہے دریائے خوں جاری تری تیغ جہازی میں
آتش

کسی رنج کش کو دیتا تو کچھ اس کا سود ہوتا　　　دل سخت کاش کافر حجر الیہود ہوتا
ذوق

یہ اور ان سے زیادہ عیوب قدیم غزل میں موجود ہیں لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ جو خیال پیدا کیا ہے کتنا ہی بے اثر، بے لطف، ادنیٰ پست ہو، تاہم صاف ہے الجھا ہوا نہیں ہے اور جن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وہ اس کے لیے کافی ہیں۔ صریح ہیں۔ واضح ہیں۔ اس قسم کے اشعار سے پڑھنے والے کے دماغ میں تخیل بلند پیدا نہیں ہوتی۔ جذبات لطیف پیدا نہیں ہوتے۔ شاعری کا لطف نہیں آتا۔ تاہم یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ۔

غزل جدید: شاعر دھوکا دینا چاہتا ہے یا خود دھوکے میں ہے۔ برخلاف عہد حاضر کی غزل جدید کے کہ آج کل عام رجحان اس طرف ہے کہ بات کو صاف آسان اور سیدھے طریقے سے نہ کہا جائے۔ طرز ادا میں پیچیدگی ہو۔ عربی فارسی کی ترکیبیں نئی نئی تراشی جائیں۔ الفاظ اور بندش سے سننے والے پر رعب چھا جائے خواہ وہ اپنے مفہوم پر صحیح طور پر دلالت کریں یا نہ کریں۔ اس میں شک نہیں کہ دور جدید میں مضامین غزل میں جو اصلاحات کی گئی ہیں وہ نہایت موزوں اور لائق ستائش ہیں یعنی ادنیٰ خیالات۔ پست جذبات، مذموم اشارات شرمناک واقعات، غزل میں سے یک لخت نکال دیے گئے۔ نئی غزل کو پڑھ کر نہ جبین متانت پر شکن آتی ہے نہ چہرۂ حیا پر سرخی یہ بڑی اصلاح ہے۔ بڑی ترقی ہے، بڑی خدمت ہے اور اس لحاظ سے شعرائے جدید مستحق شکر و لائق تحسین اور قابل تقلید ہیں، لیکن اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اگر غزل جدید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر بوالہوس نہیں تو یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ عاشق بھی نہیں۔ جہاں یہ نظر آتا ہے کہ شاعر بلند دماغ رکھتا ہے وہیں یہ بھی کھل جاتا ہے کہ چوٹ کھایا ہوا دل نہیں رکھتا۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

آئینے میں عکس ہے اور عکس میں جذب خلش دل میں جو پھانسیں چبھیں تصویر مژگاں ہو گئیں
اب بن گئے ہیں رشتۂ یکسوئی نگاہ تھے جو نفس مریض شب انتظار میں

عزیز

(باوجود تقلید مرزا غالب کے پیروی امانت میں رشتہ اور سوئی بھی موجود ہیں۔)

تمام روح کی لذت اسی پہ تھی موقوف کہ زندگی میں کبھی تم سے گفتگو کرتے

عزیز

(تمام روح کی لذت کے زور اور اہتمام نے بھی غالب کے اس شعر کا سا لطف واثر پیدا نہ کیا۔)

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

غالب

ذرہ وہ راز بیاباں کہ جو افشا نہ ہوا دشت وحشت ہے وہ ذرہ جو بیاباں ہو جائے
غم محسوس وہ باطل جسے کہتے ہیں مجاز دل کی ہستی وہ حقیقت ہے جو عریاں ہو جائے

اس نظر نے چن چن کر آج پھر مٹا ڈالا اضطراب ناپیدا ہر سکون پیدا ہے
عشرت تجلی کی لذتیں ٹھہر جائیں اکتساب غم کر لوں حسن بے تماشا ہے

فانی

شوق برہم چاہیے، ذوق گریزاں چاہیے مجھ کو اک تیرے سوا سب کچھ پریشان چاہیے
منتشر کر دے فضائے حسن میں ذرات دل عشق کی تصویر کا ہر رخ نمایاں چاہیے

جگر

مشرق غم سے کر طلوع ایک وہ آفتاب حسن ڈوب سکے نہ جو کبھی مغرب امتیاز میں
اب نہ وہ سعی مضطرب اب نہ وہ کاوش عمل ڈوب گئے تمام حسن نغمیں بہانہ ساز میں
لرزش متصل میں اب لطف سماع وہ کہاں لذت نغمہ پائی تھی جیسی سکوت ساز میں

جگر

قیام زندگی ہے دل کی ترکیب پریشان پر   کبھی دامن پہ بنتے ہیں کبھی اپنے گریباں پر
اخضر

غزل جدید کا نقص: جدید غزل سرائی یہ ہے۔ان میں بامعنی اشعار بھی ہیں۔ بے معنی بھی اور ناتمام معنی بھی۔ان میں ادنیٰ خیالات نہیں۔ پست جذبات نہیں، ابتذال نہیں، عریانی نہیں، لیکن سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ دماغ کی نمائش ہے۔ دل کا حال نہیں۔ رفعت تخیل ہے تغزل نہیں۔ شاندار الفاظ ہیں، اثر نہیں۔ حالانکہ دماغ کی نمائش یعنی رفعت تخیل کے سات تغزل اور لطف واثر کا اجتماع ناممکن نہیں۔ دیکھیے:

مومن اور غالب کا خاص رنگ:

سن اے غارت گر جنس وفا سن   شکست قیمت دل کی صدا کیا

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب   دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک
پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم   میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں   ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں
آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد   مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ
غالب

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد   یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق   پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
غالب

لطف خرام ساقی وذوق صدائے چنگ   یہ جنت نگاہ ، وہ فردوس گوش ہے
غالب

دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں   اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا
مت رکھیو گرد تارک عشاق پر قدم   پامال ہو نہ جائے سر افروز دیکھنا

ترک صنم بھی کم نہیں سوز جحیم سے مومن غم مآل کا آغاز دیکھنا
عشق بت میں خود اب تو در خود پرستش میں نام ہوگیا، اتنا گم کیا نشاں اپنا
مومن

بدنام میرے گریۂ رسوا سے ہوچکے اب عذر کیا رہا نگہ بے حجاب میں
پیہم سجود پائے صنم پر دم وداع مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں
دشمن سے ہے چشم مہربانی محروم نگاہ آشنا ہوں
ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا ورنہ خواب کہاں چشم پاسباں کے لیے
مومن

اس پرانے رنگ غزل میں مضمون آفرینی بھی ہے۔نئی بندشیں بھی ہیں۔جدید اسلوب بیان بھی ہے۔تاہم مضمون واضح ہے۔مطلب صاف ہے۔کوئی لفظ بیکار نہیں۔کوئی ترکیب مبہم نہیں۔

غزل قدیم وجدید میں صحیح تغزل بھی ہے: ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ عزیز لکھنوی، فانی بدایونی، جگر مرادآبادی وغیرہ جدید غزل گویوں کے ہاں صاف وسلیس، بلند ولطیف دلکش وموثر خیالات ومضامین نہیں ہیں۔ ہیں اور بہت ہیں جس طرح ناسخ وآتش وذوق کے کلام میں صرف پست وادنیٰ، سوقیانہ وغیر مہذب، بے لطف وبے اثر اشعار ہی نہیں ہیں بلکہ پڑھنے اور مزے لینے کے قابل بھی ہیں۔مثلاً

غزل قدیم میں صحیح تغزل:

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچے کی دیواروں کا کام جنت میں ہے کیا ہم سے گنہگاروں کا
یوں لائے واں سے ہم دل صد پارہ ڈھونڈھ کر دیکھا جہاں پڑا کوئی ٹکڑا اٹھا لیا
ٹھہری ہے اس کے آنے کی اب کل پہ جا صلاح اے جان برلب آمدہ اب تیری کیا صلاح
اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے مرکے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے
کردیا کیا تری ابرو نے اشارہ قاتل کہ قضا ہاتھ میں تلوار لیے پھرتی ہے
ذوق

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے   میں جا ہی ڈھونڈھتا تری محفل میں رہ گیا

کوچے سے یار کے نہ صبا دور پھینک اسے   مدت کے بعد آئی ہے خاک اپنی راہ پر

ہنسنے والا نہیں ہے رونے پہ   ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے

پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا   زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

لگی ہے دیر بہت نامہ بر کے آنے میں   وہ خود ہی آتے ہیں شاید جواب کے بدلے

آتش

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے   آج آتی شب ہجراں میں تو احساں ہوتا

خواب ہی میں نظر آتا وہ شب ہجر کہیں   سو مجھے حسرت دیدار نے سونے نہ دیا

ہے یہاں کس کو شب فرقت میں ہوش   ہو چکی ہوگی ہزاروں بار صبح

ہمارے ہاتھ سے دامن جھٹک کر تو گیا جس دم   گریباں آ رہا بس ایک ہی جھٹکے میں دامن پر

داغ فرقت زیست بھر سوز جہنم بعد مرگ   ان بتوں کو کس توقع پر خدایا چاہیے

ناسخ

غزل جدید کا صحیح تغزل: اسی طرح دور جدید کے شعرائے غزل کا کلام بھی صحیح رنگ تغزل سے خالی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:

اللہ عشق بھی ہے کوئی ایسی معصیت   اک آگ سی لگی ہے دل بے قرار میں

اس کی شام غم پہ صدقہ ہو مری صبح حیات   جس کے ماتم میں تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

عزیز

پہلے آئینہ اک نظر دیکھو   پھر مرا دل مرا جگر دیکھو

کہہ کے بیمار سے یہ بجھ گئی شمع   رات ہوتی ہے یوں بسر دیکھو

پوچھتے کیا ہو اپنا جذب نگاہ   اک خدائی ہے تم جدھر دیکھو

عزیز

میں ندامت جان کر خوش ہوں یہ منظر دیکھنا   وہ مجھے تڑپا کے تیرا پھر نہ مڑ کر دیکھنا

سانس کے جو آخری جھٹکوں میں ٹکڑے ہو گئیں ہائے ان ناشاد آہوں کا مقدر دیکھنا

فانی

شوق نظارہ سلامت ہے تو دیکھا جائے گا ان کو پروا ہی اگر منظور ہے پردا کریں

فانی

لکھ چکے ہم، جا چکا خط، گر یہی حالت رہی ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا

فانی

کون دل ہے جو درد مند نہیں کیا ترے درد کی خدائی ہے

فانی

ان پر ہیں سب تصدق وہ سامنے تو آئیں اشکوں کی آرزوئیں، آنکھوں کی التجائیں
ایک جام آخری تو پینا ہے اور ساقی اب دست شوق کانپیں یا پاؤں لڑکھڑائیں
آنکھ غافل ہے کہ ہے کشتۂ دیدار ہنوز دل ہے آگاہ کہ تو خود ہے تری یاد نہیں
ان کے جاتے ہی یہ حیرت چھا گئی جس طرف دیکھا کیا دیکھا کیا

جگر

میں کیا کہوں کہاں ہے محبت کہاں نہیں رگ رگ میں دوڑی پھرتی ہے نشتر لیے ہوئے

اصغر

اس کو مطلوب ہیں کچھ قلب و جگر کے ٹکڑے جیب و دامن نہ کوئی پھاڑ کے دیوانہ بنے
رند جو ظرف اٹھالیں وہی ساغر بن جائے جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

اصغر

صفدر مرزا پوری، یہ رنگ ان سے بھی بہتر رکھتے ہیں، کہتے ہیں:

حشر میں اڑتی ہوئی خاک نظر آتی ہے لیے لیتی ہے یہ میدان بھی وحشت میری
ستم ایجاد! کس کس کو ترے عدباں جگائیں گے مری تقدیر بھی سوتی ہے میرے ساتھ زنداں میں
ہائے پوچھو نہ جوانی کے مزے پیری میں واقعہ شب کا جو ہو صبح کو افسانہ بنے

فرق کیا عاشق و معشوق میں بس اتنا ہے   کوئی دیوانہ بنائے کوئی دیوانہ بنے

صفدر

ذبح کے وقت رکا بھی خنجر   یہ نہ پوچھا تری حسرت کیا ہے
زلف ان کی ہے میرے شانے پر   بعد مدت کے یہ رات آئی ہے
دو قدم اور بڑھ او مست جنوں   سامنے کوچۂ رسوائی ہے
طور پر ان کی نگاہ گرم تھی بجلی نہ تھی   کچھ نہ بولے ہم مزاج یار برہم دیکھ کر
بجھ گئی جل کے مگر اف نہ زباں سے نکلی   دل دیا شمع کو اللہ نے پروانے کا
مرتبہ اپنے شہیدان وفا کا دیکھو   پاؤں رکھتے ہیں زمیں پر کہیں مرنے والے

صفدر

حسرت موہانی کے ہاں تخیل کی رفعت و لطافت کے ساتھ غزلیت ان سب سے اعلیٰ دیکھیے:

مجھ کو خبر نہیں کہ مرا مرتبہ ہے کیا   یہ تیرے التفات نے آخر کیا ہے کیا
گر جوش آرزو کی ہیں کیفیتیں یہی   میں بھول جاؤں گا کہ مرا مدعا ہے کیا
ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاری دل   التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا
خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد   جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے
یہ ماجرا بھی ہے دنیائے عاشقی میں نیا   کہ نامراد یہاں کامگار ہوتا ہے
ہم جور پرستوں پہ گماں ترک وفا کا   یہ وہم کہیں تجھ کو گنہگار نہ کردے
ہم رہے یاں تک تری خدمت میں سرگرم نیاز   تجھ کو آخر آشنائے ناز بیجا کردیا
جور پیہم نہ کرے شان توجہ پیدا   دیکھ بدنام نہ ہو نام ستم گاری کا
راضی برضا ہم ہیں بہر حال مگر ہاں   ڈر ہے کہ یہ خو تم کو ستمگار نہ کردے
آنکھوں کے تبسم نے سب کھول دیا پردہ   ہم پر نہ چلا جادو اے چیں جبیں تیرا
ہو کے نادم وہ بیٹھے ہیں خاموش   صلح میں شان ہے لڑائی کی
جامہ زیبی نہ پوچھیے ان کی   جو بگڑنے میں بھی سنور جائیں

نظر اس رُخ پہ ہے ادب کے خلاف　　دل ہے اس فیصلے میں سب کے خلاف
اللہ رے کافر ترے اس حسن کی مستی　　جو زلف تری تا بہ کمر لے کے گئی ہے
حسرت

غزل میں ابتدا سے یہی رنگ تغزل رہا ہے: یہ اصلی رنگ غزل (یعنی عادۃ الورود اور ممکن الوقوع جذبات ومعاملات) جس کو دور متوسط کے بعض شعرا نے بگاڑا۔ دور آخر کے بعض شعرا نے پست وادنیٰ بنایا اور دور جدید کے شاعروں نے ترک کر دیا۔ غزل میں ابتدا سے رہا ہے۔ ولی (وفات 1741) اور خواجہ امانی (وفات 1763) کے ہاں بھی یہی رنگ تھا۔ سچی باتیں تھیں اور صاف بیان تھا۔ ان کے بعد بھی ایک صدی تک یہی انداز رہا۔ مظہر، سودا، میر، درد، قائم، اثر، مخفی، راسخ یہی رنگ لکھتے رہے۔ آخر جرأت نے کم اور انشا (وفات 1817) نے زیادہ اس رنگ کو بگاڑا۔ ابتذال اور سوقیت پیدا کر دی۔

رنگ غزل میں تغیر: اس کے بعد ایک نیا تغیر یہ پیدا ہوا کہ غزل میں مضمون آفرینی اور خیال آرائی اور لفظی نمائش شروع ہو گئی۔ نصیر، ناسخ، آتش، ذوق، ظفر اسی معرکہ کے علم بردار ہوئے ہیں۔ اگر دہلی میں مومن وغالب اس زمانے میں نہ ہوتے اور لکھنؤ میں آتش غزل کا رنگ نکھارنے کی کوشش نہ کرتے تو حقیقی غزل پر اس زمانہ میں موت وارد ہو جاتی۔ اس کے بعد مومن وغالب کے فیض وبرکت سے دہلی کی غزل تو سنبھلی رہی، لیکن ناسخ کے شاگردوں نے لکھنؤ کی غزل کو گرا دیا اور پھر اس کو اٹھایا تو دہلی والوں یا دہلی کے فیض یافتہ شاعروں نے یعنی تسیم دہلوی اور امیر لکھنوی (شاگرد مصحفی) نے اگرچہ غزل کا اصلی رنگ بہت بدنما ہو گیا تھا اور وہ دور جدید تک نہ بدلا۔ تاہم اس زمانے میں امیر وجلال نے بہت کچھ صاف کر لیا۔ ادھر دہلی میں داغ نے غزل میں نئی روح پھونکی۔ اگرچہ غزل کی متانت جاتی رہی لیکن شوخ بیانی کے سبب سے لطف ومزہ اتنا پیدا ہو گیا کہ اس سے زیادہ نہ جب ہوا نہ اب ہے۔

شعرائے قدیم کا بہترین رنگ تغزل: بہرحال صحیح رنگ تغزل اور اصلی جذبات حسن وعشق کو سب سے دلکش اور موثر سلیس اور نیچرل

انداز سے لکھنے والے میر تقی میر، میر اثر، مصحفی، جرأت سے بہتر نہیں ہیں ان کے نمونے دیکھیے:

میر تقی میر: م

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

جب نام ترا لیجیے، تب چشم بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے

کیا چال یہ نکالی تم نے جوان ہوکر
اب جب چلو ہو دل کو ٹھوکر لگا کرے ہے

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادان، پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے سنو ہو، یہ بستی اجاڑ کر

اس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھیے
جیسے کسی کا کوئی نگر ہو لٹا ہوا

دل کی آبادی کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھو
جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر گزرا

شہرِ دل ایک مدت اجڑا بسا غموں میں
آخر اجاڑ دینا اس کا قرار پایا

مصائب اور تھے، پر دل کا جانا
عجب ایک سانحہ سا ہوگیا ہے

ہوگا کسی دیوار کے سایہ میں پڑا میر
کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

کس گنہ کا ہے پس از مرگ یہ عذر جانسوز
پاؤں پر شمع کے پاتے ہیں سرِ پروانہ

لائی تری گلی تک آوارگی ہماری
ذلت کی اپنی اب ہم عزت کیا کریں گے

اک موج ہوا پیچاں اے میر نظر آئی
شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

تمنائے دل کے لیے جان دی
سلیقہ ہمارا تو مشہور ہے

بہت سعی کرے تو مر رہیے میر
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

مرگ مجنوں سے عقل گم ہے میر
کیا دوانے نے موت پائی ہے

ان نے کھینچا ہے مرے ہاتھ سے داماں اپنا
کیا کروں گر نہ کروں چاک گریباں اپنا

سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اسی گھڑی
جب سن کے تیرا نام وہ بے تاب سا ہوا

کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں، کچھ بھی نہ کہا جاتا

عشق عجب ہی خیال پڑا ہے، چین گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

آتے کبھی جو واں سے تو یاں رہتے تھے اداس
آخر کو میر اس کی گلی ہی میں جا رہے

میر اثر:

ے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر
مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

تو ہی بہتر ہے ہم سے آئینے
ہم تو اتنے بھی روشناس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے
پر اثر کی ہمیں تو آس نہیں

مر تو چلے، کہاں تک اب درگزر کریں
یا ہم نہیں اس آہ میں یا آسماں نہیں

یاں تغافل میں اپنا کام ہوا
تیرے نزدیک یہ جفا ہی نہیں

دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا
دشمنی پر تو پیار آتا ہے

آپ بھی نہ جل بجھے نہ کچھ اس دل میں راہ کی
اس پر کہیں گے آہ کہ ہم نے بھی آہ کی

چھپ چھپ کے دیکھنے کے مزے سب بیاں اثر
معلوم ہوں گے جو کبھی اس نے نگاہ کی

مصحفی:

ترے کوچے اس بہانے مجھے دن کو رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

اے مصحفی جنوں میں ہوتی ہے یہ کرامت
دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا سے دیکھا

شوخی تو دیکھو تیر کو سینے سے کھینچ کر
کہتا ہے میرے تیر کا پیکان رہ گیا

جب واقف راہ و روش ناز ہوئے تم
عالم کے میاں خانہ بر انداز ہوئے تم

تم رات وعدہ کرکے جو ہم سے چلے گئے
پھر تب سے خواب میں بھی نہ آئے، بھلے گئے

عاشق کو اپنے منع محبت نہ کیجیے
یہ بھی نہ کیجیے تو مروت نہ کیجیے

اس دھج سے اپنا، پاؤں نہ رکھیے زمیں پر　　میری تو کیا ہے شہر کو غارت نہ کیجیے

جی سے مجھے چاہ ہے کسی کی　　کیا جانے کوئی کسی کے جی کی
شاہد رہیو تو اے شب ہجر　　جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی
پھٹ چکا جب سے گریباں تب سے　　ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں
مصحفی یار کے گھر کے آگے　　ہم سے کتنے ٹھکرے بیٹھے ہیں
راہ میں کشتے پڑے ہیں کئی ارمان بھرے　　نچلے چلیو، نہ ترا خون سے دامان بھرے
حسرت پہ اس مسافر بیکس کے روئیے　　جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

جرأت

میرے اور اس کے جو پوچھو ربط کیا کیا کچھ نہ تھا　　پر دل اس کا پھر گیا ایسا کہ گویا کچھ نہ تھا

تجھ کو ہم اس لیے کہتے تھے کوئی دم مت جا　　چل بسے ہم نہ ترے چلتے ہی چلتے دیکھا
جستجو میں دل کے بہلانے کے جی کھونا پڑا　　جو ہنسی کی بات تھی اس کا ہمیں رونا پڑا
تشبیہ کس مزے سے میں لذت کو اس کی دوں　　کچھ دل ہی جانتا ہے مزا دل کی چاہ کا
ہم اسیران قفس کیا کہیں خاموش ہیں کیوں　　راہ لگ اپنی چل، اے باد صبا تجھ کو کیا
سر دیجے راہ عشق میں پر منہ نہ موڑیے　　پتھر کی سی لکیر ہے یہ کوہکن کی بات

وصل کے دن بھی میں کانپ اٹھتا ہوں بیٹھے بیٹھے　　یاد آتے ہیں وہ صدمے جو شب ہجراں کے

خراب کیوں کر نہ ہو شہر دل کی آبادی　　ہمیشہ لوٹنے والے ہی اس دیار میں آئے

کون دیکھے گا بھلا! اس میں ہے رسوائی کیا؟　　خواب میں آنے کی بھی تم نے قسم کھائی کیا؟

جب یہ سنتے ہیں کہ ہمسایہ ہیں آپ آئے ہو — کیا در و بام پہ ہم پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے
ہو کے آزردہ جو وہ ہم سے پرے پھرتے ہیں — ہاتھ ہم اپنے کلیجے پہ دھرے پھرتے ہیں

دل وحشی کو خواہش ہے تمھارے در پہ آنے کی — دوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

غم بہت دنیا میں ہیں پر عشق کا غم اور ہے — ہے اسی عالم میں لیکن اس کا عالم اور ہے
غم سے گھٹتا یہ مرا سب میں بڑھاتا ہے تجھے — جو مجھے دیکھتا ہے دیکھنے جاتا ہے تجھے

متوسطین کی بہترین غزل: درمیانی دور میں بہترین تغزل مومن کے ہاں ہے۔ ان کے بعد غالب ہیں۔ اس ہمعصر مثلث شعرا کے تیسرے رکن ذوق ہیں، لیکن ان میں مقابلتاً ذوق سلیم کی بہت کمی تھی، اس لیے غزل کا اعلیٰ معیار شاذ و نادر ہے۔ تاہم بالکل معدوم نہیں۔ تینوں شعرا کی شیرینی تغزل کا نمونہ یہ ہے۔ (ان شاعروں کے چند شعر پہلے لکھے جا چکے ہیں ان کو مکرر لکھنے کی ضرورت نہیں۔)

ذوق

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا — تم وقت پہ آپہنچے، نہیں ہو ہی چکا تھا
ذوق بیمار محبت ہے خدا خیر کرے — کہ یہ آزار ہوا جس کو وہ جانبر نہ ہوا
اس سے تو اور آج وہ بیدرد ہوگیا — اب آہ آتشیں سے بھی دل سرد ہوگیا
سینے میں بوالہوس کے بھی تھا آبلہ، مگر — نشتر کا نام سنتے ہی منہ زرد ہوگیا

کیوں جی کے ہجر میں ہوئے شرمندہ یار سے — اب مر رہے ہیں اس کی پشیمانیوں میں ہم

مستی و نا آشنائی وحشت و بیگانگی — یا تری آنکھوں میں دیکھی یا ترے دیوانے میں
یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں — واں ایک خامشی ترے سب کے جواب میں

قسمت برگشتہ دیکھو، اک نگہ کی تھی ادھر
سو بھی آ کرتا سر مژگاں حیا سے پھر گئی

مژے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

مژے یہ دل کے لیے تھے، نہ تھے زباں کے لیے
سو دل میں ہم نے مزے سوزش نہاں کے لیے

ہزار لطف ہیں جو ہر ستم میں جاں کے لیے
ستم شریک ہوا کون آسماں کے لیے

نگاہ ناز نے دیکھے تھے جو ہر آج اپنے
دل اپنا ہم کو بھی یاد آیا امتحاں کے لیے

مومن:

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا
مرنا ہی مقدر تھا، وہ آتے تو کیا ہوتا

اچھی ہے وفا مجھ سے، جلتے ہیں جلیں دشمن
تم آج ہوا سمجھو، جو روز جزا ہوتا

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

نہ مانوں گا نصیحت، پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات پر ناصح تمھارا نام لیتا تھا

کیا تم نے قتل جہاں اک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر حرام خوار توکل نہ ہوسکا

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

پامال اک نظر میں ثبات وقرار ہے
اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں، قید حیات ہے

عذاب ایزدی جانکاہ ہے مانا بس اے مومن
خدا کے واسطے ذکر ستم ہائے بتاں کیجیے

میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں — سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص وعام — آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں

ہے منتوں کا وقت شکایت رہی رہی — آئے تو ہیں منانے کو وہ پر عتاب میں

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانہ کرلے — ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہوں گے

سن اے مومن یہ ایمان ہے ہمارا — نہ کہنا کفر پھر عشق بتاں کو

خدا کی بے نیازی ہائے مومن — ہم ایماں لائے تھے ناز بتاں سے

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ — یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

غالب:

وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو — آپ جانا ادھر اور آپ ہی حیراں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ — ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

اسدؔ بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے — تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ — ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات — دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے، لیکن — خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

کہتے ہیں، جیتے ہیں امید پہ لوگ — ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو — یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے — بے نیازی تری عادت ہی سہی

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا — میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستم گر — کچھ تجھ کو مزہ بھی مرے آزار میں آئے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید — نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے

گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو　　ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے
ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غم کدہ　　جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں　　موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں
ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی　　جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں
تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر　　آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب میں
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں　　میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

ہمارے نزدیک یہ صحیح تغزل ہے۔ یہ اصلی شعریت ہے۔ یہ فطری جذبات ہیں، یہ سچے واقعات ہیں، یہ نیچرل طرز بیان ہے۔ اس میں فحش نہیں، عریانی نہیں، ابتذال نہیں۔ بیشک حسن کا ناز ہے۔ انداز ہے۔ بے نیازی ہے۔ تغافل ہے۔ جور ہے۔ عشق کا نیاز ہے۔ شوق ہے۔ فدائیت ہے۔ سودا ہے قربانی ہے۔ لیکن حسن و عشق میں یہ باتیں رہی ہیں اور رہیں گی۔ یہ نہیں تو حسن حسن نہیں اور عشق عشق نہیں۔

لیکن غزل جدید کی اب جو صورت ہوگئی ہے وہ غزل قدیم سے ہر لحاظ سے الگ ہے۔ یعنی مضامین حسن و عشق کے بیان اور طرز بیان دونوں میں تغیر ہو گیا ہے۔ خال و خط۔ دہن و کمر، شانہ و زلف، قد و قامت، رفتار و گفتار، وضع و رنگ، حلیہ و لباس کا ذکر بالکل ترک کر دیا ہے۔ حسن جسمانی کو صرف اشارہ و استعارہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ ولولہ و شوق کا اظہار دبی زبان سے ہوتا ہے۔ معاملہ و ادا۔ رشک و رقابت قطعاً ممنوع الاظہار ہو گئے ہیں۔ اب اس طرح کے اشعار کا تو وجود ہی نہیں رہا جس میں معاملہ ادا۔ جذبہ شوق صاف رنگ میں بیان کیا گیا ہو مثلاً:

نظر اٹھتی نہیں ہے جب خوباں　　اٹھ کے سوتے سے آنکھ ملتے ہیں
میر

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب　　گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
غالب

رونق پیرہن ہوئی خوبی جسم نازنیں ۔۔۔ اور بھی شوخ ہوگیا رنگ ترے لباس کا
حسرت

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ ۔۔۔ دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ
نظام

اس ذوق سے کہتے ہیں حدیث لب شیریں ۔۔۔ گویا ترے ہونٹوں ہی سے لیتے ہیں مزا ہم
ممنون

ہائے پوچھو نہ تصور کے مزے ۔۔۔ گود میں تم کو لیے بیٹھے ہیں
جلیل

مانگنے پر بوسے کے کاٹی زبان ۔۔۔ اب دعا دینے سے بھی سائل گیا
مدعی مجھ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں ۔۔۔ چپکے تم سنتے ہو بیٹھے، اسے کیا کہتے ہیں
امیر

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم ۔۔۔ کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی
میر

ایسے اشعار بھی نظر نہیں آتے جن میں معاملہ و ادابندی صرف اشارہ و کنایہ میں ہو۔ مثلاً:

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے ۔۔۔ پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے
انور

وہ آئے خندہ پیشانی کہیں سے ۔۔۔ تبسم ہے عیاں چیں جبیں سے
داغ

آگے ہی اپنی کون سی تھی قدر و منزلت ۔۔۔ پر شب کی منتوں نے ڈبو دی رہی سہی

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا ۔۔۔ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
غالب

عرصۂ حشر میں اللہ کرے گم مجھ کو ۔۔۔ اور پھر ڈھونڈتے گھبرائے ہوئے تم مجھ کو

میں بھی حیران ہوں اے داغ کہ یہ بات ہے کیا — وعدہ وہ کرتے ہیں، آتا ہے تبسم مجھ کو
کیا کہوں گا اگر اس بت نے کہا محشر میں — داور حشر ترے ہاتھ میں ہے عزت میری

داغ

انقلاب تغزل کے اسباب: اب سوچئے کہ اس انقلاب ذہنیت۔ تغیر خیالات اور تبدیل تغزل کے اسباب کیا ہیں جبکہ یہ واقعہ ہے کہ حسن کے ادا و ناز اور عشق کے سوز و گداز اور عجز و نیاز جیسے پہلے تھے، اب بھی ہیں۔ عشق خدا کا ہو یا انسان کا۔ پاک محبت ہو یا بوالہوسی، ہر زمانے میں دل کو گرماتی رہی ہے۔ واردات اور معاملات جیسے پہلے پیش آتے تھے اب بھی آتے ہیں۔ ناز و نیاز۔ جفا و وفا، ہجر و وصل، تغافل و التفات، رشک و رقابت پاک دامنی و حسن فروشی، حیا و بے حجابی، رہزنی و دلستانی، معشوق فریبی و عاشق کشی، جانستانی و جانبازی، غرض کون سی ادا، کون سا جذبہ، کون سا واقعہ ہے جو جب تھا اور اب نہیں ہے، یا اب موجود ہو اور جب مفقود۔ پہلے بھی شاعروں پر یہ حالات و واقعات گزرے اور آج بھی گزرتے ہیں اور شاعر کے لیے تو اس کی ضرورت بھی نہیں۔ شاعر کسی قسم کی سچی یا جھوٹی محبت میں گرفتار نہ ہو جب بھی وہ یہ تمام مضامین ادا کرسکتا ہے اس لیے کہ احساس و ادراک تصور و تخیل کسی حالت میں اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ پھر کیا سبب ہے کہ اب سے چالیس برس پہلے ان جذبات و معاملات کو اسی طرح صفائی اور سچائی کے ساتھ لکھ دیتے تھے جس طرح واقعی پیش آتے تھے یا آسکتے تھے اور موجودہ زمانہ میں اس کو معیوب و مبتذل، خلاف متانت و منافی تہذیب جانتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ غزل میں یہ انقلاب کب سے شروع ہوا؟ اور کس نے شروع کیا؟ امیر و داغ، اسیر و ظہیر، جلال و تسیم جو آخری دور کے آخری شاعر ہیں اور ان کے شاگرد اور مقلد حفیظ جونپوری، رسا بلند شہری مضطر خیرآبادی، ریاض خیرآبادی جو ان کے بہت بعد تک زندہ رہے۔ اور بیخود دہلوی، جلیل مانکپوری (نواب فصاحت جنگ) وغیرہ جو اب موجود ہیں یہ سب کے سب اسی ایک رنگ کے پابند رہے اور ہیں۔ ایک انچ اس وضع قدیم سے تفاوت نہیں کیا۔ آج بھی جبکہ ساز غزل بدل گیا ہے جلیل و بیخود کے نغمے اسی لے میں سنائی دیتے ہیں۔

پہلا سبب (مغربی تعلیم): یقیناً یہ انقلاب جدید تعلیم اور نئی تہذیب کے زیر اثر ہوا ہے اور ان لوگوں نے کیا ہے جو مغربی علوم، مغربی شاعری، مغربی ادبیات مغربی تہذیب سے آشنا ہو کر اردو غزل گوئی کی طرف متوجہ ہوئے۔ مغربی تعلیم جس طرح ہندستان میں رائج ہے اس کا خاصہ تھا کہ دماغ کو اس کی طرف بے حد مصروف رکھنا پڑا اور دل کو آزادی کا موقع بہت کم ملا۔ مغربی علوم، ریاضی و سائنس، فلسفہ و منطق، تاریخ و معاشیات نے غور و فکر، متانت و سنجیدگی پیدا کی۔ مغربی شعر و ادب نے رفعت تخیل اور متانت بیان سکھائی۔ شیکسپیئر میں یہ کمال ہے کہ اس کے مطالعہ سے ہوس انگیزی سے زیادہ اس کی شیریں بیانی و لطافت ادا کا اثر پڑتا ہے۔ یہی وصف حافظ شیرازی کے کلام میں ہے۔ ملٹن، ڈرائڈن، ورڈ سورتھ، براؤننگ، ٹینی سن نے جو معیار شاعری، علوئے خیالات، پاکیزگی بیان، وسعت نظر ہندستانی دل و دماغ کے سامنے پیش کی اس سے حیرت چھاگئی اور آنکھیں کھل گئیں۔ ان کو پڑھ کر اردو شاعری پر نظر ڈالی تو وہ ان محاسن سے خالی نظر آئی۔

غالب کی تقلید: کچھ ملا تو غالب کے ہاں ملا۔ اس کا مطالعہ شروع ہو گیا۔ اس کی تقلید شروع ہو گئی۔ اس کے محاسن کلام بیان ہونے لگے۔ تقریروں اور تحریروں میں اس کے اشعار کا حوالہ ہونے لگا۔ اخباروں اور رسالوں میں اس کی تنقیدیں اور تبصرے ہونے لگے اور غالب کی پیشین گوئی پوری ہو گئی۔

شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن

یہ بتانا تو مشکل ہے کہ سب سے پہلے کس نے رنگ جدید میں غزل لکھی۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ شعرائے جدید میں جو صاحب دیوان ممتاز و مشہور ہیں ان میں سب سے قدیم حسرت موہانی ہیں۔ حسرت فطری شاعر ہیں اور سلیم ترین مذاق سخن رکھتے ہیں۔ انیسویں صدی کے آخر میں ان کی شاعری شروع ہوئی۔ علی گڑھ کالج کی طالب علمی کے زمانے میں جو کچھ کہتے تھے اکثر و بیشتر قدیم رنگ میں کہتے تھے۔ تمام اردو شعرا اور خاص کر مشاہیر سخن کا اتنا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس قدر صحیح طور پر ان کے رنگوں کو سمجھا اور برتا ہے کہ اس فن میں ان سے بہتر کوئی نظر نہیں آتا۔ انھوں نے غالب سے زیادہ مومن کو پسند کیا اور یہ پسند ان کی فطری شعریت، طبعی لطافت اور ذوق غزل کی

صحت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ لطف تغزل مومن کے ہاں غالب سے بہت زیادہ ہے۔ اسی زمانہ میں انھوں نے غالب کی غزل پر غزل لکھی۔ لیکن نہ غالب کی تقلید ان کو پسند تھی نہ یہ رنگ ان کی طبیعت میں جما ہوا تھا۔ اس لیے اس غزل میں بھی یہ شعر موجود ہے:

یہ کہتا ہے مرادست تمنا   حیا ان کی بنالے گی مرا کیا
حسرت

ان کا ابتدائی رنگ غزل یہ ہے:

ملتے ہیں اس ادا سے کہ گویا جفا نہیں   کیا آپ کی نگاہ سے میں آشنا نہیں
شوق جفا سے آج تک ان سے رسم ہے   کہتا ہے ان کو کون کہ وہ با وفا نہیں
وہ بگڑنا بھی کبھی مجھ سے تو ہنسنے کے لیے   یاد ہے انداز تیرے جور لطف آمیز کا
ناکامیوں پہ اپنی ہنسی آ گئی تھی آج   سو کتنے شرمسار ہوئے بیکسی سے ہم
ہمدردی الم سے بڑھا اور بھی الم   باز آئے ہم نشیں تری اس دوستی سے ہم
کیا پوچھنا ہے لطف الم ہائے شوق کا   ملتے ہیں ایسے رنج سے بھی کس خوشی سے ہم
کس درجہ دلپذیر ہے حیرانی جنوں   فارغ ہیں شوق عزت فرزانگی سے ہم

ان اشعار کا رنگ اور اپنا ذوق شاعری وہ خود اس مقطع میں بتاتے ہیں:

حسرت ہیں وقف پیروی مومن وتسیم   کیوں سلسلہ ملائیں کسی لکھنوی سے ہم

علی گڑھ سے نکل کر 1903 سے ان کے رنگ غزل میں پختگی آ گئی اور مومن وتسیم کا رنگ گہرا ہو گیا۔

حسرت موہانی کے ساتھ غزل میں دوسرے اصلاح کرنے والے کامل الفن شاعر مرزا عزیز لکھنوی ہیں۔ ان کی شاعری بھی شعر حسرت کی ہم زمانہ ہے۔ عزیز نے غالب کو اس قدر پسند کیا اور اس کی تقلید کی کہ بیسیوں غزلیں غالب کی غزلوں پر لکھ دیں۔ غالب کا اتباع بھی کیا اور اس پر اپنی وسعت نظر اور لطافت طبع کا بھی اضافہ کیا، لیکن عزیز وحسرت میں یہ بڑا فرق ہے کہ عزیز حسن وعشق کا دماغ رکھتے ہیں اور حسرت حسن کا عشق کا دل۔ عزیز کا رنگ غزل عالمانہ ہے اور حسرت کا شاعرانہ۔ تغزل کا جو فرق غالب ومومن میں ہے وہی عزیز وحسرت میں ہے۔ عزیز کی غزلوں میں اس طرح کے اشعار بہت کم ہیں:

اللہ عشق بھی ہے کوئی ایسی معصیت | اک آگ سی لگی ہے دل بے قرار میں
دیدنی ہے عزیز کا بھی جنوں | کس طرح پھوڑتا ہے سر دیکھو
اے نگاہ شوق تو نے کردیا رسوا مجھے | اس نے دیکھا اور اسی انداز سے دیکھا مجھے
یہاں شوریدگی کو دھن کہ ہم سر کو وہیں پھوڑیں | وہاں یہ ضد کہ یہ سر اور میرا آستاں کیوں ہو
یہ مشورہ بہم اٹھے ہیں چارہ جو کرتے | اب اس مریض کو اچھا تھا قبلہ رو کرتے
شام وعدہ آیئے تو آپ اس کی فکر کیا | پھر بنادوں گا اگر زلفیں پریشاں ہوگئیں

لیکن اس طرح کے اشعار سے تمام دیوان بھرا ہوا ہے۔ پوری غزلیں ایک اسی رنگ کی ہیں:

بسکہ تھی وسعتِ آرائش گیتی محدود | دونوں عالم کو ترے وصل کا ساماں سمجھا
ذرّے ذرّے میں تموج، دونوں عالم مضطرب | وہ بھی تھا کیا وقت جب عاشق کا دل پیدا کیا
ہر طرف آ بلے کرتے ہیں بساط آرائی | اللہ اللہ یہ آرائش کا شانۂ دل
دام وحشت میں کوئی یوں بھی گرفتار نہ ہو | دم الجھتا ہے گریباں میں اگر تار نہ ہو
آئینہ مجاز حقیقت نما ہے جب | ظاہر میں پھر بتوں کی محبت ہی کیوں نہ ہو
تاثیر جذب عشق کو بدنام کیا کروں | سمجھوں محبت ان کو عداوت ہی کیوں نہ ہو
دیکھوں گا میں بھی حوصلہ طاقتِ نظر | موسیٰ کی طرح مجھ کو خجالت ہی کیوں نہ ہو
ہو استفادہ ، ہے یہی ہستی کا اقتضا | حاصل جہاں سے کیجیے عبرت ہی کیوں نہ ہو
حریص لذت غم تھے، اگر نہ کچھ ہوتا | تو نوحہ خوانی ناکامی عدو کرتے

حسرت وعزیز سے پہلے اصلاحی رنگ کو کثرت سے لکھنے والا ممتاز و نمایاں شاعر کوئی معلوم نہیں ہوتا۔

اقبال کی تقلید: البتہ جدید غزل کے پیرایۂ بیان پر اقبال کے فلسفیانہ انداز۔ غائر نگاہ۔ الفاظ کے انتخاب۔ بندشوں کی تراش و تلاش کا بھی اثر پڑا ہے۔ اور یہ بھی در پردہ غالب ہی کا فیض ہے۔ اگرچہ اقبال غزل کے شاعر نہیں ہیں تاہم ان کی نظموں نے تمام جدید شاعری پر اثر ڈالا ہے اور غزل پر بھی۔

دوسرا سبب (مغربی تہذیب واخلاق): مغربی تعلیم اور تقلید غالب دونوں نے غزل کا انداز بدل دیا۔ لیکن اس تغیر کے یہی دو سبب

۔

نہیں ہیں۔ بلکہ ہندستانی معاشرت وتہذیب کا انقلاب بھی موثر قوی ہے۔ ہندستان میں مشرقی سلطنت کے زوال اور مغربی حکومت کے عروج وترقی نے معیشت ومعاشرت، تہذیب واخلاق سب پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ کچھ عرصہ تک تو یہ کشمکش رہی کہ "قدیم وضع پر قائم رہنے سے لوگ کہتے تھے کہ یہ رنگ میلا ہے اور جدید طرز اختیار کرنے پر اپنی قوم شور واویلا مچاتی تھی۔" آخر جان مجنوں کو بلائے صحبتِ لیلیٰ وفرقتِ لیلیٰ کا جو دوگونہ عذاب تھا۔" اس سے نجات مل گئی انقلاب کا سیلاب نہایت زبردست تھا۔ ادھر وسائل خوشحالی وفارغ البالی ختم ہو رہے تھے۔ ادھر جدید خیالات وآداب معاشرت مقبول ہوتے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ اگلے وقتوں کے جو لوگ سے ونغمہ کو اندوہ ربا کہتے تھے، ان کو نئے زمانے کے لوگ برا کہنے لگے اور وہ لوگ خود بھی اس جینے سے تنگ آ کر دنیا سے سفر کرنے لگے۔ قدیم تہذیب ومعاشرت جس کو بادشاہوں اور عیش پرستوں نے شائع وجائز کیا تھا اور متوسط وادنیٰ طبقوں کے لوگ بھی اس سے متاثر اور اس پر عامل تھے، یہ تھی کہ گناہ کرتے تھے اور اس کو گناہ سمجھتے تھے۔ خطا کو صواب ظاہر نہ کرتے تھے۔ جو نیکوکار تھے عالم پر ان کی نیکوکاری روشن تھی۔ جو نہ تھے دنیا جانتی تھی کہ یہ کیسے ہیں۔ ان کا ظاہر وباطن یکساں تھا۔ اس لیے اپنے اعمال کو مخفی نہ رکھتے تھے۔ اپنے عیوب سے انکار نہ کرتے تھے، اور جب بادشاہ سے رعایا تک سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کے حال سے واقف تھے تو عیب عیب نہ رہا تھا۔

عیب کو عیب سمجھے تو کہاں رہتا ہے

یعنی عمل میں عیب نہ سمجھتے تھے۔ اعتقاد میں عیب عیب ہی تھا۔ یہ طرز معاشرت بلاشبہ مذموم تھا۔ مذہب کے خلاف تھا۔ اخلاق کے منافی تھا۔ ملکی فلاح وصلاح کے لیے مضر تھا۔ لیکن موجودہ طریقۂ معاشرت سے زیادہ برا نہ تھا کہ آج کل سب سے قیمتی جوہر ریا ومنافقت ہیں۔ اب عیب کرنے کے لیے جو ہنر چاہیے وہ یہ کہ عیب کو ہنر کے پردے میں کیا جائے۔

یہ معاشرت ریائی وتہذیب فریبی غزل پر اثر انداز ہوئی ہے۔ اگلے وقتوں میں طبیعتیں بھی رنگیلی تھیں اور فضا وماحول بھی رنگین۔ اسی رنگ کے چھینٹے ان کی غزلوں پر بھی پڑتے تھے۔ جو کرتے تھے کہتے تھے، جو دیکھتے تھے بیان کرتے تھے۔ شاعروں میں عاشق تھے اور بوالہوس بھی۔ پاک باز بھی تھے، رند بھی، لیکن غزل میں یہ رنگ اتنا گہرا، پختہ، مانوس ومقبول ہو چکا تھا کہ پاک باز وپرہیزگار

شاعروں کواس کے لکھنے میں یہ اندیشہ نہ تھا کہ ان کے   مزاج شعرا

کو کفکانہ تھا کہ ان کو تلو بنایا جائے گا۔ چنانچہ حضر   ہ علیہ اور حضرت خواجہ

میر درد رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور و مسلم پاک نفس واہل دل بزرگ تھے بے تکلف فرماتے ہیں:

میرزا مظہر جان جاناں:

خدا کے واسطے اِن کو نہ ٹوکو   یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

اگر ملیے تو خفت ہے وگر دوری قیامت ہے   غرض نازک دماغوں کی محبت سخت آفت ہے
کوئی لیوے دل اپنے کی خبر، یا دلبر اپنے کی   کسی کا یار جب عاشق کہیں ہو کیا قیامت ہے

خواجہ میر درد:

پھرتے ہو کج بنائے تو اپنی جدھر تدھر   لگ جاوے دیکھیو نہ کسو کی نظر کہیں
نہیں شکوہ مجھے کچھ بے وفائی کا تری ہرگز   گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

تو بھی نہ اگر ملا کرے گا   عاشق پھر جی کے کیا کرے گا
گر ہیں یہی ڈھنگ تیرے ظالم   دیکھیں گے کوئی وفا کرے گا

واں تم تو اپنے خوش رہے ہو گے، پہ کیا کہوں   گزرا ہے میرے جی پہ جو کچھ یاں عذاب رات

آخری زمانے میں حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ مفتی، عالم، درویش، صوفی گزرے ہیں، ان کی سنیے:

امیر مینائی:

ان شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا امیر   کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

الٰہی کیا علاقہ ہے وہ جب لیتے ہیں انگڑائی | مرے سینے میں سب زخموں کے ٹانکے ٹوٹ جاتے ہیں

چمکی نہیں ابر سے برق تاباں | نکلا ہے پردے سے دامن کسی کا
پھونک دیتی کیوں نہ پروانے کو شمع | پیار کرنے کو سر محفل گیا
کمر لچکتی ہے خنجر سنبھل نہیں سکتا | وہ آپ آئے ہیں عاشق کے امتحاں کے لیے
کیا کہیں دل سے کہاں وصل میں ارمان گئے | ناز کے صدقے تو انداز کے قربان گئے
قاضی و محتسب شہر سدھارے حج کو | میکشو خوب ہوا، حلق کے دربان گئے

ان مضامین کے ادا کرنے سے نہ ان بزرگوں کے ذاتی معمولات عبادت اور اشتغال زہد واتقا پر کوئی مخالف اثر پڑا، نہ دنیا کی نظر میں رند یا بیباک ٹھہرے۔ اسی طرح جو شاعر کھلے ڈلے رند مزاج و شوخ طبع تھے، انھوں نے بھی نہایت شوخی و بیباکی کے ساتھ اسی رنگ تغزل کو چمکایا اور کسی نے ان کو مطعون نہ کیا۔ مثلاً شیخ قلندر بخش جرأت کہ طبیعت میں چلبلا پن تھا اور مزاج میں شوخی موسیقی کا شوق تھا، ستار خوب بجاتے تھے۔ اور عوان اشغال اور فکر سخن کے کچھ کام نہ تھا۔ سید انشاء اللہ خاں کی ظرافت سنجی و رنگین مزاجی تو کسی تعارف کی محتاج ہی نہیں ان دونوں کی خوش مزاجیاں دیکھیے۔

جرأت دہلوی:

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں | تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں
کچھ تو نکلے آرزو، دشنام دے تلوار کھینچ | چشم حسرت سے کہاں تک دم بدم دیکھا کریں
شب بزم یار میں ہم بیٹھے تو تھے، پر اس کی | چتون سے تھا یہ ظاہر یہ شخص یاں سے نکلے
رو کے میں پوچھا کہ 'مقصد جانتے ہو تم مرا؟' | ہنس کے بولا 'میں کسی کے کام سے واقف نہیں
'جاؤں جاؤں' کیا لگایا ہے، ابھی بیٹھے رہو | میں ہوں اپنی زیست سے آگے ہی اکتایا ہوا
ہے کس کا جگر جس پہ یہ بیداد کرو گے | لو دل تمھیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کرو گے
بات ہی اوّل تو وہ کرتا نہیں مجھ سے کبھی | اور جو بولے بھی ہے کچھ منہ سے تو شرمایا ہوا

خدا جانے کرے گا چاک کس کس کے گریباں کو ۔۔۔ ادا سے ان کا چلنے میں اٹھا لینا یہ داماں کو

انشا دہلوی:

تم جو کہتے ہو، مجھے تو نے بہت رسوا کیا ۔۔۔ کیا گنہ، کیا جرم، کیا تقصیر، میں نے کیا کیا

خود بدولت تو نہ آئے، اور اشارات بھر ۔۔۔ آپ بن رویا کیا ، لوٹا کیا ، تڑپا کیا

گالی سہی، ادا سہی ، چین جبیں سہی ۔۔۔ سب کچھ سہی، پر ایک نہیں کی نہیں سہی

منظور دوستی جو تمھیں ہے ہر ایک سے ۔۔۔ اچھا تو کیا مضائقہ، انشا سے کیں سہی

بندہ جب اسے نظر پڑا ہے ۔۔۔ بولا ہے، ''چل اٹھ ، کدھر پڑا ہے''

ہے نہاں لطف و کرم چین جبیں کی تہ میں ۔۔۔ ہاں چھپی صاف ہے اک ان کی نہیں، تہ میں

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجئے ۔۔۔ زاہد نہیں ، میں شیخ نہیں ، کچھ ولی نہیں

اس سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے ۔۔۔ واسطے دو دن کے عرش کبریائی مانگتا

چھیڑنے کا تو مزا تب ہے، کہو اور سنو ۔۔۔ بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو

چند مدت کو فراق صنم و دیر تو ہے ۔۔۔ چلو پھر کعبے بھی ہو آئیں، بھلا سیر تو ہے

آخری دور کے سب سے بڑے رند و بدمست، عشق باز و حسن نواز شاعر داغ دہلوی ہیں۔ ان کا نمونہ دیکھیے:

داغ دہلوی:

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام ۔۔۔ تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

وعدہ پہ مری ان کی قیامت کی ہے تکرار ۔۔۔ اور بات ہی اتنی، کہ ادھر کل ہے ادھر آج

دی شب وصل موذن نے اذاں پچھلی رات ۔۔۔ ہائے کم بخت کو کس وقت خدا یاد آیا

اے شیخ جس کو جو نہ ملے گا بڑھے گا شوق ۔۔۔ جنت کو میں پسند ، جہنم کو تو پسند

کیوں فکر اس قدر ہے رقیبوں کے باب میں ۔۔۔ ان کے گنہ بھی ڈال دو میرے حساب میں

الٰہی آج ہی پورا ہو وعدۂ دیدار ۔۔۔ نہیں تو اور کسی جلوہ گر کو دیکھتے ہیں

بتوں کے واسطے دنیا نہیں ہے جنت ہے — بہشت دیکھتے ہیں، جس کے گھر کو دیکھتے ہیں
صورت وصل نہ تھی کوئی بجز رنجش غیر — وہ جو بگڑے ہوئے آئے ہیں تو بن آئی ہے
شکوۂ ظلم پہ اول تو وہ خاموش رہے — پھر یہ جھنجھلا کے کہا 'کیا مری رسوائی ہے!'

'حشر کے دن تو ملو گے؟' یہ کیا میں نے سوال — سوچ کر دیر میں ظالم نے کہا 'مشکل ہے'

بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ — وہ منتوں سے کہیں "چپ رہو خدا کے لیے"
معشوق کو اگر دل بے مدعا دیا — پوچھے کوئی خدا سے کہ عاشق کو کیا دیا
بے نیازی جو ہوئی میری تمنا سے ہوئی — مجھ کو ارماں جو نہ ہوتا، تجھے ارماں ہوتا
تمھیں غرض جو کرو رحم پائمالوں پر — تم اپنی شوخی رفتار دیکھتے جاؤ

داغ کے بعد جو شعرا قدیم طرز کے مقلد تھے اسی رنگ میں کہتے رہے، اور انقلاب جدید کی صرصر تندان کے قدم راسخ کو متزلزل نہ کرسکی۔ چنانچہ ریاض و جلیل بھی جو قدیم تہذیب قدیم تخیل اور قدیم غزل کی آخری یادگار تھے۔ اسی رنگینی بیان، شوخی مضمون، معاملہ نگاری و ادا بندی کو اپنا شعار غزل گوئی بنائے ہوئے تھے۔

ریاض خیرآبادی:

حنا ہاتھوں میں، ہونٹوں پر تبسم، گدگدی دل میں — وہ آئے پھول برساتے مری پھولوں کی محفل میں
بیان وصف مے کوثر کیے واعظ نے محفل میں — یہ بات ایسی تھی ہم کچھ پی گئے کچھ لے رہے دل میں
مزے لے لے کے سنتا تھیں تجھے بہکی ہوئی باتیں — بٹھا لینا تھا اے لیلیٰ تجھے مجنوں کو محمل میں
ریاض اس کو نہ پوچھو وقت سے اس کا تعلق ہے — کبھی پی چھپ کے خلوت میں کبھی پی کھل کے محفل میں
جاگ اٹھے سب سوتے فتنے ان کی انگڑائی کے ساتھ — سونے والے خواب گاہ ناز سے سو کر اٹھے
اتنی کثرت سے ارے ساقی! پھر اتنی تند و تیز — اچھے اچھے پینے والے آج توبہ کر اٹھے

وہ آرہا ہے عصا ٹیکتا ادھر تا صبح
بہادے اتنی کہ ساقی کہیں نہ تھاہ رہے

ریاضِ شوق معاصی پہ مجھ سے کہتا ہے
سپید ریش مبارک ابھی سیاہ رہے

اس طرح بے چین دل کو ڈھونڈنے نکلے ہیں ہم
پوچھتا ہے ہر حسیں گھبرا کے کیا جاتا رہا؟

پچھلے گناہ کیسے؟ انہی سے ملے نجات
محشر میں جو کیے ہیں انہی کا حساب ہو

جلیل مانک پوری:

ترا شباب رہے، ہم رہیں، شراب رہے
یہ دور عیش کا تا دورِ آفتاب رہے

پا کے ان کو بڑھ گئی ہے اور بھی کچھ آرزو
کل تھے کیا کہنے کو ہم اور آج کیا کہنے کو ہیں

حسین ہیں ان کو ہر صورت سے دل قابو میں کر لینا
بگڑ کر، مسکرا کر، گرم ہو کر، مہرباں ہو کر

درد دل سن کے مرا سمجھے فسانہ ہے کوئی
بولے رکیے نہ کہے جایئے، حال اچھا ہے

وجد میں میں نے جو کیا ان کی ادا پر بولے
بے پیے آپ تو سرشار ہوئے جاتے ہیں

شوخی نے کر دیا ہے بہت دن سے بے حجاب
اب وہ فقط نباہ رہے ہیں حیا کے ساتھ

کیا انکار دل دینے میں تو وہ جھینپ کر بولے
فقط یہ دیکھتے تھے ہم کہ کتنا آپ کا دل ہے

بچپن کہاں تک ان کی امنگوں کو روکتا
آخر کو رنگ پھوٹ ہی نکلا شباب کا

مار ڈالا مسکرا کر ناز سے
ہاں مری جاں پھر اسی انداز سے

لاکھوں فتنوں کا ہے گویا جاگنا
ایک اٹھنا ان کا خواب ناز سے

یہ اگلے وقتوں کی غزلوں کا رنگ ہے جس کو نئے شاعروں نے بجز حسرت موہانی کے ترک کر دیا۔ کوئی نئی تعلیم، نئی تہذیب کا دلدادہ یہ رنگ نہیں لکھتا۔ خاص مشاعروں میں اور شعر و سخن کے جلسوں میں تو اس طرز کا ایک شعر بھی سننے میں نہ آئے گا۔ عام مشاعروں میں کہیں کوئی شاعر اور کبھی کوئی غزل اس رنگ کی نکل آتی ہے۔ اس پرانے رنگ میں عشق و محبت کے روزمرہ کے واقعات، بے تکلف معاملات اور اصلی واردات ہیں جن کو موجودہ غزل میں "شجر ممنوع" قرار دے دیا گیا ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ کیا خواص و عوام کے دلوں میں یہ جذبات پیدا نہیں ہوتے؟ کیا

ان کو یہ معاملات پیش نہیں آتے؟ ضرور پیدا ہوتے اور پیش آتے ہیں، لیکن تہذیب جدید کا قانون یہ ہے کہ دل میں سب کچھ ہو، زبان پر کچھ نہ آئے۔ خلوت میں تمام رات حسن و عشق کے ناز و نیاز میں گزر جائے لیکن صبح کو اہل محفل یہی سمجھیں گے کہ شب بیداری و تہجد گذاری میں بسر ہوئی ہے۔ دل میں چور ہے اس لیے زبان سے کہنے پر پکڑے جانے کا اندیشہ ہے۔ "پاک باش" پر عمل نہیں تو "مدار از کس باک" پر کیوں کر ہو۔ یہ زمانے کی رفتار ہے۔ سیلاب کی رو ہے۔ ہوا کا رُخ ہے۔ اس کے ساتھ چلنا اس کے ساتھ بہنا، اس کی طرف پھر جانا ناگزیر ہے۔ یہ بات از روئے علم النفس ناممکن بنا بر عقل مشکل اور بلحاظ عادت خلاف واقع ہے کہ قلب و ضمیر، اعمال و کردار کی یہ حالت ہو جو ہے اور شعر و غزل کی وہ کیفیت ہو جو تھی۔ اس "ہے" اور "تھی" کا اجتماع انسانیت کے سلب ہو جانے کا مترادف ہے۔ پس جو کچھ ہوا ہونا ہی تھا اس لیے بہتر ہوا۔ غزل کا جو رنگ اب نکل آیا ہے یہ خود زمانے کا نکالا ہوا ہے۔ اور بلاشبہ حالات حاضرہ کی بنا پر نہایت موزوں اور بالکل صحیح ہے۔

تیسرا سبب (تہذیب جدید کی آزادی): آزادی خیال، آزادی رائے، آزادی عمل، بہت سی آزادیاں ہیں جو مغربی علوم۔ مغربی معاشرت، مغربی تہذیب کی برکت سے ہندستان کو حاصل ہوئی ہیں اور جن سے ہندیوں کی انفرادی، قومی و ملکی زندگی کو گوناگوں فوائد و منافع نصیب ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک آزادی عورتوں کی آزادی ہے، جس نے منجملہ مختلف ذاتی و نوعی، ملکی و مالی اثرات کے ہندستان کے شعر و ادب اور اردو غزل پر بھی اثر کیا ہے۔

پرانے زمانے میں "بازارِ حُسن" شہر کے کسی خاص حصے میں سامان نظر افروزی مہیا کیا کرتا تھا۔ اب ہر راہ، ہر بازار، ہر اسٹیشن، ہر محفل، ہر ساحل حسن کی نمائش گاہ ہے۔ کسی شاعر نے کسی ایک موقع کا ذکر کر کے پوچھا تھا: "زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے؟" آج کل واقعی زاہدوں کا خدا ہی حافظ ہے۔ ان مناظرِ حسن کی کثرت و عمومیت اخلاق و اعمال پر جو اثر کر سکتی ہے ظاہر ہے۔ ان مناظر سے ہر شخص کو چار و ناچار گزرنا پڑتا ہے۔ ایسے موقع پر داغ کو کوئی ٹوکتا تو بے دھڑک کہہ دیتے۔

کیوں کفر ہے دیدار صنم حضرت واعظ — اللہ دکھاتا ہے بشر دیکھ رہے ہیں

داغ کا ہم آواز ہونے کے لیے جرأت رندانہ چاہیے اور وہ تہذیب کے منافی ہے۔ اس لیے دیکھتے تو جاتے ہیں لیکن "پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو۔" دیکھنے کا اقرار کرنے کی ہمت نہیں۔ یہ اندیشہ دامن گیر ہے کہ ہم داغ کا سا شعر لکھ دیں تو یہ ہمارا حال سمجھا جائے گا قال نہیں۔ اس لیے حال تو ضرور رہتا ہے لیکن قال میں نہیں آتا۔

عورتوں کی آزادی، تعلیم اور بے پردگی نے اس کے علاوہ اور بھی اثر کیا ہے۔ اگلے وقتوں میں شریف زادیاں چار دیواری کے حبس دوام کو عیش جاوید سمجھتی تھیں، ان کے مشاغل حیات امور خانہ داری تک محدود تھے۔ تعلیم محدود و خاص تھی۔ اخبارات و رسائل ناول اور فسانے ان کے علم سے باہر اور شوق سے خارج تھے۔ آزادی و مساوات ان کے تصور سے بھی باہر تھی۔ ان کے گھر کے مرد باہر جو چاہیں کریں ان کو نہ خبر ہوتی نہ پروا۔ خود ان کے مردانے میں۔ بزم نشاط گرم ہوتی اور وہ دیکھنے بھی نہ جاتیں، مجلس مشاعرہ منعقد ہوتی لیکن وہ سننے کی بھی کوشش نہ کرتیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مرد جو شعر و شاعری کرتے تھے، غزل میں جو حسن و عشق کے جذبات و معاملات بیان کرتے تھے اس میں ان کو وہ مشکلات پیش نہ آتی تھیں جو موجودہ زمانہ میں پیش آئیں اور جن کے سبب سے شعراء رنگ تغزل کو بدلنے پر مجبور ہوئے۔ یعنی عورتوں کے حاضر و مخاطب نہ ہونے کے سبب سے شاعروں کو یہ اندیشہ نہ تھا کہ ان کے مضامین غزل سے شریف زادیوں کے پاکیزہ جذبات کو ٹھیس لگے گی اور نہ عورتوں کو محجوب ہونا پڑتا تھا کہ ان کی ہم جنسوں کی کیا توقیر ہو رہی ہے۔

اس زمانے میں آزادی و بے پردگی کی برکت سے عورتیں مجلس و محفل میں شریک ہیں اور نہ ہوں تب بھی تعلیم کے فیض سے اخبار رسالے اور دیوان ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ اس لیے ممکن نہ تھا کہ اس طرح کے مضامین غزلوں کے اندر باقی رہتے:

یاد آتا ہے تو کیا پھرتا ہوں گھبرایا ہوا	چمپئی رنگ اس کا اور جوبن وہ گدرایا ہوا
اس ڈھب سے کیا کیجیے ملاقات کہیں اور	دن کو تو ملو ہم سے رہو رات کہیں اور

جرأت

لگا کر گلے، رفع دل کی تپش کی — بڑی آپ نے آج یہ پرورش کی
گالیاں سیکڑوں دی پاؤں جو دابے ہم نے — کھنتیں خوب سی کیں خوب سا انعام لیا

انشا

خود ترے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسہ لے لو — اور معشوقوں کی ہوتی ہے اجازت کیسی

امیر

شریر آنکھ ملنگ بے قرار، چتون شوخ — تم اپنی شکل تو پیدا کرو حیا کے لیے
اک ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی — اف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

داغ

مٹ گئے شکوے جب اس نے اے جلیل — ڈال دیں باہیں گلے میں ناز سے

جلیل

نہ جھوٹ بول کہ ہم شام سے کل آئیں گے — نہ کھا قسم ارے جھوٹی، کبھی جو تو آئے

ریاض

یہ رنگ غزل باقی رہنے کے قابل نہ تھا، نہ رہ سکتا تھا، اور نہ رہا پہلے زمانے میں سوسائٹی اور طرز معاشرت نے اس رنگ کو گوارا و جائز رکھا لیکن جب بھی نہ ہوتا تو بہتر ہوتا۔ "مچھی رنگ" اوڑ گدرایا ہوا جوبن" حقیقت سہی اور اس کا یہ اثر مسلم کہ "یاد آتا ہے تو کیا پھرتا ہوں گھبرایا ہوا" لیکن یہ ذکر کسی زمانے اور کسی سوسائٹی میں زبان پر آنے کے قابل نہیں ہے۔ "شریر آنکھ ملنگ بیقرار چتون شوخ" صحیح ہو لیکن یہ کہنا بڑی بے حیائی ہے کہ "تم اپنی شکل تو پیدا کرو حیا کے لیے"۔ پاؤں دبانا اور گالیاں کھانا معاملہ ہو لیکن یہ فخریہ اعلان کہ "کھنتیں خوب سی کیں، خوب سا انعام لیا۔" پاک شہد پن ہے۔ جب اس زمانے کے لیے یہ مضامین مذموم تھے تو اس زمانہ میں جب عورتیں ان کو سننے اور پڑھنے کے لیے تیار ہیں کیوں کر باقی رکھے جاسکتے تھے اس اعتبار سے غزل میں جو اصلاح ہوئی نہایت موزوں تھی۔ ہم خود اس رنگ کو صحیح رنگ تغزل نہیں سمجھتے، لیکن افسوس یہ ہے جو اصلی غزلیت اور اعلیٰ شعریت تھی وہ بھی موجودہ غزل میں بہت کم نظر آتی ہے۔ ہم نے "شعرائے قدیم کا بہترین رنگ تغزل" دکھانے

کے لیے جو اشعار پہلے نقل کیے ہیں ان کو پھر پڑھ کر دیکھیے اور بتایئے کہ حسن و عشق کے جذبات و معاملات کا اظہار اگر اس حد تک بھی جائز نہ ہو تو وہ غزل کیا غزل ہے؟

لیکن غزل جدید میں یہ صحیح تغیر اور موزوں انقلاب بیسویں صدی کے اعلیٰ اور مستند شعرا کے کلام میں ہوا ہے۔ جنھوں نے طرز تغزل اور وضع زمانہ کو اپنے ذوق سلیم کی روشنی میں دیکھا، ورنہ جدید "ترقی پسند" شاعروں نے جن میں جواں سال اور سال خوردہ دونوں شامل ہیں۔ غزل کو انشا ورنگین کیا جاں صاحب اور رشید لکھنوی کے معیار تک پہنچا دیا ہے اور آزادی و بے پردگی کی برکت سے خود شاعر خواتین بھی اپنی غزلوں میں عریاں نظر آتی ہیں۔

داغ کی غزل گوئی پر تبصرہ

داغ کی پرورش فضائے شاعری میں: شاعر کو اظہار کمال کے لیے جوہر ذاتی و مناسبات فطری کے علاوہ جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ فضائے شاعرانہ ہے۔ جہاں اس کا جوہر ذاتی معیار صحیح حاصل کرتا ہے اور اس کی مناسبت فطری ذوق سلیم کی صورت اختیار کرتی ہے۔ داغ کو اپنے ہمعصروں کے مقابلے میں یہ فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے دہلی کے لال قلعہ میں ہوش سنبھالا بیگمات شاہی سے زبان سیکھی۔ شاہزادوں کے ساتھ علم و ادب حاصل کیا۔ انہی کے ساتھ مشق سخن کی۔ شاہی استاد (ذوق دہلوی) سے فن شعر میں فیض پایا۔ قلعہ کے شاہی مشاعروں میں شریک ہوئے خود بادشاہ سے داد سخن لی اور پچیس سال کی عمر تک قلعہ میں رہے۔ پچیس برس میں سیکھنے والا کیا بات سیکھنے سے چھوڑ دے گا پھر داغ جیسا ذکی، ذہین، طباع، سلیم مذاق و موزوں دماغ، خاص کر جبکہ لال قلعہ جیسی شعرستان وادب زار میں موجود ہو کہ وہاں دن رات شعر و شاعری کا ذکر وفکر تھا چنانچہ 1844 میں جبکہ 13 برس کی عمر تھی داغ نے شاہی مشاعرہ میں غزل پڑھی۔ اس کے بعد قلعہ کے مشاعروں میں تو شریک رہتے ہی تھے۔ شہر کے مشاعروں میں بھی اپنے استاد ذوق کے ساتھ جانے اور داد سخن لینے لگے۔

دہلی کا وہ زمانہ اردو شاعری کے لیے عہد زریں تھا۔ مومن و غالب جیسے بلند خیال ذوق

وحشت جیسے باکمال صہبائی و آزردہ جیسے علما کا مجمع تھا۔ مشاعروں میں ان سب کا اجتماع ہوتا تھا۔ داغ بھی شریک ہوتے تھے۔ ان کے معرکہ آرا علمی مباحث اور معرکہ آرا شاعرانہ مقابلے۔ کیسے کچھ بصیرت افروز ہوں گے۔ داغ کی پختگی علم وفن اور مشق شعر وسخن کے لیے وہ سامان فراہم تھا کہ کم کسی کو نصیب ہوا ہے۔

غدر میں جب یہ مجمع منتشر ہوا تو داغ رام پور چلے گئے، وہاں اسیر، امیر، جلال، تسلیم وغیرہ لکھنؤ کے اہل فن جمع ہو گئے۔ خود نواب کلب علی خاں بڑے سخن فہم وسخن سنج تھے یہاں بھی علم وفن کے چرچے اور شعر وسخن کے جلسے دہلی سے کم نہ تھے۔ دہلی میں داغ اور سب سے چھوٹے اور مبتدی تھے۔ یہاں سب کے برابر اور مد مقابل۔ مقابل ومسابقت کا میدان سامنے تھا اور نواب صاحب خود منصف وحکم یہاں داغ کی شاعری کے جوہر کھلے اور ایسے چمکے کہ تمام ہندستان کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔

داغ کی شاعری کے دور: شاعروں کے دیوان ردیف وار مرتب ہوتے ہیں۔ زمانہ تصنیف کے لحاظ سے ترتیب نہیں ہوتی جس سے اندازہ ہو سکے کہ شاعر نے کس طرح شاعری شروع کی اور رفتہ رفتہ کس طرح ترقی کرتا گیا۔ یہی حال داغ کا ہے۔ تاہم بعض غزلوں یا بعض اشعار کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ قیام دہلی کے زمانہ میں کہے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں دہلی میں، ایک شاعر تھے محمد علی تشنہ۔ ان کے متعلق ''خم خانہ جاوید'' کا بیان ہے کہ ''استاد ذوق کے شاگرد تھے۔ بڑے خوش فکر، وارفتہ مزاج، درویش وضع شخص تھے۔ کبھی لباس زیب بدن کرتے کبھی عریانی کو اپنا لباس بے تکلف قرار دیتے۔ ان میں یہ بڑا عیب تھا کہ اپنے ہمعصروں کا کلام بے تکلف اپنے نام سے پڑھ دیتے تھے۔ چنانچہ اپنے استاد بھائی حضرت داغ کے کلام پر بہت ہاتھ صاف کیا جیسا کہ ان کے مندرجہ کلام سے معلوم ہوگا۔'' اس کے بعد تشنہ کے انتخاب کلام میں چند ایسے شعر بھی درج کیے ہیں جو داغ کے دیوان اول (گلزار داغ) میں موجود ہیں۔ وہ یہ ہیں:

زمانۂ دہلی کا کلام

کبھی یہ دل تماشا گاہ صد عیش و مسرت تھا   اب اس میں حسرت و یاس و تمنا سیر کرتے ہیں

الہی دیدہ و دل تو نہ ٹھہرے، رہگذر ٹھہرے   کبھی حسرت گزرتی ہے، کبھی ارماں گزرتے ہیں

کیا کہا پھر تو کہو، دل کی خبر کچھ بھی نہیں   پھر یہ کیا ہے خم گیسو میں اگر کچھ بھی نہیں
اک جفا تیری نہیں کچھ بھی مگر سب کچھ ہے   اک وفا میری کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں
آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے   سب کی ہے تم کو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں
حشر کی دھوم ہے سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے   فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں
لامکاں میں بھی تو کچھ جلوہ نظر آتا ہے   بیکسی، میں تو ادھر ہوں کہ جدھر کچھ بھی نہیں

اس حساب سے اگر یہ کلام زمانہ دہلی کا ہے تو داغ نے اپنی خصوصیات، سلاست بیان خوبی بندش جدت ادا، شوخی مضمون شروع ہی میں پیدا کر لی تھی۔

زمانہ رام پور کا کلام: لیکن ان کی شاعری کا اصلی اور بہترین دور قیام رامپور کا زمانہ ہے۔ یہاں باکمالوں سے مقابلہ تھا۔ نواب نکتہ سنج کے سامنے سرخرو ہونا تھا علمائے رامپور کی نگاہوں میں قدر و منزلت حاصل کرنی تھی۔ شعرائے رامپور سے داد لینی تھی۔ ہندستان میں نام پیدا کرنا تھا۔ خاص کر امیر مینائی سے حریفانہ مقابلہ کرنا تھا کہ وہ نواب کلب علی خاں کے استاد تھے ناموری و مقبولیت دلوانے کے لیے امیر کے پلّے پر شاعری کے علاوہ ان کا زہد و اتقا تھا۔ ان کا علم و فضل تھا۔ ان کا متقی و صوفی ہونا تھا اور داغ کے پلّے میں شاعری ہی شاعری تھی۔ وہ بھی صرف غزل کی شاعری، حمد و نعت، مدح و منقبت، قصیدہ و مثنوی کے یہ مرد میدان نہ تھے۔ غزل ہی سے کام لیتا تھا اور اسی میں نام پاتا تھا۔ پھر شہرت و اشاعت کا ایک اور ذریعہ پیدا ہو گیا۔ یعنی نواب کلب علی خاں کی زندگی میں ہم طرحی غزلوں کا ایک گلدستہ پیام یار کے نام سے 1883 میں لکھنؤ سے جاری ہو گیا اور اس کے ذریعہ سے شعرا کا کلام ہر مہینے ہندستان کے گوشے گوشے میں پہنچنے لگا۔ امیر، داغ، جلال، تسلیم وغیرہ تمام معاصرین کی طرحی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ خود نواب ناظم کی غزلیں بھی کبھی کبھی پیام یار کی عزت بڑھاتی تھیں۔ اب تمام ہندستان میں استادوں کی طرز ادا، بندش قافیہ، توارد مضمون کا مقابلہ ہونے لگا۔ ان سب باتوں نے مل کر داغ کو کمال غزل گوئی کی طرف متوجہ کر دیا۔ چنانچہ اس زمانے میں جو ریاض کیا اس کے ثمر گلزار داغ اور

آفتاب داغ ہیں جو 1296ھ 1879 اور 1302ھ 1885 میں شائع ہوئے۔ ان دیوانوں میں داغ کے کلام کی تمام خصوصیتیں بہترین رنگ میں جمع ہیں۔ شیرینی بیان اور لطف زبان ایسا ہے کہ ابتدا سے اب تک کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوا۔ جدت ادا اس قدر کہ بجز مومن و غالب کے کوئی ان کا ہم پایہ نہیں۔ شوخی مضمون اتنی کہ ان سے بڑھ کر کہیں نظر نہیں آتی۔ شعرا بھی لطف اندوز ہوتے ہیں اور ناصح و زاہد کے لبوں پر بھی تبسم آ ہی جاتا ہے۔

زمانۂ حیدرآباد کا کلام: ان خوبیوں نے آخر داغ کو حیدرآباد پہنچا دیا اور استاد نظام بنا کر اس مرتبہ پر ممتاز کر دیا جو کسی شاعر کو نصیب نہ ہوا تھا۔ لیکن عزت و جاہ کے عروج کے ساتھ شاعرانہ کمال کا زوال شروع ہو گیا۔ اب داغ کی عمر پورے ساٹھ برس کی ہو چکی تھی۔ انحطاط و اضمحلال کا زمانہ تھا۔ "وہ عناصر میں اعتدال کہاں" جوش و ہمت، شوق و ولولہ رخصت ہو چکا تھا۔ راحت ملی، محنت کی عادت چھوٹ گئی۔ شہرت قائم ہو چکی تھی۔ اس کے زائل ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔ شاگردوں اور مداحوں کا گردو پیش ہجوم رہتا تھا۔ استاد کی زبان سے شعر نکلا اور تحسین و آفریں کے نعرے بلند ہوئے۔ غزل پوری ہوئی اور تمام شہر میں مشہور اور اخباروں میں شائع ہو گئی۔ کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔ تنقید و تبصرہ نہ تھا۔ شاگردوں کی مجال نہ تھی۔ احباب مداح تھے۔ باہر والے ہر شعر کو تبرک اور ہر غزل کو باغ کی آخری بہار سمجھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بجز صحت و صفائی کے اور تمام خوبیاں کم ہوتی چلی گئیں۔ حیدرآباد سے ان کا تیسرا دیوان مہتاب داغ شائع ہوا۔ اس میں جو غزلیں اچھی ہیں وہ یقیناً قیام حیدرآباد کے شروع زمانہ کی ہیں یا وہ ہیں جو انھوں نے پیام یار وغیرہ مقابلہ کے رسالوں کے لیے توجہ سے لکھیں۔ پیام یار داغ کے حیدرآباد پہنچنے کے ایک عرصہ بعد تک جاری رہا اور اس میں امیر و جلال وغیرہ سے داغ کا مقابلہ ہوتا رہا باقی مہتاب داغ کا اکثر حصہ گلزار داغ سے بہت پست ہے۔ طرز ادا میں جدت پیدا کرنا محنت اور توجہ کا کام ہے۔ یہ وصف مہتاب داغ میں بہت کم نظر آتا ہے۔ شوخ بیانی ایک تو وہ ہے جو جوانی و عیش دونوں سے پیدا ہوتی ہے اور ایک وہ جو پیرانہ سری و عیش پرستی کا نتیجہ ہے۔ دوسری شوخ بیانی میں ہزل اور پھکڑ کی شان پیدا ہو جاتی ہے، یہی چیز مہتاب داغ میں زیادہ نمایاں ہے۔ چوتھا دیوان یادگار داغ اور اس کا ضمیمہ داغ کے انتقال کے بعد شائع ہوا۔ مہتاب داغ میں جو خوبیاں باقی رہ گئی تھیں۔ یادگار داغ میں وہ بھی رخصت ہو گئیں۔ ایک صفائی

دلچسپی بندش تو ہے باقی کچھ نہیں۔ آخر میں محاورہ بندی کا شوق بڑھ گیا تھا۔ اس شوق کے لیے ایک یہ تحریک بھی پیدا ہو گئی کہ ان کے شاگرد جناب احسن مارہروی نے فصیح اللغات کے نام سے ایک کتاب لغت کی تیاری شروع کر دی اور اس کے الفاظ و محاورات کی سند کے لیے استاد سے شعر لکھوائے۔ استاد کو محاورہ بندی کا پہلے ہی کیا کم شوق تھا لیکن وہ شوق شعر و مضمون کی خاطر تھا پہلے حسن تخیل کو لطف ادا کے ساتھ لکھتے تھے۔ اب تخیل و جدت کی فرصت کہاں تھی صرف محاورہ بازی ہونے لگی اور اس کا اثر ان کی عام غزلوں پر بھی پڑنے لگا۔ داغ نے اپنے استاد ذوق کے طرز میں جو اصلاح، اضافہ اور ترقی کی تھی وہ یہ تھی کہ کلام کو تعقید کے عیب سے پاک کیا۔ ثقیل و نامانوس الفاظ نہ آنے دیے۔ بندش کو چست کیا۔ نزاکت تخیل لطافت ادا اور صحیح معنوں میں شعریت پیدا کی۔ استاد ذوق کے ایسے بھدے مضمون اور الفاظ داغ کے کلام میں پہلے نہ تھے۔

کوئی زہر نوش مجھ سا نہیں پہنچا ذوق ورنہ | شجر زقوم دوزخ میں بھی خشک دود ہوتا
ہو کے اک بوسے پہ ترش ابرو | بات کو ڈالنا کھٹائی میں
اے غم مجھے تمام شب ہجر میں نہ کھا | رہنے دے کچھ کہ صبح کا بھی ناشتا چلے
نہ ڈال آبلے اے گرمی فغاں منہ میں | کہ چپکا بیٹھ رہوں بھر کے گھنگھنیا منہ میں
پہنچا ہے شب کمند لگا کر وہاں رقیب | سچ ہے حرامزادے کی رسی دراز ہے

داغ نے آخر عمر میں اپنی شاعری کا بھی یہی رنگ کر دیا۔ دیکھیے:

لڑے مرتے ہیں آپس میں تمھارے چاہنے والے
یہ محفل ہے تمھاری یا کوئی مرغوں کی پالی ہے

کبھی دو کبھی سو ملیں گالیاں | مقرر ہماری نہ تنخواہ کی
محبت کی سند دیں گے دادو وہ خط کو مرے پڑھ کر | وہاں انصاف پھر کیا ہو جہاں اندھیر کھاتا ہو
نقشہ بگڑا رہتے رہتے غصہ ناک | کٹ کھنی قاتل کی صورت ہو گئی
عیادت کو مری آ کر وہ یہ تاکید کرتے ہیں | تجھے ہم مار ڈالیں گے نہیں تو جلد اچھا ہو
میں جلوے سے بیہوش وہ فرماتے ہیں ڈر کر | لایا کوئی جادو کا یہ پتلا مرے گھر میں
درباں کو ملا کر جو پکارا انہیں میں نے | خود کہنے لگے کون ہے؟ وہ گھر میں نہیں ہیں

کٹتی ہے ہجر یار میں اوقات اس طرح　　　کوئی کتاب یا کوئی اخبار دیکھ کر

اس آخری شعر میں داغ نے خود اپنے "عشق" پر ریویو کر دیا۔ گلزار داغ کے زمانہ تک جوش و شوق تھا تو ہجر یار میں تڑپتے لوٹتے یا تارے گنتے کٹتی تھی۔ آخر عمر میں ولولے سرد ہو گئے تو کتاب یا اخبار کی سوجھنے لگی۔

یادگار داغ سے پرگوئی و بسیار گوئی کا شوق بھی بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ گلزار داغ میں دوغزلہ سہ غزلہ شاذ و نادر ہیں اور کسی غزل میں مشکل سے 30 شعر ملیں گے۔ اکثر غزلیں سات سے سترہ شعر تک کی ہیں۔ لیکن یادگار میں ایک ایک زمین میں تین تین چار چار غزلیں بہت نظر آتی ہیں۔ بعض زمینوں میں ستر اسی شعر لکھے ہیں۔ پھر اس بسیار گوئی کا یہ رنگ ہے کہ گلزار داغ کا معیار پیش نظر رکھ کر انتخاب کا نشان بنانے کے لیے پنسل ہاتھ میں لے لیجیے اور یادگار داغ کے صفحے کے صفحے پڑھتے چلے جائیے۔ پنسل کے استعمال کا کم اتفاق پیش آئے گا۔ اس پر دعویٰ یہ ہے:

پیری میں داغ جوش مضامیں ہے رنگ پر　　　اس باغ کی بہار ہماری خزاں سے ہے

داغ کا طرز خاص: غزل کی خوبی کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ فصیح و شیریں ہوں۔ بندش چست و صحیح ہو، محاورات کا استعمال موزوں و برمحل ہو۔ طرز ادا میں جدت ہو۔ داغ کے یہاں یہ سب چیزیں بہتر سے بہتر ہیں اور ان پر شوخ بیانی و ظرافت طرازی کا اضافہ ہے۔ یہی داغ کا طرز خاص ہے۔ ہم ان چیزوں کو داغ کے کلام سے دکھاتے ہیں۔

داغ کی زبان: داغ کو اپنی زبان پر فخر ہے اور اس کے متعلق ان کے یہ دعوے بالکل بجا ہیں۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ　　　ہندستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہے داغ　　　اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

کیوں داغ دہلوی کی زباں مستند نہ ہو　　　پیدا کیا خدا نے اسے تخت گاہ میں

بعض جگہ محاورات اور طرز ادا میں اتنی خوب صورتی اور موزونیت پیدا ہو گئی ہے کہ داغ کے مصرع اور شعر ضرب الامثال بن گئے اور خاص و عام سب کی زبان پر ہیں۔ مثلاً

محاورات وامثال

اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں　　کہنا نہیں مانتے کسی کا
نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی　　بہت دیر کی مہرباں آتے آتے
داغ کیوں تم کو بے وفا کہتا　　وہ شکایت کا آدمی ہی نہیں
فریاد وفغاں سے تم اے داغ بری ٹھہرے　　کچھ بھی نہ کیا ہوتا، کچھ بھی نہ ہوا ہوتا

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

عرض احوال کو گلہ سمجھے　　کیا کہا میں نے، آپ کیا سمجھے
کام رکنے کا نہیں اے دل ناداں کوئی　　خود بخود غیب سے ہو جائے گا ساماں کوئی

عیب کو عیب سمجھیے تو کہاں رہتا ہے

اس نے بغیر خط کے پڑھے لکھ دیا جواب　　یہ بات بھی ہے لکھنے کے قابل کتاب میں

مہرباں آپ کی خط مرے سر آنکھوں پر

قتل جہاں اس کے لیے کھیل تھا　　کون کہے آپ نے یہ کیا کیا
ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے　　ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے
عرض مطلب پہ زباں قطع ہوئی　　بات کرنے کی گنہ گاری ہے
دل گیا، تم نے لیا، ہم کیا کریں　　جانے والی چیز کا غم کیا کریں

دوستی کا ہو زمانے میں بھروسا کس پر

خدا جب دوست ہے اے داغ کیا دشمن سے اندیشہ　　ہمارا کچھ کسی کی دشمنی سے ہو نہیں سکتا
حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے　　اور ہوں گے تری محفل سے ابھرنے والے
جنگل میں جا کے کھیت رہا نامہ بر بھی کیا　　بھولا مجھے تو بھول گیا اپنا گھر بھی کیا

روزمرۂ محاورہ

اس سے کیا خاک ہمنشیں بنتی　　بات بگڑی ہوئی نہیں بنتی

پیامبر تجھے لاکھوں سوال کرنے تھے — نہ تھا ہزار میں اک بات کا جواب نہ تھا
دل داغ نے کیوں خاک کیا صبر ہی کرتا — اتنے نہ ہوا تھا کوئی خواہاں نہ ہوا تھا
دیکھنا رشک اس کی محفل کا — ایک کو ایک کھائے جاتا ہے
آتشِ شوق کیا تجھے تا صبح — تو پتنگے لگائے جاتا ہے
ترے ظلم پنہاں ابھی کون جانے — فقط آسماں آسماں ہو رہا ہے
بندہ چاہے جو خدائی، کوئی مل سکتی ہے؟ — لوگ قسمت کو لیے پھرتے ہیں قسمت کیسی!
کشتۂ ناز کو کیوں زندہ کریں آکے مسیح — تم ہی ٹھکراؤ کہ ہے اس میں کرامات ہی کیا
خوگر رنج و بلا ہوں مجھ کو کچھ پروا نہیں — تم کو ستانا گزر جائے گا محشر دیکھ کر
دے دیا اس کے مریضوں کو خدا نے بھی جواب — آپ بھولے ہوئے بیٹھے ہیں مسیحا کس کا
سامنے میر کے تم فتنہ مجھے کہتے ہو — چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

فقروں کا توازن وترنم: ایک مصرع یا شعر میں چند افعال یا اسماء جمع کر کے یا فقرے مرتب کر کے موسیقیت، لطفِ زبان اور بیان پیدا کیا ہے مثلاً

یہیں رہنا، یہیں سہنا، یہیں مرنا، یہیں بھرنا — یہی در ہے یہی سر ہے گزاریں گے یہیں برسوں
ایک میں دل کے نہ ہونے سے ہزار آفت میں ہوں — غم میں ہوں ماتم میں ہوں حیرت میں ہوں حسرت میں ہوں
تری الفت کی چنگاری نے ظالم اک جہاں پھونکا — ادھر چمکی ادھر سلگی، یہاں پھونکا، وہاں پھونکا
گزاری میں نے ساری رات یہ کہہ کر وہ لب آئے — ذرا اے چشم تر تھمنا ذرا اے دل جگر رہنا
اگر غافل نہ ہوتے ہم تو کب کے مر چکے ہوتے — کسے یہ یاد کل کیا تھا، کسے معلوم کل کیا ہو
ہوئی یہ انتظار یار میں ہر اشک کی صورت — جو تھم جائے تو پتھر ہو جو بہہ جائے تو دریا ہو

جدتِ ادا: شاعری میں اور خصوصاً غزل میں اصلی چیز اور سب سے بڑی خوبی اندازِ بیان کی جدت ہے۔ یعنی جو بات شعرا پہلے کہہ چکے ہیں اسی کو نئے طرز سے کہا جائے۔
یہ وصف شاعروں کی ذہنی ترقی اور زبان کی وسعت کا نتیجہ ہوتا ہے اس کے متعلق مولانا حالی نے یادگارِ غالب میں جو کچھ لکھا ہے ہم اس کو انہیں کے الفاظ میں مختصر کر کے لکھتے ہیں:

ان کی (یعنی شعرائے قدیم کی) غزل میں جو جذبات وخیالات بیان ہوئے وہ اپنی نیچرل حالت سے متجاوز نہیں ہوئے مگر چونکہ خیالات نہایت محدود تھے ایک مدت کے بعد جتنے سیدھے سادے عمدہ اور لطیف اسلوب تھے وہ سب بندھ گئے۔ اب جو لوگ تقلید کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے انھوں نے اسی (قدیم طرز بیان، پر قناعت کی مگر جن کی فطرت میں اوریجنیلٹی اور اپچ کا مادہ تھا ان ہی قدیم خیالات وجذبات میں اپنے اپنے مبلغ فکر کے موافق نزاکتیں اور لطافتیں پیدا کرنے لگے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مرزا غالب نے سب سے پہلے یہ طرز اختیار کی تھی۔ مرزا سے پہلے بھی بعض شعرا کے کلام میں اس نئی طرز کی کہیں کہیں جھلکی سی نظر آ جاتی ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اول مرزا نے اور انہیں کی تقلید سے مومن، شیفتہ، تسکین، سالک، عارف، داغ وغیرہم نے اس طرز کو بہت زیادہ رواج دیا۔ خصوصاً مومن خاں مرحوم اس خصوصیت میں مرزا سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔ مثلاً خواجہ میر درد نے معشوق کے رخ روشن کو شمع پر اس طرح ترجیح دی ہے۔

رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

نواب مرزا خاں داغ نے اس مضمون میں نئی طرح کی نزاکت پیدا کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے[1]

اس مثال سے واضح ہو گیا ہوگا کہ جدت ادا اور نئے انداز بیان کی یہ صورت ہوتی ہے۔ اس جدت میں حسن ولطافت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے جو نیا خیال یا نیا اسلوب نظم میں لایا جائے اس کے لیے الفاظ کا انتخاب موزوں، تخیل کی ترتیب درست اور مضمون سلجھا ہوا ہو۔ مومن خاں جدت ادا کے بادشاہ ہیں لیکن کہیں انداز بیان میں جدت پیدا کرنے کے شوق میں کچھ بات کہنے سے چھوڑ دیتے ہیں جو سننے والے کو ڈھونڈنی پڑتی ہے اس لیے مضمون واضح نہیں رہتا۔ مثلاً

---

1 ہم نے مولانا حالی کے بہت طویل مضمون کو نہایت مختصر کر دیا ہے اور بہت سی عبارتیں حذف کر کے انہی کے الفاظ میں تسلسل قائم رکھا ہے۔

اس جوشِ تپش پر ہوئی مشکل سے رسائی   صد شکر گذر غیر کا تا بام نہ ہوگا

دونوں مصرعوں کے درمیان میں یہ بات چھوڑ دی کہ "دشمن میں اس قدر تڑپ نہیں ہے"

کہیں لفظوں کا اختصار اور مضمون کا طول حد ضرورت سے بڑھا دیتے ہیں۔ مثلاً

وفائے غیرتِ شکرِ جفا نے کام کیا   کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بوالہوس گزرے

مطلب یہ ہے کہ ہم جفائے یار پر جو شکر کرتے ہیں اس سے اعدائے بوالہوس کو غیرت آئی اس لیے کہ رقیبوں کے دل میں عشق نہیں بلکہ ہوس ہے اور وہ جفا پر شکر کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ اس غیرت کے سبب سے انھوں نے ہوس بھی چھوڑ دی۔ تو گویا غیرت شکر جفا نے ہمارے ساتھ وفا کر کے ہمارا کام بنا دیا۔ یا مثلاً مومن ہی کا ایک اور شعر ہے۔

نقد جاں تھا نہ سزائے دیت عاشق حیف   خون فرہاد سرِ گردنِ فرہاد رہا

مفہوم یہ ہے کہ فرہاد نے جو اپنا نقد جان صرف کیا وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو عاشق کا خون بہا قرار دیا جائے اس لیے فرہاد کا یہ کام رایگاں ہوا اور اس کا خون اسی کی گردن پر رہا۔

دور جدید میں جدت ادا بہت نظر آتی ہے۔ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ یہ وصف وسعت تخیل، ترقی زبان، کثرت اسالیب سے پیدا ہوتا ہے اور بلاشبہ یہ باتیں زمانہ موجودہ میں بہت بڑھ گئی ہے۔ لیکن جیسا ہم کہہ چکے ہیں طرز ادا کی جدت میں احتیاط اور غور و فکر کی ضرورت ہے مثلاً جدت ادا کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ ایک آسان لفظ کی جگہ کوئی فارسی عربی کی ترکیب رکھ دی جائے جیسا کہ اس شعر میں

کیا احتمال فطرت دل حشر میں نہیں   او بے نقاب خیر تو ہے، تو یہاں کہاں

یہاں "فطرت دل" سے مراد عشق ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ کیا حشر میں اس کا احتمال نہیں ہے کہ کوئی تجھ پر عاشق ہو جائے جو بے نقاب یہاں آ گیا۔ اسی طرح نفس مضمون میں کوئی ناموزوں بات نہ ہو۔ جیسے مرزا عزیز لکھنوی کے اس شعر میں ہے۔

اک نظر گھبرا کے کی اپنی طرف اس شوخ نے   ہستیاں جب مٹ کے اجزائے پریشاں ہو گئیں

گھبرا کر نظر کرنے کا موقع اس وقت ہوتا ہے جب کوئی بات ناگہاں پیش آ جائے۔ ہستیوں کا مٹ کر اجزائے پریشاں ہو جانا آن واحد کا کام نہیں۔ اگر مثلاً برق نگاہ سے ہستیوں کا یکایک فنا ہونا کہا جاتا تو گھبرا کر نظر کرنا موزوں ہو جاتا پہلے مصرع کی بات بہت اچھی اور نئی ہے لیکن پورا

مضمون درست نہ ہونے سے جدت ادا پوری نہ ہوئی۔

اب داغ کے انداز بیان کی جدتیں ملاحظہ ہوں:

اے عشق سن نہ لے کہیں فرہاد یہ صدا　　تیشہ پکارتا ہے کہ میں کوہکن ہوا

اصل مفہوم یہ ہے کہ کوہ کنی عاشقی کی دلیل نہیں ہے۔ اس کو کیسے جدید اسلوب کے ساتھ کہا ہے کہ کوہ کنی کا دعویٰ تو تیشہ کو بھی ہو سکتا ہے پھر کوہکن نے کیا کمال کیا۔

اس قدر ناز ہے کیوں آپ کو یکتائی کا　　دوسرا نام ہے وہ بھی مری تنہائی کا

تنہائی کو یکتائی کا مقابل کہنا کس قدر نئی بات ہے۔

اے شب ہجر ترا خلق پر احساں ہوگا　　حشر کے دن کو اگر تو نے نکلنے نہ دیا

شب ہجر کی درازی بہت عام مضمون ہے، لیکن یہ کہنا کس قدر عجیب ہے کہ ہجر کی رات کبھی ختم نہ ہوگی تو حشر کا دن بھی نہ آئے گا اور دنیا کی مخلوق کا بھلا ہو جائے گا کہ محشر کے ہنگامہ سے نجات مل جائے گی۔

جواب خضر ہیں وہ مردہ دل کہ جن کو یہاں　　ملی ہے مرگ ابد عمر جاوداں کی طرح

اے شیخ جس کو جو نہ ملے گا بڑے کا شوق　　جنت کو میں پسند، جہنم کو تو پسند

اس توبہ پر ہے ناز تجھے زاہد اس قدر　　جو ٹوٹ کر شریک ہو میرے گناہ میں

ہے خط جادہ راہ محبت میں تیغ تیز　　کٹتے ہیں پاؤں دوری منزل کے ہاتھ سے

تلوار مجھی کو ہے مری آہ　　وہ بھی ظالم تری کمر کی

وہ نزاکت سے تھم گئے چل کر　　لو قدم گڑ گئے قیامت کے

کیجیے گا ہم کو قتل تو قربان جائیں گے　　پر سر کے ساتھ آپ کے احسان جائیں گے

دم ٹوٹتا رہا شب وعدہ تمام رات　　کیا رشتۂ حیات بھی تیری قسم ہوا

عالم تمام چشم حقیقت نگر بنا　　منہ دیکھتا ہے آئینہ، آئینہ ساز کا

ملتا نہیں ہم کو دل گم گشتہ ہمارا　　تو نے تو کہیں اے غم جاناں نہیں دیکھا

حسان عفو جرم سے وہ شرمسار ہوں — بخشا گیا میں تو بھی گنہ گار ہی رہا

اے درد عشق خانۂ دل گھر ترا سہی — آباد یہ مکاں تو جب ہو کہ تو نہ ہو

اک تیری دوستی سے ہوئی سب میں دشمنی — گر یہ نہ ہو تو کوئی کسی کا عدو نہ ہو

کیا رشک ہے کہ طالب ہجراں ہوں اس لیے — جو مجھ کو ہے رقیب کو وہ آرزو نہ ہو

تم آئینہ ہی دیکھ کے حیران رہ گئے — واللہ میرے دل میں اک ایسا ہی اور ہے

تقدیر کو جب آگ لگاتا ہے سوز عشق — ہوتی ہے روشنی مرے بخت سیاہ میں

حقیقت میں ہو تم دنیا سے اچھے — حقیقت میں مگر دنیا ہی کیا ہے

نظر آتا نہیں محفل میں کہیں پروانہ — بن کے بیٹھا ہے کہاں شمع شبستاں کوئی

قیامت تھک گئی جب لٹتے اٹھتے میرے نالوں سے — تو آخر مضطرب ہو کر ترے قدموں سے جا لپٹی

میں صبح شب وصل نہ دیکھوں اسے جاتے — آنکھوں ہی میں آ جائے سپیدی سحر بھی

آئینہ سے وہ کہتے ہیں تیری نظر ہوئی — اے چشم شوق اس کی تجھے بھی خبر ہوئی

ہوتا ہے خشک دامن تر کیا طلسم ہے — طوفان گریہ و عرق انفعال سے

جس شکل سے ہنستے ہیں مری حال پہ احباب — روتے ہوئے یوں اہل عزا کو نہیں دیکھا

اس غنچہ میں سمائی ہے وحشت برنگ بو — دل کتنی تنگیوں پہ بیاباں ہو گیا

شوخی وظرافت: داغ کا سب سے چمکتا ہوا رنگ شوخ بیانی ہے۔ اپنے طرز کے متعلق کس قدر شوخی اور جدت کے ساتھ کہتے ہیں۔

اے داغ اسی شوخ کے مضمون بھرے ہیں — جس نے مرے اشعار کو دیکھا اسے دیکھا

اس انداز بیان پر ان کو ناز بھی ہے فرماتے ہیں:

ختم ہے شوخی الفاظ و تلاش مضموں — ہے تو یوں داغ سخنور ہے سخنور پورا

تلاش مضمون تو نہیں، شوخی الفاظ البتہ داغ پر ختم ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ رے تری شوخ بیانی اے داغ — ست اک شعر نہ دیکھا ترے دیواں میں کبھی

داغ کی طبیعت اس قدر شوخ ہے کہ کسی کے ساتھ اور کسی موقع پر ظرافت سے باز نہیں رہتے۔ جذبات میں شوخی ہے، معاملات میں شوخی ہے۔ اعدا کے ساتھ شوخی ہے۔ واعظ و ناصح

کے ساتھ شوخی ہے۔ حتیٰ کہ معاذ اللہ خدا کے ساتھ شوخی ہے اور خود اپنے لیے بھی شوخ فقرے لکھنے میں تامل نہیں۔ کہتے ہیں:

چھینے [1] دیتا کس کو داغ رو سیاہ — پر خدا نے دیکھ کر پیدا کیا

داغ کا نام سن کے کہتے ہیں — آدمی کا یہ نام ہوتا ہے؟

داغ کی شکل دیکھ کر بولے — ایسی صورت کو پیار کون کرے

داغ کو دیکھ کے بولے یہ شخص — آپ ہی آپ جلا جاتا ہے

خطا معاف، تم اے داغ اور خواہش وصل؟ — قصور ہے یہ فقط ان کے منہ لگانے کا

جن وجوہ سے شاعری کو مذموم اور شاعروں کو گمراہوں کا پیشوا کہا گیا ہے۔ ان میں خدا و خاصان خدا کے ساتھ بے ادبی و گستاخی بھی ہے۔ لیکن شعرا نے اپنی رسم و عادت یوں ہی مقرر کرلی ہے اور سب اس معاملے میں بیباک ہوتے چلے آئے ہیں۔ مرزا غالب فرماتے ہیں:

زندگی اپنی جب اس طرح سے گزری غالب — ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب — وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

داغ غالب سے زیادہ رند، شوخ اور بیباک ہیں۔ کہتے ہیں:

رہتا ہے عبادت میں ہمیں موت کا کھٹکا — ہم یاد خدا کرتے ہیں کرلے نہ خدا یاد

دنیا میں دل لگی کے لیے کچھ تو چاہیے — ہم ان بتوں سے ملتے ہیں جب تک خدا ملے

میری فریاد دوسرا نہ سنے — تم سنو اے بتو، خدا نہ سنے

الٰہی آج ہی پورا ہو وعدۂ دیدار — نہیں تو اور کسی جلوہ گر کو دیکھتے ہیں

گئے تھے داغ تلاش صنم میں کعبے کو — خدا نے مفت کیا ہے ثواب میں داخل

کچھ آگے داور محشر سے ہے امید مجھے — کچھ آپ نے مرے کہنے کا اعتبار کیا

داغ کی اور شوخ بیانیاں دیکھیے یہ شوخیاں بھی جدت اور لطافت سے خالی نہیں:

---

[1] داغ سیاہ فام تھے اور چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔

یہ بتا دیتے ہیں دشمن کو بھی اکثر راہ دوست — خضر مر جائیں تو کوئی رہنما پیدا کریں

آب بقا نے گرچہ بہت روک تھام کی — پیری چلی نہ خضر علیہ السلام کی

علیہ السلام کا لفظ غزلوں میں استعمال ہونے کے قابل نہیں ہے، لیکن اگر جائز ہو سکتا ہے تو وہ بہترین محل یہی ہے۔ یہاں یہ لفظ نہ ہوتا تو بلاغت میں کمی آ جاتی ہے اس لیے کہ اس مضمون میں خضر کی بزرگی و عظمت کے اظہار کی ضرورت تھی۔

خضر سے میں نے جو کیں جوش جنوں کی باتیں — ایسے نکلے کہ نہ آئے تھے بیاباں میں کبھی

ہم کو ملے تو لطف رہے اے جناب خضر — گردش زدوں کو لذت عمر ابد نہیں

نہ آئے محبت کے کوچے میں خضر — خدا جانے کیوں کر بسر ہوگئی

عمر بھر عالم ہستی میں جو معدوم رہے — حضرت خضر سے دیکھے نہیں مرنے والے

مرنا تو یہ ہے کہ آزاد ہو کے سیر کرے — خضر کو رشتۂ عمر ابد کمند ہوا

حضرت خضر جب شہید نہ ہوں — لطف عمر دراز کیا جانیں

شیخ و زاہد، واعظ و ناصح، مفتی و محتسب، کعبہ و حرم، مسجد و خانقاہ کے ساتھ گستاخیاں اور بے باکیاں شاعروں کا دستور ہے اور بلاشبہ لائق نفریں ہے اس معاملہ میں مولانا حالی کی رائے بالکل صحیح ہے کہ شاعری[1] میں ان کا ذکر اس حد تک جائز و مناسب ہے جہاں تک اصلاح حال کا تعلق ہے۔ چونکہ اس مقدس گروہ میں بدنام کنندے بھی ہیں ان کے اعمال کا ذکر از راہ نصیحت و خیر خواہی یا از روئے عبرت و بصیرت موزوں ہو سکتا ہے ورنہ توہین و تضحیک کی نیت سے ان بزرگ ہستیوں پر حملہ کرنا نہایت مذموم ہے، لیکن شعرا اس رائے کی پابندی کہاں کرتے ہیں۔ یہ مضمون فارسی و اردو میں اس کثرت سے لکھا گیا ہے کہ شاید ہے معشوق کے بعد اسی کا نمبر ہے۔ شاعر جتنا رند مزاج و بیباک طبع ہوتا ہے اتنا ہی ان بزرگوں کو چھیڑتا ہے۔ داغ کی سنیے:

گئے ہوش تیرے زاہد جو وہ چشم مست دیکھی — مجھے کیا الٹ نہ دیتی جو نہ بادہ خوار ہوتا

دی شب وصل موذن نے اذاں پچھلی رات — ہائے کم بخت کو کس وقت خدا یاد آیا

---

1 یہ مولانا حالی کے الفاظ نہیں ہیں۔ ان کا مفہوم لکھ دیا ہے۔ ان کی کتاب اس وقت موجود نہیں ہے۔

زاہد کا عمامہ ہو کہ ہو شیخ کی دستار
ان دونوں پہ طرہ ہے مرادامن تر آج

زاہد بڑی کریم ہے پیر مغاں کی ذات
واں سب عبادتیں ہیں وضو بے وضو پسند

حضرت زاہد خدا کو آپ نے دیکھا نہیں
بندگی کرتے ہیں ہم اے بندہ پرور دیکھ کر

چلا ہے کعبے کو تو خاک چھاننے زاہد
فقط خدا ہی خدا ہے، حرم میں خاک نہیں

نہ کر عشق وجنوں میں گفتگو اے ناصح ناداں
ترا منہ ہے کہ تو بولے؟ یہ سرکاروں کی باتیں ہیں

کیوں ناامید ہوں؟ وہ خدا ہے بشر نہیں
فردوس واعظو کوئی قاروں کا گھر نہیں

محتسب مانع حلت ہے کہاں سے سے
سونگھنے کو بھی میسر مجھے انگور نہیں

یاں تو نبا ہے جاتے ہیں عشق بتاں کے ساتھ
زاہد نبیز لیں گے دہاں کی وہاں کے ساتھ

گھر بیٹھے کرے دل سے طواف اس کی گلی کا
جھگڑا ہے بس اے اہل حرم اور زیادہ

کب کسی در کی جبہ سائی کی
شیخ صاحب نماز کیا جانیں

ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی
عجیب چیز ہے یہ طول مدعا کے لیے

زاہد نے اڑائے تو صفات ملکوتی
حضرت کا فرشتوں سے ابھی پر نہیں ملتا

بادۂ وساغر کے ذکر میں شیخ وزاہد سے جو نوک جھونک کی ہے وہ ''خمریات داغ'' میں آئے گی۔ اب معاملات حسن وعشق میں داغ کی شوخ بیانی دیکھیے:

تری تو پرشس تیغ نظر کیا کہنا
ہمیں تو دیکھ کہ رکھتے ہیں ہم جگر کیسا؟

منظور ذکر غیر سے تھا امتحان دل
دیکھیں تو آپ اپنی طبیعت کو، کیا ہوا

بات کیا چاہیے، جب مفت کی حجت ٹھہری
اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہ گار نہ تھا

نگاہ شوق پہ الزام بے قراری کا؟
تمھاری برق تجلی کو اضطراب نہ تھا

کہا انھوں نے شب غم کا ماجرا سن کر
ترے مزاج کی شوخی تھی، اضطراب نہ تھا

کیوں رنج دیے دل کو جو فریاد کا ڈر ہے
تھی آپ کی مرضی کہ یہ مضطر بھی نہ ہوتا

فرہاد کے مرجانے کو مذکور نہ کیجیے
کچھ آپ کی تلوار کا احسان نہ ہوا تھا

محشر میں بھی عشاق کا سر اٹھنے نہ دیتا — دنیا میں بھلے کو ترا احساں نہ ہوا تھا
بے خود جو ہوا میں تو غضب ٹوٹ پڑا ہے — آئینہ تمھیں دیکھ کے حیراں نہ ہوا تھا
میں بدگماں اس سے زیادہ خدا کی شان — ہے اعتبار اس کو مرے اعتبار کا
رقیب اس کے بھی قابل نہیں خدا کی قسم — اگر ستم بھی کیا تو بھی لطف تو نے کیا
وعدے پہ مری ان کی قیامت کی ہے تکرار — اور بات ہے اتنی کہ ادھر کل ہے ادھر آج
حور پہ یہ طبیعت اے زاہد — تجھ سے کہہ تو دیا نہیں آتی

کوئی کہہ دے کہ تم نے دل لیا، پھر دیکھیے کیا کیا — اُچھتے ہیں، اکڑتے ہیں، پلٹتے ہیں، بکرتے ہیں

آتی ہے بات بات مجھے یاد بار بار — کہتا ہوں دوڑ دوڑ کے قاصد سے راہ میں
دھوم ہے حشر کی سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے — فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں
تمھیں غرض جو کرو رحم پائمالوں پر — تم اپنی شوخیٔ رفتار دیکھتے جاؤ
کس سے وعدہ ہے جو گھبرائے ہوئے پھرتے ہو — یہ وہ گردش ہے جو میرے بھی مقدر میں نہیں
ماتم غیر میں تمھیں دیکھا — ورنہ یہ عید کس کے گھر نہ ہوئی
کیا کہوں گا اگر اس بت نے کہا محشر میں — داور حشر ترے ہاتھ ہے عزت میری
اترا رہے ہیں حشر میں وہ تیرے لطف پر — ایسا غضب نہ اے مرے پروردگار ہو
سچ ہے بے عیب ہے خدا کی ذات — تجھ میں کیا جانے کیا برائی ہے
بوالہوس کو بھی ہوا نقد محبت پہ غرور — یا الٰہی کوئی لٹتا ہے خزانہ تیرا؟
غضب ہے آہ مری، نام داغؔ ہے میرا — تمام شہر جلاؤ گے کیا جلا کے مجھے

اخلاق و تصوف: داغؔ، رند شاہد باز تھے اور اس ذکر و فکر میں ہر وقت انہماک تھا اس لیے اکثر وہی باتیں لکھی ہیں جو دیکھتے سنتے اور تجربہ کرتے تھے۔ تاہم ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل کے اندر خوف الٰہی، احساس گناہ، اور طلب عفو بہت تھا۔ اسی کے اثر سے بعض اشعار ایسے پر اثر ان کے دل سے نکل گئے ہیں کہ اس بے نیاز ذرہ نواز کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ ایک شعر داغؔ کی مغفرت کا سبب بن جائے۔ مثلاً:

مجھ گنہ گار کو جو بخش دیا　　تو جہنم کو کیا دیا تو نے

اے داغ کوئی مجھ سا نہ ہوگا گناہگار　　ہے معصیت سے میری جہنم عذاب میں

نہ پوچھ مجھ سے مرے جرم داورِ محشر　　مرے گناہوں کا دنیا میں بھی حساب نہ ہو؟

یہ مضمون نئے نئے انداز سے لکھا ہے اور دیکھیے:

کیوں ناامید عفو ہوں، کیا یہ سنے گا وہ؟　　اس کا نہ بخشنا تری رحمت سے دور تھا

اے داغ ہم نہ دیکھ سکے روزِ حشر کچھ　　مر خجلت گناہ سے خم ہو کے رہ گیا

اس شانِ رحیمی نے بہت رنگ دکھایا　　جس وقت جھکی چشم گنہ گار ذرا سی

ابرِ رحمت ہے ادھر، دیدۂ پرنم ہے ادھر　　مشکل اس نامہ اعمال کا دھونا کیا ہے

ہوتا ہے خشک دامنِ تر کیا طلسم ہے　　طوفانِ گریۂ و عرقِ انفعال سے

اخلاقی مضامین بھی لکھے ہیں لیکن کوئی خاص جدت پیدا نہ کر سکے۔

آدمی کو ہے یہی گوشۂ راحت کافی　　گھر کرے دل میں جو انسان تو جنت کیا ہے

نہ دنیا سے ملے راحت، نہ تجھ سے چین اصلا ہو　　مگر پھر یہ دعا دیتا ہوں، تو ہو اور دنیا ہو

خدا کی دین ہے غم ہو کہ شادی　　یہ بندے لائے ہیں کیا اپنے گھر سے

ہوتی صفائے دل تو بناتا نہ آئینہ　　جوہر اس آئینہ کے سکندر سے کیا کہیں

تصوف کا رنگ ملاحظہ ہو:

رہرو راہ محبت کا خدا حافظ ہے　　اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

گل سے گلزار ہو معلوم، گہر سے معدن　　کیا ہوا جزو سے معلوم اگر کل نہ ہوا

عالم تمام چشمِ حقیقت نگر بنا　　منہ دیکھتا ہے آئینہ، آئینہ ساز کا

ترا غرور سمایا ہے اس قدر دل میں　　نگاہ بھی نہ ملاؤں جو بادشاہ ملے

زہے تلاش کہ سرگرم جستجو ہو کر　　ملا ہوں رنگ میں رنگ اور بو میں بو ہو کر

رہروانِ معرفت کا واں سیا جاتا ہے منہ　　جادۂ راہِ حقیقت تارِ سوزن ہو گیا

خمریات داغ: غزل کی نصف رونق وآرائش، رنگینیٔ تخیل وتنوع مضامین شراب وساقی کی بدولت ہے۔ شراب کا رنگ وبو، نشہ ومستی، تیزی وتندی، آنکھوں اور چہرے پر اس کا اثر دل ودماغ، ہوش وحواس پر اس کا غلبہ عقل وروح پر اس کا قبضہ، اس کا فرکا منہ سے لگنے کے بعد نہ چھٹنا۔ دن رات اسی کا شغل وشوق، یہ سب باتیں حسن وعشق کی کیفیات سے پوری مشابہت رکھتی ہیں۔ اسی لیے ہر ملک وزبان کی شاعری میں ہمیشہ سے شراب ولوازم شراب سے کام لیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ:

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر
غالب

اردو میں غالب سے بہتر مضامین شراب کسی شاعر نے نہیں لکھے۔ اس میں غالب کی رفعت تخیل اور لطافت بیان کے ساتھ ان کا شوق میکشی بھی شریک ہے۔ غالب کے بعد داغ کا نمبر ہے۔ داغ کا حال بھی غالب کا سا ہے۔ لیکن یہ کمال داغ کے بعد ریاض خیرآبادی کا ہے کہ انھوں نے بے پیے شراب کے مضامین اتنی کثرت سے اور ایسے اعلیٰ بیان کیے کہ پینے والوں سے کم نہ رہے۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے صرف داغ کی مستی وسرشاری دیکھ لیجیے:

صبر لے زاہد تاحشر، نہ مے خواروں کا
بخشنے والا بھی دیکھا ہے گنہ گاروں کا؟

کی ترک مے تو مائل پندار ہوگیا
میں توبہ کرکے اور گنہ گار ہوگیا

توبہ کے بعد بھی خالی نہیں دیکھا جاتا
روز رہتا ہے بھرا شیشہ و ساغر اپنا

مقام اہل خرابات اور ہے زاہد
نہیں یہ لوگ جہان خراب میں داخل

کچھ شان مغفرت سے نہیں دور زاہدو
ڈوبیں گناہ بادہ کشوں کی شراب میں

کچھ زہر نہ تھی شراب انگور
کیا چیز حرام ہوگئی ہے

یہ ٹوٹ کر کبھی نہ بنے گا کسی طرح
زاہد شکستِ توبہ، شکستِ سبو نہ ہو

روز پیتے ہیں صبوحی بھی ادا کرکے نماز
فرق آجائے تو پابندیٔ اوقات ہی کیا

جاکے پی آئے وہاں، آتے ہی توبہ کرلی
اس قدر دور ہے مسجد سے خرابات ہی کیا

مے انگور فرشتوں کی بھی قسمت میں نہیں
اس سے محروم ہیں اک قبلۂ حاجات ہی کیا

عالم وجد میں بیخود نہیں ہوتے صوفی؟   نشہ میں چور ہیں رندان خرابات ہی کیا
صوفی کو اجتناب ہے، واعظ کو احتراز   کیا زہر گھل گیا ہے الٰہی شراب میں
ہم اگر مانگیں تو اے زاہد یہ بے شک ہے گناہ   بے طلب رکھ دے جو کوئی بھر کے ساغر سامنے
جمع ہیں پاک اک زمانے کے   ہائے جلیے شراب خانے کے
پی کر نہ توبہ کی ہو تو واعظ زباں جلے   یہ اعتراض کیا ہے کہ مے خوار کیوں ہوئے

اندیشہ ہے اک صاحب تقویٰ کی نظر کا   مے چھوڑ دیا کرتے ہیں مے خوار ذرا سی

زاہد کو ایک قطرۂ زمزم پہ ناز ہے   یاں خُم کے خُم اڑائے ہیں پیر مغاں کے ساتھ

کل چھڑالیں گے یہ زاہد، آج تو ساقی کے ہاتھ   رہن اک چلو پہ ہم نے حوضِ کوثر رکھ دیا

آتش دوزخ پہ ہوگا آتش تر کا گماں   گر کسی میکش نے اپنا دامن تر رکھ دیا
جب عمل ان کے تلیں گے تو کہیں گے میکش   آج کو رطل گراں سنگ ترازو نہ ہوا
دیکھنا پیر مغاں حضرت زاہد تو نہیں   کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پس خم مجھ کو
ساقی نہ رسم ترک ہو شراب مدام کی   پہلے چھڑک زمین پہ قاضی کے نام کی

داغ کا عیب ابتذال وسوقیت: داغ پر اعتراض ہے:

مبتذل ہے اگرچہ شیریں ہے   یہ بڑا ہے کلام داغ پہ داغ

چکبست لکھنوی داغ کی شاعری کو عیاشانہ شاعری کہتے ہیں اور نہایت طویل مضمون میں بہت سے شاعروں سے مقابلہ کر کے داغ کے کلام کو مبتذل، سوقیانہ، خلاف تہذیب، فحش، عریاں ثابت کرتے ہیں۔ مولانا عبدالسلام ندوی، شعرالہند میں لکھتے ہیں کہ داغ تو صرف جلی کٹی کہنے اور ہر موقع پر معشوق کو کھری کھری سنانے کے عادی ہیں۔

ان اعتراضات کو تسلیم کرنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس ہزل سرائی وفحش آرائی میں داغ سب سے پہلے گنہ گار ہیں یا اور بھی اس حمام میں ننگے نظر آتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس فحش ولغو کے علاوہ داغ نے کیا، کتنا اور کیسا کہا ہے اور اس میں کوئی بات ایسی ملتی ہے جو داغ کو ممتاز اور قابل قدر بنا سکے۔ دوسری شق کے متعلق یہ کہنا کافی ہے کہ ہم نے پچھلے صفحوں میں مختلف عنوانات کے تحت میں داغ کے تقریباً ڈیڑھ سو شعر نقل کیے ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو میزان تغزل پر سبک اور مذاق سلیم پر گراں ہو۔ میر وغالب کے انداز غزل کو سامنے رکھ کر داغ کے ان اشعار کو دیکھیے کہ داغ نے مے ومعشوق کے متعلق جو کچھ کہا ہے میر وغالب بھی اس کو جائز رکھتے ہیں اور میر وغالب کے انہی مضامین پر کاملان فن آج سر دھنتے ہیں اور داغ کی شوخ بیانی نے جو لطف پیدا کر دیا ہے اس میں کوئی ایک شاعر بھی اس کا مقابل وہمسر نہیں ہے۔ پہلی شق کے جواب میں سب سے پہلے میر صاحب (میر تقی میر) کی فحش گوئی ولغو نویسی دیکھیے:

میں داڑھی تری واعظا مسجد ہی میں منڈواتا	پر کیا کروں ساتھ اپنے حجام نہیں رکھتا

کوز پشتی پہ شیخ کی مت جاؤ	اس پہ بھی احتمال ہے کچھ اور
ہم تو مطرب پسر کے جاتے ہیں	گو رقیباں کچھ اور گاتے ہیں
وصل اس طبیب زادے کا جی چاہتا رہا	آخر اس آرزو ہی میں بیمار ہم ہوئے
میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب	اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

اسی طرح نام بنام سب اقوام کے لڑکوں سے خوش طبعی فرماتے ہیں۔ میر صاحب کے معشوق کا حلیہ دیکھیے۔

داغ چیچک کے نہ افراط سے تھے مکھڑے پر	کتنے گاڑے ہیں نگاہیں ترے رخسار کے بیچ

رقیب کی تواضع فرماتے ہیں:

اے غیر میر تجھ کو گر جوتیاں نہ مارے	سید نہ ہووے پھر تو کوئی چمار ہووے

میر صاحب کے چھ دیوان اس طرح کے بے شمار خزانے مخفی رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ

تہذیب کے خلاف اور پاکیزگی کے منافی مضامین لکھے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے بے شک میر شاعروں کی بازی کے میر ہیں اور "بے میر بازی ابتر۔"

سودا کی ہزلیات چھوڑ دیجیے کہ وہ کھلے ہوئے ہجو گو تھے۔ جرأت کی بیباکی ظاہر ہی ہے۔ انشا علانیہ پھکڑ اور مسخرے تھے۔ غالب کا نمونہ البتہ دیکھ لیجیے بڑے عالی دماغ نازک خیال، فلسفی، مہذب، متین شاعر ہیں۔ دیکھیے داغ والے حمام میں کیسے نظر آتے ہیں:

ہم سے کھل کھیلو بوقت مے پرستی ایک دن ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذر مستی ایک دن

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

کیا خوب، تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

اسی پر بس نہیں کرتے اور بھی فرماتے ہیں، لیکن نمونہ کے لیے یہ بھی کافی ہے۔ لکھنؤ کے شاعر اس معاملہ میں جیسے کھیل کھیلے ہیں اس کے نظارے سے تہذیب آنکھیں بند کر لیتی ہے اور اس کے سننے سے شرافت کانوں پر ہاتھ رکھتی ہے۔ پھر بھی کم سے کم داغ کے ہمعصر اور مدمقابل حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ کے چند شعر سن لیجیے۔ رقیبوں کے متعلق فرماتے ہیں:

آدمی غیروں کے اغوا نے نہ رکھا ان کو کھیل سارا ہے بگاڑا انہی شیطانوں کا

داغ بھی اپنے رقیب کو شیطان کہتے ہیں، لیکن انداز بیان کی شوخی قابل دید ہے:

کیا فرض ہے کہ ہو بنی آدم ہی میں رقیب شیطان روسیاہ بھی تو لاولد نہیں

"جوبن" کا لفظ دہلی و لکھنؤ میں الگ الگ معنی رکھتا ہے۔ دہلی والے ہمیشہ حسن و جمال کے لیے استعمال کرتے ہیں، لیکن لکھنؤ نے ایک حصہ جسم کا نام رکھا ہے۔ داغ کہتے ہیں:

دلوں پر سیکڑوں سکے ترے جوبن کے بیٹھے ہیں کلیجوں پر ہزاروں تیر اس چتون کے بیٹھے ہیں

امیر مینائی فرماتے ہیں:

اڑا لے جاتے ہیں عاشق کے دل کو سینہ زوری سے
غضب کے دوا چلتے بھیس میں جوبن کے بیٹھے ہیں

امیر صاحب کو اس لفظ کے استعمال کا اس قدر شوق ہے کہ اسی زمین میں چار جگہ اس قافیہ کو باندھا ہے۔ داغ نے وصل کے مضامین بعض جگہ شرمناک حد تک لکھے ہیں۔ کہتے ہیں:

تم کو ہے وصل غیر سے انکار — اور جو ہم نے آ کے دیکھ لیا
لو اور سنیے ، شکوۂ وصل رقیب پر — وہ صاف صاف کہتے ہیں فرصت کہاں ہے اب
شکوہ نہیں کسی کی ملاقات کا مجھے — تم جانتے ہو وہم ہے جس بات کا مجھے

اس سے آگے بڑھتے ہیں تو کہتے ہیں:

جو مرے دل میں ہے کہتے ہوئے جی ڈرتا ہے — گدگدالوں تو کہوں، پاؤں دبالوں تو کہوں

اور سب سے زیادہ فحش وہ مشہور شعر ہے جس میں داغ حشر تک حوروں کا انتظار کرنا نہیں چاہتے۔ بس یہاں داغ کی فاش گوئی اور فحش نویسی کی حد ہے۔ خلوت کے مناظر اور وصل کے معاملات صاف صاف نہیں کہتے لیکن حضرت امیر مینائی بالکل پردہ اٹھا دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

وصل میں بولے جھٹک کر ہاتھ وہ — پھول پھل سب آج ہیں ان کے لیے
مار ڈالا ہے مجھے، وصل کی رات آنے دے — دیکھ خدمت تری کرتا ہوں نزاکت کیسی
وہ کہتے ہیں یہاں تو ہوگئی ہلکان جان اپنی — اور اب تک حسرت وصل آپ کے دل سے نہیں نکلی

آئینہ صبح شب وصل جو دیکھا تو کہا — دیکھ ظالم یہی تھی شام کو صورت میری
کہتے ہیں اپنی نزاکت کے میں قربان جاؤں — کہ بچا لیتی ہے یہ وصل میں عزت میری

امیر صاحب نے اس سے زیادہ فحش و عریاں کہا ہے۔ اعضائے مستور کی تعریف، زینت و آرائش کی تفصیل، حجلہ وصال کی کیفیت اور اپنا جوش و شوق، اس قدر ذوق و لذت اور تفصیل و کثرت سے لکھا ہے کہ امیر کے ایک صنم خانہ عشق میں جتنے شعر اس طرح کے ملیں گے داغ کے چار دیوان مشکل سے پیش کر سکیں گے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے داغ نے آخری کلام میں جذبات محبت کو اخلاقی حیثیت سے بہت پست کر دیا ہے سوقیت و ابتذال بہت ہے لیکن فحش و عریانی کم ہے۔ بہر حال جب میر، غالب امیر بلکہ بلا استثنا تمام شاعروں نے عیاشانہ مضامین اور بوالہوسانہ

خیالات لکھے ہیں تو داغ ہی کو مطعون کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میر و غالب ہوں یا امیر و داغ جس نے یہ خرافات لکھی شاعری کو بدنام کیا اور تغزل پر داغ لگایا۔

داغ و امیر کا موازنہ: شعرالہند کے فاضل مصنف کو تعجب ہے کہ ابتدا ہی سے غلطی کی گئی کہ اردو شعرا میں سودا، میر، مصحفی و انشا، ناسخ و آتش، ذوق و غالب باہم حریف و مقابل تسلیم کر لیے گئے حالانکہ ان میں کسی قسم کی مشارکت نہیں پائی جاتی اور موازنہ و مقابلہ کے لیے اشتراک لازمی چیز ہے۔ یہ غلطی فاضل نقاد سے پہلے مولانا شبلی سے ہو چکی ہے کہ انھوں نے موازنہ انیس و دبیر تصنیف فرمایا۔ اگرچہ اس کتاب میں علامہ شبلی نے ''موازنہ'' کے ساتھ انصاف یعنی انصاف کے ساتھ موازنہ نہیں کیا۔ اسی طرح شعرالعجم میں فردوسی و نظامی، انوری، عرفی وغیرہ درجنوں شاعروں کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا ہے۔ اگر ان لوگوں میں کوئی وجہ اشتراک ہو سکتی ہے تو ان اردو شاعروں میں بھی ہے اور امیر و داغ میں بھی ہے۔ موازنہ کے لیے رنگ کا ایک ہونا شرط نہیں۔

امیر و داغ میں غزل گوئی کا اشتراک ہے، زمانہ کا اشتراک ہے، سوسائٹی کے اثر کا اشتراک ہے، اسی اثر کا نتیجہ ہے کہ امیر کے رنگ نے داغ کو کھینچا اور داغ کے رنگ نے امیر کو دونوں کا رنگ الگ الگ سہی لیکن اور باتیں مقابلے کے لیے کافی ہیں۔

منشی امیر احمد مینائی لکھنؤ میں 1832 / 1244ھ میں پیدا ہوئے۔ جس وقت شاعری شروع کی ناسخ و آتش کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ناسخ کا اثر آتش سے زیادہ تھا۔ وزیر، صبا، رند، رشک زندہ تھے اور لکھنؤ کے آسمان شاعری پر گھٹا بن کر چھائے ہوئے تھے۔ امیر امیر کے شاگرد ہوئے۔ امیر نے اگرچہ مصحفی سے فیض تلمذ پایا تھا لیکن استاد کا طرز اختیار نہ کیا۔ لکھنؤ کے رنگ میں رنگ گئے۔ امیر بھی وہی رنگ پسند نہ کرتے تو کیا کرتے۔ اسی اسلوب بیان اور طرز تخیل میں امیر نے بھی کہا۔ لیکن حسن بندش، بلندی مضمون، قدرت کلام اور زور بیان سے اسی پرانے رنگ سے اپنا نیا رنگ نکال لیا۔ امیر کے سامنے ناسخ وغیرہ کی اس طرح کی عامیانہ مکروہ رعایت لفظی موجود تھی۔

ازل سے دشمنی طاؤس و مار آپس میں رکھتے ہیں　　دل پر داغ کو کیونکر ہے عشق اس زلف پیچاں کا

ناسخ

الجھا ہے دل بتوں کے گیسوئے پرشکن میں اگتی ہے جائے سبزہ کنگھی مرے چمن میں

آتش

اور امیر بھی اس روش سے بالکل بچ کر نہ چل سکے۔ اس انداز میں بھی خوب خوب لکھا:

حلقۂ گیسو میں پائی نقد دل دے کر جگہ دے دیا پہلے کرایہ خانۂ زنجیر کا

نہ ہوگا بند جب تک نقد جاں باقی ہے قاتل میں کھی کے گھر کا دروازہ ہے چاک اپنے گریباں کا

نزاع کفر و دیں ہے دُور، دَورِ زلف و عارض میں مسلمانوں سے ٹوپی آج کل ہندو بدلتے ہیں

مرغ عصیاں اڑ کے صید باز رحمت ہوگیا دنگ شاہین ترازوئے عدالت ہوگیا

پھر بھی اس طرز میں جدت پیدا کی اور اسی رنگ کو نکھار کر ایسے شعر بھی نکالے:

ہٹاؤ آئینہ ، ہم کو بھی دیکھنے دو گے کہ خود ہی دیکھو گے حسن اپنی خود نمائی کا

دل و جگر دونوں جل گئے ہیں، ہزار لاگا ہیں جہاں لگی ہیں

تمہارے سرے میں اے بتو کیا پسی ہوئی بجلیاں لگی ہیں

اگر چہ امیر کے لکھنوی کلام (مراۃ الغیب) میں یہی رنگ غالب ہے۔ تاہم ان کی ہمہ گیر و ہمہ داں طبیعت نے اور شاعری کے اصلی جوہر نے جو "ناسخی و وزیری" طلسم میں پھنسا ہوا تھا، لفظوں کے پھیر سے نکل کر یہ جواہر پارے بھی پیش کیے ہیں:

اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی یاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں

نہ پوچھ، ناز و نیاز اس کے میرے کب سے ہے یہ حسن و عشق تو اب ہے، اسے زمانہ ہوا

کلیم شکر کرو، حشر تک نہ ہوش آتا ہوئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقاب نہ تھا

آگ جو دل میں لگی تھی وہ بجھائی نہ گئی اور کیا تجھ سے بھلا اے دیدۂ گریاں ہوگا

ہر جگہ جوش محبت کا نیا عالم ہوا آنکھ میں آنسو، جگر میں داغ، دل میں غم ہوا

الفت میں برابر ہے، جفا ہو کہ وفا ہو ہر بات میں لذت ہے، اگر دل میں مزا ہو

لیکن یہ رنگ قیام لکھنؤ تک امیر کے کلام میں بہت ہی کم تھا۔ غدر کے بعد رام پور پہنچے اور نواب کلب علی خاں نے ان کو اپنا استاد بنا کر شاہانہ قدر افزائی کی۔ دربار رام پور میں امیر، جلال،

بحر، تسلیم، داغ وغیرہ جمع تھے۔ داغ کا رنگ ان سب سے الگ تھا۔ وہ بہت سنجیدہ، نہایت متین، سخت قدامت پسند تھے۔ داغ کی شوخ بیانی ان کو گدگداتی تھی لیکن لب تبسم سے زیادہ اظہار کرنا نہ چاہتے تھے۔ اب ایک قسم کی کشمکش پیدا ہوگئی۔

ایک طرف تو داغ کا رنگ دیکھ کر امیر وجلال کو بھی اپنا رنگ پھیکا نظر آنے لگا۔ دوسری طرف امیر کے زور کلام ومضمون آرائی نے اور شاہی قدر دانی وتحسین خواص نے لکھنوی رنگ کو داغ کی نظر میں شاندار و پر رعب بنا دیا۔ آخر امیر و داغ دونوں ایک دوسرے کی طرف کھچنے لگے اور دونوں نے اپنے انداز سے الگ کہنا شروع کیا، لیکن عادت وطبیعت عجب چیز ہے۔ داغ کا سلجھا ہوا دماغ رعایت لفظی کے گورکھ دھندے میں کیا گرفتار رہتا۔ صرف کہیں کہیں وہ رنگ دکھایا مثلاً

ملے اس سوختہ قسمت سے کیا جلوہ شرارے کا	کہ خورشید قیامت عکس ہے میرے ستارے کا
تری شمشیر پرخم نے ہزاروں سر اتارے ہیں	یہی تو گھاٹ ہے بحر محبت کے اتارے کا
وصل کی گرمی بھی ہے بار اپنی طبع نازک پر	شمع سے کافور ہو جاتا ہوں وہ پروانہ ہوں
یہ سرد و گرم عالم دیکھیں دکھائیں کیا اب	شعلے تھے پیرہن میں، کافور ہیں کفن میں
ہوا ہے غیر کے طالع میں کیا ثابت یہ سیارہ	نشان مشتری ملتا نہیں میرے ستاروں میں

امیر نے بھی داغ کی تقلید کرنی چاہی لیکن امیر وداغ کے رنگ میں یہ فرق بھی ہے کہ تقلید کرنے کے لیے امیر کا رنگ داغ کے رنگ سے آسان ہے۔ یعنی وہ رنگ جو امیر کے دیوان اول (مراۃ الغیب) پر چھایا ہوا ہے۔ ایہام ومراعاۃ النظیر یا لفظی رعایت ومناسبت اور مضمون آفرینی وخیال آرائی پر موقوف ہے۔ جیسا کہ ان کے ناسخی رنگ کے اشعار سے ظاہر ہے۔ یہ طرز واسلوب ہر شاعر ادنیٰ سعی وتوجہ سے پیدا کرسکتا ہے۔ برخلاف داغ کے کہ داغ کا رنگ جدت ادا، شوخی بیان اور معاملہ بندی سے مرکب ہے۔ لفظوں کا طلسم نہیں ہے۔ معنی کا جادو ہے۔ ساخت نہیں بیساختگی ہے اور یہ سعادت بزور بازو نہیں ملتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ناسخ ووزیر کے طرز میں ایک امیر نہیں سیکڑوں باکمال نظر آتے ہیں اور داغ اپنے رنگ میں منفرد، یکتا ویگانہ ہے۔ نہ داغ سے پہلے کوئی اس انداز میں کامل نظر آتا ہے نہ داغ کے بعد کوئی پوری تقلید کر سکا۔

امیر نے داغ کے رنگ میں کہا لیکن معاملہ وادا بندی میں بالکل کھل کھیلے، شوخ بیانی میں

عامیانہ انداز سے آگے نہ بڑھ سکے۔ جدت ادا میں لطافت پیدا نہ کر سکے۔ ملاحظہ ہو:

1۔ معشوق کو اپنے بس میں کرنے یا اس کے دل پر اختیار کرنے کی تمنا ہر عاشق رکھتا ہے۔ امیر مینائی ایک شعر میں صرف اس تمنا کا اظہار کرتے ہیں۔

مرے بس میں یا تو یارب وہ ستم شعار ہوتا ۔۔۔ یہ نہ تھا تو کاش دل پر مجھے اختیار ہوتا

داغ اس تمنا کا ایک دلچسپ فائدہ بھی بتاتے ہیں۔

کوئی فتنہ تا قیامت نہ پھر آشکار ہوتا ۔۔۔ ترے دل پہ کاش ظالم مجھے اختیار ہوتا

یہ زمین غالب کی ہے اور انھوں نے بے نظیر غزل کہی ہے امیر و داغ نے بھی اس پر طبع آزمائی کی ہے۔ معلوم نہیں ایک نے دوسرے کی غزل دیکھ کر کہی ہے یا کسی مشاعرہ یا گلدستہ کی طرح پر دونوں نے ساتھ ساتھ کہی ہے۔

2۔ بہرحال، بادہ خواری کا مضمون غالب نے اپنے مقطع میں بہت شوخ لکھا ہے۔

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب ۔۔۔ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

امیر نے اپنے خاص رنگ کا شعر نکالا ہے:

مرے اتقا کا باعث تو ہے میری ناتوانی ۔۔۔ جو میں توبہ توڑ سکتا تو شراب خوار ہوتا

امیر کی جدت ادا کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ ایک لفظ یا محاورے کو دو چیزوں کے ساتھ متعلق کرکے حسن تعلیل پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس شعر کا یہ مفہوم ہے کہ کسی چیز کے توڑنے کے لیے طاقت درکار ہے اور میں ناتوان ہوں اس لیے توبہ نہیں توڑ سکتا اور پرہیزگاری پر مجبور ہوں۔ امیر نے اس شعر میں اتقا کا سبب بیان کیا ہے۔ داغ اپنے شعر میں بادہ خواری کی وجہ بتاتے ہیں۔ ان کا شعر بھی خاص انہی کے رنگ کا ہے اس میں بھی حسن تعلیل ہے۔ لیکن طرز ادا میں جو جدت پیدا کی ہے وہ کسی لفظ کے خاص استعمال سے نہیں ہے بلکہ نفس مضمون ہی عجیب ہے۔ یہ جدت اور یہ شوخی داغ کا حصہ ہے۔ کہتے ہیں۔

گئے ہوش تیرے زاہد جو وہ چشم مست دیکھی ۔۔۔ مجھے کیا الٹ نہ دیتی جو نہ بادہ خوار ہوتا

3۔ شب وصل میں موذن کا اذان دے کر اعلان سحر کرنا کس قدر تکلیف دہ اور یاس افزا ہے۔ امیر فرماتے ہیں:

صبح کا سونا جو ہاتھ آتا امیر   بھیجتے تحفہ موذن کے لیے

یا زیادہ دق ہو کر یہ دعا دیتے ہیں:

ذبح کرنے میں بڑا مشاق ہے   گھر ہو مسلخ میں موذن کے لیے

موذن کی اذان سے جو تکلیف ہوئی اس کو بطور استعارہ کے ذبح سے تعبیر کیا اور اس کے مناسب بددعا دی کہ موذن ہمیں ذبح کرتا ہے خدا کرے یہ خود ذبح کیا جائے اور اس کی کھال کھینچی جائے۔ اس مضمون میں نہ لطافت ہے نہ شوخی یا یوں سہی کہ جو ظرافت ہے وہ لطیف نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یہ مضمون اس طرح ذہن میں آیا ہو کہ مرغ کی بانگ کو بھی اذان کہتے ہیں اور مرغ کو ذبح کرتے ہیں اس صورت میں بھی کوئی لطافت نہیں بلکہ بھدا پن زیادہ ہے۔ داغ اس مضمون کو جس طرح کہتے ہیں وہ داغ ہی کہہ سکتے تھے۔ عجیب جدت اور لطف سے کہتے ہیں:

دی شب وصل موذن نے اذاں پچھلی رات   ہائے کم بخت کو کس وقت خدا یاد آیا

4۔ واردات عشق کی شکایت خدا سے نہ کرنا کوئی نئی بات اور عجیب مضمون نہیں ہے۔ اس لیے اس کو اگر کہا جائے تو کوئی جدت پیدا کرنی ضروری ہے۔ دیکھیے امیر و داغ کیا اور کس طرح جدت پیدا کرتے ہیں۔ امیر کا مطلع ہے:

اس بت کے جور خالق اکبر سے کیا کہیں   آپس کی چھیڑ داور محشر سے کیا کہیں

دونوں مصرعوں میں ایک ہی بات دو طرح کہی گئی ہے اصل بات پہلے مصرع میں پوری ہے۔ جدت یہ پیدا کی ہے کہ اسی بات یعنی "اس بت کے جور" کو آپس کی چھیڑ کہا ہے۔ "بت" کے مقابلے میں "خالق اکبر" اور آپس کی چھیڑ کے لیے داور محشر مناسب و موزوں ہیں۔۔ بہر حال دونوں مصرعوں کا مضمون یہی ہے کہ اس بت کے جور آپس کی چھیڑ ہیں، ان کو داور محشر سے کیا کہیں اگر مطلع نہ ہوتا تو اس ٹکڑے (خالق اکبر سے کیا کہیں) کی نفس مضمون یا جدت ادا کے لیے ضرورت نہ تھی۔

داغ بھی یہی بات مطلع میں ادا کرتے ہیں:

ہم دل کی بات داور محشر سے کیا کہیں   یہ راز کہہ کے، اس بت کافر سے کیا کہیں

داغ نے جو بات کہی ہے وہ امیر کی بات سے زیادہ ہے۔ جس طرح کہی ہے اس میں جدت ہے،

جن الفاظ میں کہی ہے وہ بالکل نپے تلے ہیں ایک لفظ کم یا زیادہ نہیں ہوسکتا اور یہی بلاغت کی تعریف ہے، دل کی بات داور محشر سے نہ کہنے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ یہ راز کہہ کے اس بت کافر کو کیا جواب دیں؟ اس وجہ میں کس قدر لطف، جدت اور شعریت ہے۔

5۔ آئینہ دیکھ کر معشوق کا حیران ہونا جیسا غالب و مومن نے لکھا ہے۔ مشکل سے کسی نے لکھا ہے۔ مومن خاں کہتے ہیں۔

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں　　اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

یہ تخیل اور طرز ادا دونوں بہت خوب ہیں، لیکن غالب کی جدت تخیل حیرانی سے بڑھ کر مضمون پیدا کرتی ہے۔ کہتے ہیں:

آئینہ دیکھ، اپنا سا منہ لے کے رہ گئے　　صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

اس مضمون پر اضافے کی گنجائش مشکل سے نکلے گی۔ امیر مینائی کے سامنے مومن و غالب کے مضامین موجود تھے۔ ان میں ترقی نہ کرسکے۔ تاہم دوست کی حیرانی بیان کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

میری حیرت پر عبث ہو اس قدر حیران تم　　اک ذرا آئینہ اپنے آگے رکھ کر دیکھ لو

اس میں خوبی یہ ہے کہ دوست کا اپنے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہونا لفظوں میں بیان نہیں کیا، صرف یہ کہہ دیا کہ "اک ذرا آئینہ اپنے آگے رکھ کر دیکھ لو۔ یعنی آئینہ دیکھ کر تم خود حیران ہو جاؤ گے تو میری حیرت پر حیرانی نہ رہے گی۔

داغ بھی صرف حیرت ہی کا مضمون لکھتے ہیں لیکن یہ اضافہ کرتے ہیں کہ دوست کی حیرت پر حیرت بڑھاتے ہیں۔ دیکھیے:

تم آئینہ ہی دیکھ کے حیران رہ گئے　　واللہ میرے دل میں اک ایسا ہی اور ہے

یہ انداز بیان اور قسم سے اس کی تاکید داغ کا خاص رنگ ہے۔ یہ چاروں شعر اپنے اپنے طرز میں بہت اچھے ہیں، لیکن چاروں کا موازنہ کیجیے تو حسن تخیل میں غالب کے بعد داغ کا نمبر ہے۔

اب امیر و داغ کے چند ہم مضمون شعر بغیر اظہار رائے کے درج کیے جاتے ہیں۔ ان میں دونوں باکمال استادوں کی ذہنیت، افتاد طبیعت، طرز ادا، اور فکر رسا دیکھیے:

میری فریاد رائیگاں تو نہ ہو بت ہی سن لیں اگر خدا نہ سنے

امیر

میری فریاد دوسرا نہ سنے تم سنو اے بتو خدا نہ سنے

داغ

ایسے ہنگامے بہت دیکھے ہیں اس کوچے میں حشر کیا فتنہ ہے جس سے میں پریشاں ہوتا

امیر

حشر کی دھوم ہے سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں

داغ

میں تو کیا عکس سے وہ آئینہ رو کہتا ہے پیار کی آنکھ سے دیکھا نہ کرو تم مجھ کو

امیر

آئینہ سے وہ کہتے ہیں تیری نظر ہوئی اے چشم شوق، اس کی تجھے بھی خبر ہوئی؟

داغ

توبہ بھی کچھ بھروسے کے قابل ہے زاہدو پہنچی ہے ہم سے ٹوٹ کے اب خانقاہ میں

امیر

اس توبہ پر ہے ناز تجھے زاہد اس قدر جو ٹوٹ کر شریک ہو میرے گناہ میں

داغ

ڈراؤں حشر کی فریاد سے تو کہتے ہیں ہمارے آگے تمھاری وہاں سنے گا کون؟

امیر

میں نے جو کہا سیر ہو کل روز جزا ہو فرماتے ہیں واں بھی ہمیں سچے ہوں تو کیا ہو

داغ

گھر سے مرے بلائے شب غم کہاں گئی؟ بیٹھی ہے چھپ کے پردۂ روز سیاہ میں

امیر

راتیں مصیبتوں کی جو گزری تھیں آج تک — ماتم کو آئی ہیں مرے روز سیاہ میں

داغ

داغ کی برتری امیر پر:

داغ کو نہ صرف امیر پر بلکہ اپنے تمام ہمعصروں پر یہ فضیلت ہے کہ وہ لطف زبان، شوخی بیان، معاملہ بندی اور بانکپن کے ساتھ جدت ادا ایسی عجیب و دلکش رکھتے ہیں کہ بقول مصنف گل رعنا کے جس کو سن کر عوام سر دھنتے اور خواص مزے لیتے ہیں۔ یہ وہ خاص رنگ ہے جس میں کوئی ان کا حریف و ہمسر نہیں، شوخ و متین دونوں قسم کے مضامین میں انھوں نے اپنی مخصوص جدت بیان کے ساتھ ایسے اشعار کہے ہیں کہ ان سے بڑھ کر کہیں نظر نہیں آتے۔ "جدت ادا" اور "شوخی بیان" کے تحت میں پہلے بھی اس طرح کے اشعار لکھے گئے ہیں۔ چند شعر اور دیکھیے یہ بات امیر کے ہاں نہ ملے گی:

ہر دل میں نئے درد سے ہے یاد کسی کی — فریاد سے ملتی نہیں فریاد کسی کی

آرام طلب ہوں، کرم عام کے طالب — یوں مفت میں ملتی نہیں بیداد کسی کی

جنھیں اس نے لکھا ہے حرف تسلی — وہ کم بخت برسوں تڑپتے رہے ہیں

کہتے ہیں وہ کہو تو سہی دل کا حال کچھ — حیران ہم کھڑے ہیں گھڑی بھر سے کیا کہیں

لوگ کہتے تھے چپ لگی ہے تجھے — حال دل بھی سنا کے دیکھ لیا

ممکن، کہ تجھ سا دیکھ لے چشم غلط نگر — اس کا کہاں جواب، جسے آئے تو پسند

نہ چمکتی جو حسن کی تقدیر — کیوں تری چاند سی جبیں بنتی

وہاں جھوٹے وعدے پہ لب ہل گیا — توقع یہاں کس قدر ہوگئی

اے جنوں خاک بیاباں کو بیاباں سمجھوں — میری آنکھوں میں ابھی پھرتی ہے گھر کی صورت

در و دیوار کا جلوہ نہیں دیکھا جاتا — ان کے آتے ہی بدل جاتی ہے گھر کی صورت

ترے عالم کو جب سے ہم نے دیکھا — تماشائی ہے اک عالم ہمارا

اس کے جلوے کا تو کیا، کہنا مگر — دیکھنے والے کو دیکھا چاہیے

حسرت سے تک رہا ہوں جو تجھ کو، سبب یہ ہے — خاک اڑتی دیکھتا ہوں میں اپنی وفا کے بعد

ہم مٹ گئے تو پرسش نام ونشاں ہے اب — اس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب

امیر کی فضیلت داغ پر: امیر کے ہاں داغ کی سی شوخ بیانی اور شگفتگی نہیں ہے، لیکن مضمون آفرینی کی قوت داغ سے بہت زیادہ ہے اور جب اس کے ساتھ وہ لطافت تخیل اور سلاست بیان کو ملا دیتے ہیں تو ایسے اشعار بن جاتے ہیں جو داغ کی ذہنیت سے بالاتر ہیں۔ مثلاً:

انگور میں تھی یہ مے پانی کی چار بوندیں — جس دن سے کھچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے
رتبہ شہید عشق کا گر جان جائیے — قربان ہونے والے کے قربان جائیے
نہ گھبرا تیرے خنجر عشق دم لے — مرنے کا تو وقت اس میں اے دل یہی ہے
جوش سودا کو گھٹانے کی نہ کر فکر اے قیس — بڑھ کے آخر کو یہی طرۂ لیلیٰ ہوگا
شہر کو چھوڑ کے کیوں دشت میں وحشی جائیں — خاک اڑاتے جدھر آ جائیں گے صحرا ہوگا
وہ دشمنی سے دیکھتے ہیں، دیکھتے تو ہیں — میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں
افتادگی میں بھی مجھے معراج ہے نصیب — ٹھوکر بھی کھائی ہے تو محبت کی راہ میں
ہم مست سے بھی پیتے ہیں تو کانپتے ہوئے — توبہ پڑی ہوئی ہے ہمارے گناہ میں

وہ مزہ دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب — مرے دونوں پہلوؤں میں دل بے قرار ہوتا

کیوں وصل کی چرخ کو خبر کی — آمد ہے جو شام سے سحر کی
نیرنگی چار باغ عالم — گدڑی ہے تری گدائے در کی
غفلت میں نہ کھو شباب اے دل — یہ رات ہے جان عمر بھر کی
آنکھیں کھولیں بھی بند بھی کیں — وہ شکل نہ سامنے سے سرکی
شام شب ہجر و عمر آخر — امید امیر کیا سحر کی

قریب ہے یار روز محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبان خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

وہ کرشمے شان رحمت نے دکھائے روز حشر
چیخ اٹھا ہر بے گنہ "میں بھی گنہ گاروں میں ہوں"

آپ ہی جل رہے ہیں پروانے　　شمع کی سرگذشت کون سنے
لہو رو ، آنسوؤں کا قحط اگر ہے　　اسی دن کے لیے خون جگر ہے

چند شعر صفحہ 81,82 پر آ چکے ہیں۔ان کو بھی شامل کر لیجیے۔یہ امیر کا رنگ خاص ہے جس میں مضمون آفرینی ندرت تخیل، جدت ادا کے ساتھ لطف زبان اور صحت جذبات بھی ہے۔بات میں بات نکالنا یا ایک لفظ دعاورہ سے خیال پیدا کرنا ان کا حصہ ہے۔ان اشعار میں یہ چیز نہایت معتدل اور بالکل درست وموزوں ہے۔جہاں امیر کی یہ سب خصوصیات یکجا ہیں وہاں امیر امیر الشعرا ہیں ایک بڑی فضیلت امیر کو یہ حاصل ہے کہ ان کی پیری میں بھی ان کا کلام شباب پر رہا۔یہ ان کی پاکیزہ زندگی کی برکت تھی۔

داغ کی غیر محتاط زندگی نے ان کی قوت ممیزہ کو ضعیف کر دیا اور آخر اس کا اثر ان کے کلام پر بھی پڑا۔

امیر کی بے اعتدالیاں: امیر کے زمانہ میں امیر سے زیادہ قادر الکلام، صحیح کہنے والا، زیادہ کہنے والا، اچھا کہنے والا، ہر رنگ میں کہنے والا کوئی نہ تھا۔ صرف دو شخص ان کے حریف ومقابل ہیں۔داغ وجلال ایک بیان کی شیرینی میں اور دوسرا زبان کے لوچ اور لچک میں امیر سے بڑھا ہوا ہے۔تاہم امیر کی مضمون آفرینی امیر کے ساتھ ہے اور اس میں کوئی ان کا ہمسر نہیں۔لیکن باوجود اس کے امیر میں یہ کمی ہے کہ وہ مضمون کی لطافت اور موزونیت کا صحیح اندازہ نہیں رکھتے۔اسی عادت نے ان سے ایک ایک زمین میں چار چار بڑی بڑی غزلیں کہلوا دی ہیں جن میں اگرچہ تقریباً سب اشعار ان کے رنگ سخن اور قدرت کلام کے گواہ ہیں لیکن شعریت کے اعتبار سے 55 فیصدی اشعار بے لطف ہیں۔یہ سچ ہے کہ ایسی موزونیت کا اور بھی کوئی خیال نہیں رکھتا اور بھرتی سب کے ہاں کثرت سے پائی جاتی ہے۔تاہم امیر کے ہاں یہ عیب پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کے کلام کی خوبی مضمون آفرینی ہی پر منحصر ہے۔داغ کے ہاں موزونیت تخیل نہ ہوگی تو شوخی بیان سے لطف پیدا ہو جائے گا۔امیر کے ہاں موزونیت نہیں تو پھر شعر میں کچھ نہیں۔

مضمون تراشی کے شوق میں امیر نے جو بے اعتدالیاں کی ہیں ان کے مختصر نمونے دیکھیے:

1۔استعارے کو استعارے کی حد سے بڑھا کر حقیقت کا رنگ دینا تخیل کی بے اعتدالی ہے۔امیر جہاں اعتدال قائم رکھتے ہیں بہترین مضمون نکالتے ہیں۔مثلاً مندرجہ بالا منتخب اشعار میں پہلا شعر

انگور میں تھی یہ پانی کی چار بوندیں　　　جس دن سے کھچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

شراب کا کھچنا محاورہ و استعارہ ہے۔اس سے تلوار پیدا کی لیکن مجاز باقی رہا۔یعنی حقیقی تلوار نہیں مجازی تلوار مراد ہے۔اس لیے مضمون بالکل نیا اور نہایت عجیب و دلچسپ ہو گیا، لیکن اس شعر کو دیکھیے:

گھر جانے کا ابھی سے ارادہ نہ کیجیے　　　یہ میرے درد دل کی چمک ہے سحر نہیں

یہاں درد کی چمک کو روشنی فرض کرنا اور سحر سے تشبیہ دینا مجاز کو حد سے زیادہ بڑھانا ہے۔اس تخیل کی بے اعتدالی نے لطف و اثر کھو دیا۔یہ انداز امیر کے ہاں بہت کثرت سے ہے۔

2۔ کسی کا شعر ہے۔

مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو　　　کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

ہم نے یہ شعر بچپن میں سنا تھا اور اس کی معمائیت پر بہت خوش اور اس کے حل سے نہایت مسرور تھے۔یعنی مگس باغ میں جائے گی پھولوں سے رس لے گی، اس کا موم بنے گا موم سے شمع تیار ہوگی، شمع پر پروانے جلیں گے۔یہ شعر تو ممکن ہے چیستاں ہی کے طور پر لکھا گیا ہو لیکن بعض شعرا نے اسی طرح کا طرز تخیل اختیار کیا ہے کہ مضمون کے درمیانی حصے چھوڑ دیتے ہیں۔مومن خاں دہلوی اس رنگ کے استاد خاص ہیں تاہم انھوں نے بھی جہاں اتنے یا ایسے حصے چھوڑ دیے ہیں جن کی طرف آسانی سے ذہن منتقل نہ ہو سکے وہاں پیچیدگی اور بے لطفی پیدا ہو گئی ہے۔ہم نے "غزل گوئی کے ریویو" میں ان کے کلام سے بعض مثالیں لکھی ہیں۔بہر حال یہ تخیل کی بے اعتدالی ہے، امیر کے ہاں بھی یہ انداز پایا جاتا ہے۔مثلاً

خون بہا موئی سے لیں گے روز حشر　　　کشتے چشم سرمگیں یار کے

یہ مضمون چونکہ بہت عامیانہ ہے اس لیے اخلاق اور صنعت شعر سازی کا بھی لطف نہیں۔

3۔امیر کے شوق مضمون آفرینی کا ایک اور پہلو دیکھیے۔شعرا ہمیشہ پیغمبروں کے قصوں

سے شاعرانہ مضامین پیدا کرتے رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کسی کو نہیں چھوڑا لیکن حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و قصص سے تلمیحات شاعرانہ کسی نے اخذ نہیں کیں۔ اس کی اولیت کا سہرا اردو شعرا میں امیر کے سر ہے فرماتے ہیں۔

بیعت[1] انہیں ساقی سے ہوئی زیر شجر آج　　　گلزار میں میکش ہوئے بے شبہ بہشتی

یہاں تک بھی غنیمت ہے۔ اس کو نعت کا شعر کہا جا سکتا ہے۔ تصوف کا مضمون لیا جا سکتا ہے۔ ساقی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا مرشد اور میکش سے مسلمان یا سالک و مرید مراد لے سکتے ہیں۔ لیکن اس شعر کا کیا جواب ہے:

لامکاں تک پیمبر کیسے گئے　　　نہ پہنچا قاصد تک یار مکان

لامکاں تک جانے پر تعجب کس قدر ناز یبا اور خلاف ادب ہے۔ یہ پر گوئی اور قصور فکر و تامل کا نتیجہ ہے۔ مضمون ذہن میں آنے کے بعد یہ نہیں سوچتے کہ نظم کے قابل ہے یا نہیں۔

4۔ غزل کے لیے شیریں و سبک متعارف و مانوس الفاظ موزوں ہیں۔ ثقیل و غریب الفاظ غزل کی لطافت کے منافی ہیں۔ ہم نے صفحہ 8 پر ناسخ، آتش اور ذوق کے چند شعر درج کیے ہیں جن میں خلاف غزلیت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ امیر کا کلام بھی اس نقص سے خالی نہیں ہے۔ مثلاً

طلا یہ پھر رہا ہے آنکھ میں طوق طلائی کا　　　نہیں ممکن ہے سونا ہجر میں نیند آ نہیں سکتی

---

1 واقعہ یہ ہے کہ 6 ہجری میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے مسلمانوں کو ساتھ لے کر حج کرنے کے ارادے سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے۔ مکہ والوں نے شہر کے اندر نہ آنے دیا۔ آپ مکہ کے قریب ایک مقام حدیبیہ پر ٹھہر گئے اور معاہدہ کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر اہل مکہ کے پاس بھیجا۔ انھوں نے حضرت عثمان کو روک لیا۔ مسلمانوں میں یہ خبر اڑ گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیے گئے۔ یہ سن کر حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر مسلمانوں سے اس بات کی بیعت یا وعدہ لیا کہ جب تک حضرت عثمان کے خون کا بدلہ نہ لے لیں گے یہاں سے نہ جائیں گے اس کو بیعت رضواں کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (جب مسلمان درخت کے نیچے تمھارے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے تو اللہ ان سے راضی ہو گیا) یہ بیعت کرنے والے بے شبہ بہشتی ہیں۔ حضرت عثمان صحیح سلامت واپس آ گئے تھے اس لیے جنگ کی نوبت نہ آئی اور صلح ہو گئی۔

سمجھے یہ خط پشت لب یار دیکھ کر لکھا ہوا ہے حاشیہ عین الحیات پر

اس شمع رو کے وصف جو کچھ بھی رقم کرے بن جائے صاف کلکِ وقائع نگار شمع

صنعت کاتب قدرت ہیں رخ وخط دونوں وہی اس متن کا شارح بھی ہے، ماتن ہی نہیں

5- ہم نے داغ پر اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے آخر عمر میں سوقیانہ الفاظ ومحاورات اور عامیانہ طرز بیان کی بھرمار کردی تھی (دیکھو صفحہ 53-52) اس کے لیے امیر کے کلام میں اول وآخر کی بھی شرط نہیں۔ لکھنؤ کے رنگ تغزل میں عموماً ابتذال وسوقیت موجود تھی، چنانچہ امیر کے ہاں بھی ہے۔ مثلاً

ہڈیوں کی چاٹ پاتے ہی ، ہما کیا سگِ محبوب سے مل جل گیا

روزینہ ہے جو بوسوں کا جاری رہے مدام کچھ ہو نہ ہو نہیں تو ہے تنخواہ سے غرض

حضرت ناصح یہاں آئے تھے آج دیر تک کچھ بیٹھے جھک مارا کیے

مہربانی بے سبب اس کی نہیں کھاتیا ہے، اس میں بھی کچھ گھات ہے

ہمارا مقصد امیر کے کلام پر مفصل تنقید نہیں ہے۔ سرسری تلاش سے چند ایسی خامیاں درج کردی ہیں جن کے متعلق داغ پر الزام لگایا جاتا ہے اور وہ امیر کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں یا امیر کے کلام میں ہیں اور داغ کے ہاں نہیں ہیں۔

داغ وجرأت: غزل میں شوخی اور بانکپن قلندر بخش جرأت دہلوی (متوفی 1810ء) کی ایجاد ہے۔ جرأت سے پہلے ولی ومظہر، میر وسودا کے ہاں عموماً متانت وسنجیدگی تھی۔ جرأت نے عشق کے معاملات اور حسن کی اداؤں میں رنگینی اور تیکھا پن پیدا کیا۔ جرأت کے معاصرین میں مصحفی نے تو میر کا اتباع کیا۔ سید انشا اور سعادت علی خاں رنگین نے رنگ بدلا، لیکن انشا نے ظرافت ومسخرگی اختیار کرلی اور رنگین ریختی میں پڑ گئے۔

جرأت نے جو رنگ نکالا بالکل نیا اور بہت دلکش تھا۔ ہم نے صفحہ 21 پر ان کے بہترین رنگ تغزل کا نمونہ دکھایا ہے ان اشعار کو پھر پڑھ کر دیکھیے کہ میر ومصحفی کا انداز نمایاں ہے۔ اس کے بعد صفحہ 37 پر ان کی شوخ بیانی اور رنگین نوائی دیکھیے۔ یہ رنگ ان سے پہلے نہ تھا۔ ان کی ایجاد

ہے۔اس طرز کو انھوں نے خوب نباہا ہے۔ چند اشعار اور درج کیے جاتے ہیں:

پھر کہو، سوتے میں بوسہ کیوں لیا تو نے مرا　　گو ہے تہمت، پر مزہ کیسا ہے اس بہتان کا

بلائیں ہاتھوں سے میں نے جو لیں تمھاری رات　　بلائیں ہاتھوں کی لیتا رہا میں ساری رات

ایک گھر میں بھی کبھی مل کے نہیں بیٹھتے ہیں　　ہم کہیں بیٹھتے ہیں، آپ کہیں بیٹھتے ہیں

سرسری ان سے ملاقات ہے گا ہے گا ہے　　صحبت غیر میں گاہے، سر راہے گا ہے

دہلی میں اور کسی نے یہ رنگ اختیار نہ کیا۔ آخری دور میں داغ نے اس رنگ کو چمکایا اور اس قدر شوخ کر دیا کہ عامیانہ اور بازاری شان پیدا ہو گئی۔ وہ معاملات لکھے جو پاک محبت میں پیش نہیں آنے چاہئیں اور وہ باتیں کہیں جو کہنے کے قابل نہ تھیں۔ اگر چہ اس انداز کی بنیاد بھی جرأت نے ڈال دی تھی۔ جرأت کا کلام بھی بوالہوسی و بے حیائی، فحش دھریائی اور لاگ ڈانٹ سے خالی نہیں ہے۔ مثلاً

اس ڈھب سے کیا کیجیے ملاقات کہیں اور　　دن کو تو ملو ہم سے، رہو رات کہیں اور

قطعہ

تھا جی میں یہ کہ مجھ سے بگڑ جائے، اس لیے　　میں نے کہا کہ غیر سے پھر تم میاں ملے

پر کیا کہوں کہ اپنا سا منہ لے کے رہ گیا　　آنکھیں ملا کے جو یہ کہا اس نے 'ہاں ملے'

لگ جا گلے سے تاب اب اے نازنیں نہیں　　ہے ہے خدا کے واسطے مت کر نہیں نہیں

عبث انگڑائیاں لے لے کے کیوں ملتے ہو آنکھوں کو

بھلا یہ بھی تو گھر ہے، سو رہو گر نیند آئی ہو

قطعہ

کل واقفِ راز اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات　　جرأت کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم

کیا جانیے کم بخت نے کیا مجھ پہ کیا سحر　　جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

یاد آتا ہے، تو کیا پھرتا ہوں گھبرایا ہوا　　چمپئی رنگ اس کا اور جوبن وہ گدرایا ہوا

تاہم جرأت اس سے زیادہ نہیں کھلے۔ لیکن داغ نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ میر تقی میر تو اپنے معشوق سے بگڑ کر اتنا ہی کہہ کر رہ گئے:

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم   کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی

لیکن داغ نے صاف کہہ دیا۔

غرض ہی کیا ہے سنے وہ جو آپ کی باتیں   رئیس زادہ ہے داغ، آپ کا غلام نہیں

اب کے کچھ منہ سے نکالا تو تمہیں جانو گے   داغ پھر مجھ کو نہ کہنا جو برابر نہ کہوں

کیا کہا، پھر تو کہو ہم نہیں سنتے تیری   نہیں سنتے تو ہم ایسوں کو سناتے بھی نہیں

شعرائے قدیم کے ہاں شوخی و حیا کی جو کچھ تھی آوارگی و بے حیائی کی حد تک بہت کم پہنچی تھی۔ لیکن داغ کسی حد کے پابند نہ رہے۔ دیکھیے جرأت کس قدر خوب صورتی سے کہتے ہیں۔

جب یہ سنتے ہیں کہ ہمسائے میں آپ آئے ہوئے   کیا در و بام پہ ہم پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

داغ کا دوست جب ہمسائے میں آتا ہے تو ان کی حالت دیکھیے:

غیر کے گھر شب کو وہ مہمان ہمسائے میں تھے   سن رہے تھے ہم لگا کر کان ہنستے بولتے

ہمسائے میں وہ آئے تھے جب جھانکنا چاہا   اونچی رہی سر سے مرے دیوار ذرا سی

داغ جب معاملات حسن و عشق میں شوخی کو شوخی کی حد سے نہیں بڑھاتے تو ایسا لکھتے ہیں کہ اردو شاعری میں اس کا جواب نہیں۔ مثلاً

ترا اک وعدۂ دیدار اور وہ بھی قیامت پر   پھر اس پر صبر اتنا ہائے دل امیدواروں کا

یہ سنوایا فغان بے اثر نے   کرے گا اور تو اس سے سوا کیا

جس کی بغل میں شب کو وہ ہو، اس کو دیکھیے   جس وقت آنکھ کھل گئی دیدار ہو گیا

وعدے پہ مری ان کی قیامت کی ہے تکرار   اور بات سے اتنی کہ ادھر کل ہے، ادھر آج

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام   تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

خط مرا پھینک دیا یہ کہہ کر ہم سے دفتر نہیں دیکھا جاتا
خدا کی شان کریمی کا پوچھنا کیا ہے غضب تو یہ ہے گنہ گار ہم تمھارے ہیں

کس سے وعدہ ہے جو گھبرائے ہوئے پھرتے ہو یہ وہ گردش ہے جو میرے بھی مقدر میں نہیں

رقیب اس کے بھی قابل نہیں خدا کی قسم اگر ستم بھی کیا تو بھی لطف تو نے کیا

غیر کے واسطے دیدار بھی ہے، داد بھی ہے کس طرح گھر کو ترے عرصۂ محشر نہ کہوں

ستم تو یہ ہے کہ پھر اس خوشی کی قدر نہیں تم اپنے دل میں ہو خوش کس قدر ستا کے مجھے

منتظر ہیں دم رخصت کہ یہ مر جائے تو جائیں پھر یہ احسان کہ ہم چھوڑ کے جاتے بھی نہیں

کیجیے گا قتل ہم کو تو قربان جائیں گے پر سر کے ساتھ آپ کے احسان جائیں گے
ہر چند آج کل سے زیادہ ہے سادگی تیور یہ کہہ رہے ہیں کہ مہمان جائیں گے
کہا انھوں نے شب غم کا ماجرا سن کر ترے مزاج کی شوخی تھی، اضطراب نہ تھا

لیکن جب فحش و ہزل پر اتر آتے ہیں تو جرأت کیا، انشا و رنگین کو بھی پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ سنیے:

یہی اقرار؟ یہی قول؟ یہی وعدہ تھا او دغا باز، فسوں ساز مکر نے والے
گالیاں غیر کو دیتا ہوں، سنو تم خاموش میں بھی دیکھوں تو بڑے بات نہ کرنے والے
مہمان کہیں جانے کو ہیں آپ بھی تیار بس لیجیے سلام، اپنا بھی وعدہ ہے کسی سے
میں وصل کا طالب ہوں، جواب اس کا تو دیجیے کیوں چپ ہوئے؟ کیا پوچھنے جاتا ہے کسی سے
تمھارے واسطے میں غیر کو تنہا نہ چھوڑوں گا سمجھ لینا کہ دو مردے گڑیں گے ایک مدفن میں

تم کو ہے وصل غیر سے انکار　　اور جو ہم نے آکے دیکھ لیا
حور کی خواہش پہ یہ طعنے ملے　　واہ کیا نیت ہے کیا اوقات ہے
جب کہا میں نے کہ لو مرتا ہوں میں　　بولے بسم اللہ اچھی بات ہے

اس اعتبار سے اگرچہ داغ کی شوخ بیانی کا سلسلہ جرأت سے ملتا ہے تاہم دونوں میں یہ فرق ہے کہ جرأت کے ہاں میر و مصحفی کا انداز ہے جو داغ کے ہاں مطلق نہیں ہے۔ جرأت کے ہاں شوخ بیانی میں فحش و ہزل بہت کم ہے اور داغ کے ہاں بہت زیادہ۔

داغ کے ہاں عام طور پر جدت ادا، رنگینی بیان، حسن بندش، شوخی الفاظ جرأت سے بہت بہتر ہے۔

داغ کے شوخ مضامین جو فحش و ابتذال سے خالی ہیں جرأت سے بہت اعلیٰ ہیں۔

داغ کے ہاں اساتذۂ قدیم کا رنگ۔ اساتذۂ دہلی میں سے جن شعرا کے رنگ خاص، ممتاز اور بہترین ہیں، وہ میر، مصحفی، مومن اور غالب ہیں۔ لکھنؤ میں آتش بہترین غزل گو ہیں۔ ان کے بعد جتنے باکمال و مشہور شاعر ہوئے انھوں نے ان پانچ استادوں سے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض پایا اور انھیں میں سے ایک یا دو استادوں کا اتباع کیا اور ان کے رنگ میں اپنی جودت طبع اور جدت فکر سے اضافہ کر کے اپنا رنگ نکالا۔

ہر شاعر کا مخصوص رنگ دو چیزوں کے زیر اثر بنتا ہے۔ شاعر کی ذات اور شاعر کا زمانہ۔ کہیں ذاتی خصوصیات کا غلبہ ہوتا ہے، کہیں زمانے کے حالات کا، کہیں دونوں کا اثر مل جاتا ہے۔ جس رنگ میں طبیعت کی افتاد اور زمانے کی رفتار دونوں موثر ہوتی ہیں۔ وہ رنگ ناقابل تقلید ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ مزاج و طبیعت کا اعادہ ممکن سہی لیکن زمانہ پلٹ کر نہیں آتا۔ میر و مصحفی کے رنگ کا یہی حال ہے۔ میر کا سوز و گداز اور مصحفی کا بیان حسن و عشق ان کی ذات کے علاوہ ان کے زمانے سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ اس زمانے کی تخیل کی سادگی، طرز ادا کی سلاست، زبان کی صفائی، لب و لہجہ کی نرمی اور پھر

اس میں میر کا درد۔ درد کا دل۔ اثر کا سوز مصحفی کا شوق۔ جرأت کا جوش اسی زمانے کی چیزیں تھیں، اس کے ساتھ ہی چلی گئیں۔

دیکھیے ان لوگوں کا رنگ ناسخ و آتش بھی پسند کرتے تھے، مومن و غالب بھی، امیر و داغ بھی، اور آج ریاض و جلیل بھی اس کو بہترین تسلیم کرتے ہیں۔ اور عزیز و فانی بھی۔ لیکن نہ وہ لوگ اس رنگ کو اختیار کر سکے نہ یہ۔ میر سے پہلے یہ رنگ شروع ہوا۔ میر نے اس کو سب سے لطیف، نازک اور پراثر بنا دیا۔ درد، قائم، اثر، مصحفی، راسخ، میر حسن وہی طرز برتتے رہے۔ آخر جرأت پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ جرأت کے بعد نصیر، ذوق، ظفر، مومن، غالب ناسخ، آتش، وزیر، رند، رشک، تسیم، امیر، امیر، داغ، ظہیر، جلال، تسلیم میں سے کوئی ایک شاعر بھی کامل طور پر وہ انداز پیدا نہ کر سکا۔ ہزاروں اشعار میں چند شعر کسی کے ہاں نکل آئیں تو نکل آئیں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ ”اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے۔“ وہ طبیعت اور زمانے کی سادگی نہ رہی تو اب یہ باتیں اور یہ انداز کوئی کہاں سے لائے۔

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے ۔۔۔ پچھتاؤ گے، سنو ہو، یہ بستی اجاڑ کر
یہ چال کیا نکالی تم نے جوان ہو کر ۔۔۔ اب جب چلو ہو دل کو ٹھوکر لگا کرے ہے
ہوگا کسو دیوار کے سائے میں پڑا میر ۔۔۔ کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

میر

تم رات وعدہ کر کے جو ہم سے چلے گئے ۔۔۔ پھر تب سے خواب میں بھی نہ آئے بھلے گئے
جب واقف راہ و روش ناز ہوئے تم ۔۔۔ عالم کے میاں، خانہ بر انداز ہوئے تم
شاہد رہیو تو اے شب ہجر ۔۔۔ جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی

مصحفی

مجھے سونپ داغ فراق دے، ہوئے یوں جدا کہ نہ پھر ملے
مرے دل میں تا دم واپسیں، وہ امانت ان کی دھری رہی

اپنا بھی ماجرائے دل اک مرثیہ سا ہے　　　بے اختیار روتے ہیں لوگ اس بیان پر

راسخ

اس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا　　　جیسے کوئی بھولا ہوا پھرتا ہے کچھ اپنا

میں[1] حشر کو کیا روؤں کہ اٹھ جانے سے تیرے　　　برپا ہوئی اک مجھ پہ قیامت تو یہیں اور

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ　　　بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

میر حسن

کون دیکھے گا بھلا، اس میں ہے رسوائی کیا　　　خواب میں آنے کی بھی تم نے قسم کھائی کیا

بعد مرنے کے مری لاش پہ لاتا اس کو　　　ابھی مت پوچھو کہ انداز کسے کہتے ہیں

جرأت

ان باتوں میں جو مزہ ہے وہ ان بزرگوں کے اٹھ جانے کے بعد نہ ملا۔

ان کے برخلاف مومن وغالب کے خاص رنگوں پر زمانے سے زیادہ ان کی طبیعتوں کا اثر ہے۔ یہی سبب ہے کہ میر و مصحفی کا رنگ ان کے زمانے کا رنگ ہونے کی وجہ سے اس زمانے (یعنی 1700 سے 1810 تک) کے سب شاعروں کے ہاں کم وبیش پایا جاتا ہے اور ان کے زمانے کے بعد تقریباً بالکل مفقود ہو جاتا ہے۔ لیکن مومن وغالب کے رنگ ان کے طبعی رنگ ہیں اس لیے سب سے الگ ہیں۔ پھر بھی چونکہ طبیعت اور پسند وعادت کا اثر غالب ہے اور ایک قسم کی طبیعت مختلف آدمیوں کی ہو سکتی ہے جبکہ ایک قسم کا زمانہ دوبارہ پلٹ کر نہیں آتا۔ اس لیے مومن وغالب کی سی طبیعت اور پسند جس کسی نے جس زمانے میں پائی اور ان کے زیر تربیت یا ان کے کلام کے زیر اثر کوشش کی ان کا سا اسلوب وانداز پیدا کر لیا۔ چنانچہ میر تسکین کے کلام میں مومن کا اثر موجود ہے، نواب شیفتہ کے ہاں مومن وغالب دونوں کا نمونہ ظہیر دہلوی میں مومن کا انداز ہے۔ حالی پر

---

1 میر حسن دہلوی (وفات 1786) کے اس شعر کے ساتھ مرزا غالب (وفات 1869) کا یہ شعر بھی قابل دید ہے:

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے　　　کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

غالب کا پرتو۔ موجودہ زمانے میں حسرت موہانی کے ہاں مومن کا رنگ پایا جاتا ہے۔ عزیز لکھنوی کے کلام میں غالب کا۔ غالب کے طرز تخیل و انداز بیان تلاش مضامین و تراش الفاظ کا اتباع دور جدید میں بہت عام ہے۔ اگرچہ "غالبیت" کم میسر آتی ہے تاہم کہیں مشابہت اور کہیں اشتباہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔

داغ کا دعویٰ ہے۔

داغ معجز بیاں ہے کیا کہنا! طرز سب سے جدا نکالی ہے

ہم دکھا چکے ہیں کہ یہ دعویٰ درست ہے۔ تاہم داغ کے کلام میں کہیں کہیں اساتذۂ قدیم کے رنگ کی جھلک نظر آتی ہے۔

داغ کے کلام میں میر و مصحفی رنگ نہ ہونے کا سبب: داغ کے ہاں سلاست وصفائی میر و مصحفی سے زیادہ ہے محاورے کا لطف اور زبان کی شیرینی بہت زیادہ۔ پھر بھی ان استادوں کا انداز خاص بالکل نہیں پایا جاتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میر و مصحفی کے رنگ کے لیے دل میں درد اور طبیعت میں انفعال (اثر پذیری) کی ضرورت ہے اور رند شاہد باز داغ میں یہ باتیں نہ تھیں۔

امیر کے ہاں میر و مصحفی کا انداز پایا جاتا ہے: حالانکہ امیر کے کلام میں اگرچہ آورد و ساخت داغ سے زیادہ ہے اور سادگی و بے ساختگی جو میر و مصحفی کے رنگ کا ایک جزو ہے، داغ سے بہت کم ہے۔ تاہم امیر کی طبیعت کے سوز و گداز نے میر و درد اور مصحفی کی وضع کے اشعار ڈھال دیے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

آوارہ پھر رہا ہے محبت کی راہ میں — اک دل دیا تھا ہم کو خدا نے سو یوں گیا

شب وعدہ نہ جھپکی آنکھ تک، آرام کب آیا — یہی کہتا رہا شب بھر، وہ اب آیا وہ اب آیا

رہ رہ کے اک کھٹک سی سینے میں ہو رہی ہے — شاید ابھی ہے باقی ٹکڑا کوئی جگر کا

کچھ آج نہیں رنگ اس افسردہ دلی کا
مدت سے یہی حال ہے یارو مرے جی کا

دعویٰ ہے گو کہ بے گنہی کا امیر کو
بیٹھا ہے تیرے آگے گنہگار کی طرح

ایک قطرہ خون ہے دل، پر وہ قطرہ ہے امیر
غوطے کھاتے پھرتے ہیں جس میں دو عالم آج تک

ملال کس سے کہوں کوئی آس پاس نہیں
شریک غم فقط اک دل، اسے حواس نہیں

کرتے ہیں جو لوگ ذکر ان کا
ایک ایک کا منہ میں دیکھتا ہوں

لہو رو، آنسوؤں کا قحط اگر ہے
اسی دن کے لیے خون جگر ہے

وہ سنتا نہیں حال دل اے امیر
کہانی ہی کب تک کہا کیجیے

داغ کے کلام میں غالب کا رنگ: غالب کا رنگ بھی داغ کی سطح تخیل سے بلند تر تھا۔ اس کے لیے جس رفعت فکر، وسعت خیال، عمق نگاہ کی اور جس قسم کی جدت بیان کی ضرورت ہے اس کو پیدا کرنے کی داغ کو نہ ہمت تھی نہ فرصت۔ چنانچہ جو غزلیں غالب کی غزلوں پر لکھیں ان میں بھی اپنا ہی رنگ رکھا۔ تاہم معلوم ہوتا ہے کہ غالب کی زمینوں میں غزلیں لکھتے وقت غالب کے مضامین اور انداز پیش نظر ہونے کے سبب سے کسی کسی شعر میں غالب کا رنگ آ گیا ہے۔ مثلاً

یہ وہ درد دل نہیں ہے کہ ہو چارہ ساز کوئی
اگر ایک بار مٹتا تو ہزار بار ہوتا

دل میں جس قدر رہے درد، اس کو کیا یقیں آئے
داغ بے نمود اپنا، زخم بے نشاں اپنا

گو نہیں بندگی قبول، پر ترا آستاں تو ہے
کعبہ دیر میں ہے کیا، خاک کوئی اڑائے کیوں

داغ کے کلام میں مومن کا رنگ: اگرچہ مومن کی سی نزاکت تخیل بھی داغ کے ہاں نہیں ہے لیکن مومن کی معاملہ بندی و شوخی بیان داغ کی طبیعت کے مناسب تھی اس لیے مومن کی ہم طرح غزلوں میں مومن کا رنگ پیدا کر لیا ہے۔ دیکھیے:

چاہتا ہے کب مرنا کوئی سخت جاں اپنا
تجھ کو چاہیے قاتل اول امتحاں اپنا

دوستی کے پردے میں کوئی دشمنی کرتا — اس کی مہربانی ہے، جو ہے مہرباں اپنا
ہائے میرے قاتل کو مفت کی ہے بدنامی — کام کرگئی ہوتی مرگ ناگہاں اپنا

لاگ اے چارہ گر نہ ہوجائے — تیرے سر دردِ سر نہ ہوجائے
آتی جاتی حیا میں شوخی ہے — پردگی پردہ در نہ ہوجائے
دل ہے خواہان لذت بیداد — کیوں وہ بیداد گر نہ ہوجائے
ذکر سے غیر کی کے دل بہلاؤں — منفعل تو مگر، نہ ہوجائے
مرگ دشمن کی کیا دعا مانگوں — کہیں الٹا اثر نہ ہوجائے
یہ تو آثار ہیں قیامت کے — عشوہ گر فتنہ گر نہ ہوجائے
ہے بس مرگ مجھ کو خوف عذاب — قبر دشمن کا گھر نہ ہوجائے
دیکھنے والوں کو نہ دیکھا کر — اس نظر کو نظر نہ ہوجائے
اس کو تعلیم ناز خوب نہیں — بے خبر با خبر نہ ہوجائے
ہیں قیامت کے خواستگار بہت — وقت سے پیشتر نہ ہوجائے
کیوں جگہ دیں وہ اپنے پہلو میں — داغ داغ جگر نہ ہوجائے

داغ کے کلام میں شعرائے لکھنؤ کا رنگ: لکھنؤ میں دو رنگ تھے۔ ایک ناسخ کا۔ ایک آتش کا۔ داغ کے کلام سے ناسخ کا رنگ ہم "موازنہ امیر وداغ" میں دکھا چکے ہیں۔ آتش کا رنگ ناسخ سے زیادہ صحیح، زیادہ دلکش، زیادہ موثر ہے۔ یعنی اصلی شان تغزل تمام اہل لکھنؤ میں آتش ہی کے کلام میں سب سے زیادہ اور سب سے بہتر ہے۔ آتش کے کلام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہی لکھنوی و ناسخی انداز جس کا ذکر بار بار ہو چکا ہے اور جس کے نمونے ناسخ و آتش، امیر اور داغ کے کلام سے پیش کیے جا چکے ہیں۔ دوسرا آتش کا الگ اور ذاتی رنگ۔ اس رنگ کے چند اجزا ہیں۔

1۔ خوبیِ الفاظ، حسن بندش، سلاست ادا، شوخیِ بیان: ان اوصاف میں داغ آتش سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ داغ کی طبیعت باغ و بہار تھی۔ ایسی خوب صورت بندشیں اور شوخ و رنگین مضامین پیدا کیے ہیں کہ آتش کیا کوئی بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ داغ کے کلام سے بہت سی مثالیں لکھی جا چکی ہیں۔

2۔ جدید و لطیف تشبیہیں: یہ نفس شاعری کا نہایت ضروری عنصر ہے اور شاعر کا کمال و کامیابی ایک حد تک اس پر بھی منحصر ہے۔ شاعر جس قدر نازک خیال ہوگا اتنی ہی اور نازک تشبیہات پیدا کر سکے گا۔ لیکن یہ چیز مضمون آفرینی کی ایک شاخ ہے۔ اس لیے اختراع تشبیہات کے لیے بھی ذوق سلیم اور ذہن متوازن درکار ہے۔ ناسخ سے بڑھ کر کون "خلاق المعانی" ہوگا۔ ہزاروں نئی اور عجیب تشبیہیں پیدا کیں لیکن ایک سے ایک بھاری بھدی اور بھونڈی۔ نازک و لطیف بہت کم ہیں۔ آتش نے ناسخ سے بہتر کام کیا ہے۔ اور بعض تشبیہیں بہت اچھی اور بالکل نئی پیدا کی ہیں۔ مثلاً:

سامنے اپنے تصور سے سمجھتا ہوں تجھے ۔۔۔ دور بیں نزدیک دکھلاتی ہے انساں دور کا

یار کے دل میں کب اس سے راہ پیدا ہو سکے ۔۔۔ آہ میں میری ہے عالم گردن مغرور کا

برق کو اس پر عبث گرنے کی ہیں تیاریاں ۔۔۔ برگ گل ہی آشیاں کو اپنے ہیں چنگاریاں

لیکن مضمون آفرینی کے زور میں ایسی تشبیہات بھی نکالی ہیں جو عجیب و جدید تو ہیں لیکن نازک و لطیف نہیں۔ مثلاً:

حیرت کی جا ہے خط رخ آتشیں یار ۔۔۔ نکلا ہے شیرہ بغل آفتاب سے

بڑی خرابی وجالکا ہی سے اسے کاٹا ۔۔۔ شب فراق مجھے فیل کا شکار ہوئی

داغ معاملات لکھنے والے اور ادائیں باندھنے والے شاعر تھے۔ اختراع تشبیہات ان کے لائحہ عمل سے باہر تھا۔ تاہم کہیں کہیں نئی اور لطیف تشبیہیں بھی لکھی ہیں۔ دیکھیے:

آتش دوزخ پہ ہوگا آتش تر کا گماں ۔۔۔ گر کسی میکش نے اپنا دامن تر رکھ دیا

جب مُل ان کے تلیں گے تو کہیں گے میکش — آج کو رطل گراں سنگ ترازو نہ ہوا

وہ چشم مست پھر اس پہ پنجۂ مژگاں — کہ جیسے ہاتھ کسی نازنیں کا ساغر پہ

کہاں کرشمۂ برق جمال و طور کہاں — پڑی تھی آہ کسی دل جلے کی پتھر پہ

افتادگی میں بھی نہ گئی اس کی آرزو — گویا زمیں پہ سایۂ مرغ پریدہ ہوں

اس ہاتھ نے لٹائے ہیں کس طرح کے گہر — مژگان چشم تر بھی عجب دست جود ہے

3۔ **فقیرانہ مسلک اور آزادانہ روش:** آتش کی زندگی کی خصوصیات میں شامل ہے۔ اسی کا اثر آتش کے کلام پر بھی ہے اور یہ ان کے کلام کا نہایت دلکش اور پُر اثر رنگ ہے۔ جو لکھنؤ میں ان سے زیادہ اور ان سے بہتر کہیں نہیں ہے۔

داغ اس طرز کے مرد میدان کیونکر ہو سکتے تھے۔ فقر و قناعت، زہد و توکل سے ان کو کیا واسطہ۔ لیکن خود ان کے قول کے مطابق "سچ یہ ہے داغ سخنور ہے سخنور پورا" اس لیے آتش کا یہ رنگ بھی داغ کے ہاں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

کام رکنے کا نہیں اے دل ناداں کوئی — خود بخود غیب سے ہو جائے گا ساماں کوئی

جو عاشقی میں خاک ہوا کیمیا ہوا — کہتا تھا آج خاک میں کوئی ملا ہوا

جنوں میں تن پہ لباس غبار باقی ہے — کب اپنے پاس کفن کو بھی تار باقی ہے

مر گئے خسرو و جمشید سے میکش لاکھوں — رونق ساغر و آرائش محفل ہے وہی

جستجو جس کی ہے اپنے آپ میں تو دیکھ لے — دیکھنے کو دی ہے اے غافل یہ بینائی تجھے

ہو کے لبریز نہ چھلکے گا مرا ساغر دل — میکدے سو ہوں اگر، لاکھ ہوں بھرنے والے

غنچۂ گل میں دھرا کیا ہے بتا اے بلبل — جمع ہیں چند ورق وہ بھی بکھرنے والے

کیا جہان گذراں میں بھی لگی ہے گذری — مول لے جاتے ہیں غم یاں سے گزرنے والے

اس گذرگاہ سے پہنچیں تو کہیں منزل تک — جیسی گذرے گی گزاریں گے گزرنے والے

کشتی نوح سے بھی کود پڑوں طوفاں میں — دیں سہارا جو مجھے پار اترنے والے

قلزم عشق سے اے خضر، ہمیں خوف نہیں　　بیٹھ کر تہ میں ابھرتے ہیں ابھرنے والے

لکھنؤ کی شاعری کا ایک خاص رنگ جو دہلی کی شاعری سے الگ ہے، معاملات وجذبات کا مبتذل اور بازاری انداز بیان ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ معشوق کا حلیہ، زیور ولباس، ناز وانداز نہایت غیر مہذب اور فحش طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ ناسخ وآتش کے شاگردوں نے اس طرز ادا کو بہت ترقی دی۔ وزیر، رند، صبا، رشک، خلیل، شرف وغیرہ سب اس فحش میں آلودہ ہیں۔ امیر مینائی بھی اس سے دامن نہ بچا سکے۔ پھر داغ کیا بچتے۔ اور لوگوں کے ہاں تو ممکن ہے صرف قال ہو حال نہ ہو۔ داغ کے ہاں جو قال تھا وہی حال بھی تھا۔ پھر بھی چونکہ یہ رنگ داغ کی دتی کا نہ تھا اور انھوں نے دہلوی طرز وروش کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ اس لیے داغ میں اور شعرائے لکھنؤ میں یہ فرق نمایاں ہے کہ معاملہ نگاری وادابندی میں تو حد اعتدال سے اکثر آگے بڑھ گئے ہیں۔ لیکن حلیہ وجسم اور زیور ولباس کا ذکر بہت کم کیا ہے۔ مثلاً اس طرح کے اشعار تو کثرت سے ملیں گے۔

صبح سے آج وہ تیور ہی نہیں ہیں ان کے　　آئینہ دیکھ کے دیکھی ہے جو صورت میری

جس خط پہ یہ لگائی اسی کا ملا جواب　　اک مہر میرے پاس ہے دشمن کے نام کی

دشمن کو برا کہہ کے بھلا کہنے لگے آپ　　وہ ہم سے کہا تھا، یہ کسی اور سے کہیے

بلکہ اس سے بہت زیادہ صاف دھریاں کہا ہے جیسا کہ پہلے پیش کیا جاچکا ہے۔ لیکن اس نوعیت کے مضامین بہت کم نظر آئیں گے۔

یہ سیر ہے کہ ڈوپٹہ اڑا رہی ہے صبا　　وہ جب چھپاتے ہیں سینہ کر نہیں چھپتی

سنگ دل کہنے سے تو آپ برا مان گئے　　یہ جو کچھ سینے پہ ہے اس کو بھی پتھر نہ کہوں

داغ کا مرتبہ شعرائے غزل میں: داغ کا جو کچھ کارنامہ ہے غزل ہے۔ قصیدے کہے ہیں لیکن چند، صرف ان کے سبب سے داغ کو "قصیدہ گو" نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے قصیدہ گوئی میں ان کا کوئی خاص رتبہ نہیں ہے۔ مثنوی صرف ایک لکھی ہے۔ فریاد داغ، جس میں کلکتہ کے سفر وقیام کا حال ہے۔ یہ مثنوی کیا ہے۔ مثنوی کی صورت میں

غزل ہے۔ یعنی مثنوی کے معیار پر پوری نہیں اور غزلیت نمایاں ہے۔ اس لیے داغ مثنوی کے شاعر بھی نہیں۔

غزل میں داغ کی یہ شان ہے کہ مولانا حالی میرزا غالب کے ذکر میں لکھتے ہیں:

''ایک صحبت میں نواب مرزا خاں داغ کے اس شعر کو بار بار پڑھتے تھے اور اس پر وجد کرتے تھے۔

''رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں — اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے''

(یادگار غالب)

پھر آگے جدت ادا کے بیان میں کہتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ اول مرزا نے اور انہی کی تقلید سے مومن، شیفتہ، تسکین، سالک، عارف، داغ وغیرہم نے اس طرز کو بہت زیادہ رواج دیا۔''

(یادگار غالب)

مصنف تذکرہ طور کلیم کی داغ کے متعلق یہ رائے ہے:

''شوخی کہ در کلام اوست بندہ ندانم کہ امروز دیگرے را دادہ باشند وز بانیکہ او را بخشیدہ مدنی زمانتا ہیچ کس را میسر نیست۔''

(طور کلیم)

نواب علی حسن خاں تذکرہ بزم سخن میں لکھتے ہیں:

''از گفتار دلچسپ او اگر ہمہ دیوان بریں جریدہ ثبت افتد پیش شائقان سخن کم از کم شمردہ خواہد شد۔''

(بزم سخن)

مولانا حکیم عبدالحی تذکرہ گل رعنا میں فرماتے ہیں:

''اس دور میں بھی خصوصیت کے ساتھ نواب مرزا خاں داغ کو اول درجہ پر رکھنا

چاہیے، جنھوں نے غزل کی زبان میں نہایت وسعت اور صفائی اور بانکپن پیدا کر دیا ہے۔ ان کے ہمعصروں میں کوئی بھی زبان کی صفائی، روزمرہ کی خوبی اور محاوروں کی فراوانی میں ان کا مثل نہیں۔"

(گل رعنا)

غزل کے عناصر اربعہ کے اعتبار سے داغ کا مرتبہ یہ ہے:

1۔ **زبان** (انتخاب الفاظ، حسن بندش، لطف محاورہ، صفائی و روانی) میں کسی اردو شاعر سے کم نہیں اور اپنے زمانے میں بے نظیر ہیں۔

2۔ **مضمون آفرینی** (الف) جدت ادا میں مومن و غالب کے بعد داغ کا درجہ ہے۔

(ب) رفعت فکر و لطافت تخیل میں مومن و غالب اور امیر مینائی کے بعد داغ کا نمبر ہے۔

(ج) وسعت و کثرت مضامین میں داغ کا کوئی خاص درجہ نہیں ہے۔

3۔ **جذبات و معاملات** (متغزلانہ) میں داغ اپنے قدما سے بہتر نہیں ہیں۔ اپنے معاصرین میں امیر کے بعد اور جلال سے پہلے ہیں۔

(بوالہوسانہ) میں داغ تمام مشاہیر غزل سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ ان کے دامن پر بدنما داغ ہے۔

4۔ **شگفتگی بیان** بھی غزل کا ضروری جزو ہے ورنہ غزل غزل نہیں رہتی، مرثیہ ہو جاتی ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) شوخی و زندہ دلی۔ یہ داغ کا بہترین کارنامہ ہے جس نے داغ کو داغ بنا دیا ہے۔ اس وصف میں عہد قدیم سے عصر حاضر تک کوئی شاعر داغ سے بہتر کیا برابر و ہمسر بھی نہیں۔

(ب) فحش و ہزل۔ یہ داغ کا بدترین اعمال نامہ ہے۔ تاہم اس عیب میں داغ تنہا نہیں ہیں۔ شعرائے لکھنؤ (وزیر و صبا، رند و رشک وغیرہ) کے ہاں داغ سے کم نہیں اور امیر مینائی کے کلام میں داغ سے بہت زیادہ ہے۔ یہ داغ کی بدقسمتی ہے کہ ساری بدنامی داغ ہی کے حصے میں آئی

ہے۔اس کا سبب داغ کا خداداد قبول خاطر ولطف سخن ہے۔داغ موجودہ زمانہ تنقید سے سب سے قریب زمانے کے شاعر ہیں۔سب سے زیادہ شیریں بیان ومقبول عام ہیں۔ان کا کلام سب سے زیادہ پڑھا گیا اور مشہور رہوا۔اس لیے ان کے کلام کے عیوب بھی سامنے آئے۔نظر میں کھٹکے،اور ان کی بدنامی کا باعث ہوئے۔امیر مینائی کا کلام اتنا مقبول ومشہور نہیں ہوا۔رند وصبا وغیرہ کو تو نہ داغ کے زمانے میں کوئی پوچھتا تھا۔نہ اب پوچھتا ہے اس لیے داغ پر انہی کا یہ شعر صادق آگیا۔

خوشنوائی نے رکھا ہم کو اسیر اے صیاد　　　ہم سے اچھے رہے صدقے میں اترنے والے

انتخاب کلام داغ

انتخاب گلزار داغ

عدوئے سامری فن دیکھے اعجاز رقم میرا
عصائے موسوی ہے حمد خالق میں قلم میرا

برنگ بوئے گل ہوں ہر نفس یاد الٰہی میں
قیامت تک بھرے گی دم نسیم صبح دم میرا

سلامت منزل مقصود تک اللہ پہنچائے
تجھے آنکھیں دکھاتا ہے ہر اک نقش قدم میرا

الٰہی کعبۂ تسلیم میں یوں باریابی ہو
بڑھے لبیک کہہ کر پیشتر سب سے قدم میرا

مجھے آباد کرتا ہے، مجھے برباد کرتا ہے
خدایا دین و دنیا میں کرم تیرا ستم میرا

تری بندہ نوازی ہفت کشور بخش دیتی ہے
جو تو میرا، جہاں میرا، عرب میرا، عجم میرا

سنا جب سے یہ دولت آدمی کو تو نے بخشی ہے
نہیں پھولا سماتا خاطر غمگیں میں غم میرا

الٰہی نقش ہو کلمہ رسول اللہ کا دل پر
چلے کونین میں نام محمدؐ سے درم میرا

جلوں گا حشر تک اے داغ میں سوز محبت سے
نہ دے گی ساتھ تا روز جزا شمع حرم میرا

صبر لے زاہد نا فہم نہ مے خواروں کا
بخشنے والا بھی دیکھا ہے گنہ گاروں کا

ڈر گئے نام شفا سن کے، ہے خواہش مرگ
منہ ذرا سا نکل آیا ترے بیماروں کا

صبر ایوب کی اے داغ نہ کرنا خواہش
کہ محبت میں تو یہ کام ہے بیکاروں کا

گر میرے بت ہوش ربا کو نہیں دیکھا — اس دیکھنے والے نے خدا کو نہیں دیکھا
سمجھا ہے شب ہجر عدو کو وہ قیامت — ظالم نے ابھی روز جزا کو نہیں دیکھا
جس شکل سے ہنستے ہیں مرے حال پہ احباب — روتے ہوئے یوں اہل عزا کو نہیں دیکھا

آج راہی جہاں سے داغ ہوا — خانۂ عشق بے چراغ ہوا

پڑے ہوئے تھے ہزاروں پردے کلیم دیکھو تو جب بھی غش تھے
ہم اس کی آنکھوں کے صدقے جس نے وہ جلوہ یوں بے حجاب دیکھا

اس بزم میں شریک تو جایا نہ جائے گا — میں جاؤں گا اگر مرا سایہ نہ جائے گا
دل لے کے اس کی بزم میں جایا نہ جائے گا — یہ مدعی بغل میں چھپایا نہ جائے گا
اے حشر امتیاز کہ ہم ہیں شہید ناز — مردوں کی طرح ہم کو اٹھایا نہ جائے گا
دل جو دکھا رہا ہے مزہ عشق میں مجھے — آنکھوں سے سو برس بھی دکھایا نہ جائے گا
دشمن کے آگے سر نہ جھکے گا کسی طرح — یہ آسماں زمیں سے ملایا نہ جائے گا
فتنہ نہیں کہ جس کو اٹھایا کرے فلک — مجھ سے گرے ہوئے کو اٹھایا نہ جائے گا
زلفیں نہیں کہ شانہ سے آراستہ کیا — بگڑا ہوا مزاج بنایا نہ جائے گا
اے داغ تجھ کو رزق کی خواہش ہے چرخ سے — اتنا یہ غم کھلائے گا کھایا نہ جائے گا

آخر کو عشق کفر سے ایمان ہو گیا — میں بت پرستیوں سے مسلمان ہو گیا
اس غنچہ میں سمائی ہے وحشت برنگ بو — دل کتنی تنگیوں پہ بیابان ہو گیا
رندانِ بے ریا کی ہے صحبت کے نصیب — زاہد بھی ہم میں بیٹھ کے انسان ہو گیا

ستم وہ چشم کافر سے تری چلنا اشاروں کا — غضب وہ دل پکڑ کر بیٹھ جانا بے قراروں کا

تمھیں چاہا اگر چاہا، خطا الفت پرستوں کی — تمھیں دیکھا اگر دیکھا، گنہ امیدواروں کا
کبھی بیٹھے، کبھی اٹھے، کبھی لوٹے، کبھی تڑپے — تماشا دید کے قابل ہے تیرے بےقراروں کا
ترا اک وعدۂ دیدار اور وہ بھی قیامت پر — پھر اس پر صبر اتنا، ہائے دل امیدواروں کا
سنو افسانۂ فرہاد، دیکھو قصۂ مجنوں — غرض کیا تم کو پوچھو حال ہم حسرت کے ماروں کا

خدا کریم ہے یوں تو، مگر ہے اتنا رشک — کہ میرے عشق سے پہلے تجھے جمال دیا

ہو کے ظاہر تو کیا عشق نے اک حشر بپا — حسرت اس دل پہ کہ جس دل میں یہ پنہاں ہوگا
جس قدر آج ستانا ہے ستا لے ہم کو — روز محشر بھی تو کل اے شب ہجراں ہوگا
آپ کے سر کی قسم داغ کو پروا بھی نہیں — آپ کے ملنے کا ہوگا جسے ارماں ہوگا

عشق کیا شے ہے؟ یہ وہ شے ہے کہ دل میں شوق وصل — خون ہو کر آ گیا، غم بن گیا، سم ہو گیا

کی ترک مے تو مائل پندار ہو گیا — میں توبہ کر کے اور گنہ گار ہو گیا
وہ فتنہ جس کا حشر پہ اٹھنا ہے منحصر — ہر بار تیری چال سے بیدار ہو گیا
جس کی بغل میں شب کو وہ ہو اس کو دیکھیے — جس وقت آنکھ کھل گئی دیدار ہو گیا
اک حرف آرزو پہ وہ مجھ سے خفا ہوئے — اتنی سی بات کہہ کے گنہ گار ہو گیا

نالہ ہر اک بشر کے جگر سے نکل گیا — جی ہی نکل گیا وہ جدھر سے نکل گیا
عالم میں ایک تو نظر آیا نظر فریب — عالم تمام اپنی نظر سے نکل گیا
کچھ ہوگا مجھ کو نالۂ شب گیر سے حصول — کچھ مدعا دعائے سحر سے نکل گیا

میں مر گیا جو وہ لب جاں بخش ہل گیا — یارب قُمِ مسیح میں کیا زہر مل گیا

اللہ رے جامہ زیب تری جامہ زیبیاں
پہنا جو تو نے رنگ وہی رنگ کھل گیا

نہ جانا جان کا ایسا کسی نے جلد کھو جانا
تمھارا دو قدم چلنا یہاں پامال ہو جانا

بظاہر ہے دوئی پر اصل میں وحدت ہی وحدت ہے
نہ جانا ایک تو نے ہائے غافل دو کو دو جانا

بہت باغ جہاں میں سیر کی اے داغ کیا کہیے
نہ دیکھا ہم نے جو دیکھا نہ جانا ہم نے جو جانا

ہوا ہے جب سے شہرہ اس عدوئے دین و ایماں کا
کوئی دل چیر کر دیکھے عقیدہ ہر مسلماں کا

مریضِ جاں بلب دیکھے ہیں پر ایسے نہیں دیکھے
خدا حافظ نہیں ہوتا ترے بیمار ہجراں کا

کیا ہے ایک دست آرزو نے وار دو جانب
زلیخا کے جگر تک چاک ہے یوسف کے داماں کا

جو ہو سکتا ہے اس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا
مگر دیکھو تو پھر کچھ آدمی سے ہو نہیں سکتا

محبت میں کرے کیا کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا
مرا مرنا بھی تو میری خوشی سے ہو نہیں سکتا

یہ مشتاق شہادت کس جگہ جائیں کسے ڈھونڈیں
کہ تیرا کام قاتل جب تجھی سے ہو نہیں سکتا

نہ کہیے گو کہ حال دل مگر رنگ آشنا ہیں ہم
یہ ظاہر آپ کی کیا خامشی سے ہو نہیں سکتا

کیا جو ہم نے ظالم کیا کرے گا غیر منہ کیا ہے
کرے تو صبر ایسا آدمی سے ہو نہیں سکتا

نہ رونا ہے طریقے کا نہ ہنسنا ہے سلیقے کا
پریشانی میں کوئی کام جی سے ہو نہیں سکتا

مزا جو اضطراب شوق سے عاشق کو حاصل ہے
وہ تسلیم و رضا و بندگی سے ہو نہیں سکتا

خدا جب دوست ہے اے داغ کیا دشمن سے اندیشہ
ہمارا کچھ کسی کی دشمنی سے ہو نہیں سکتا

خالی ہے شیشہ تو مجھے دے ڈال محتسب
مل جائے کوئی جوڑ دل ناامید کا

جھوٹا ہے قفل میکدہ اے میکشو نوید!
رہنے دو محتسب کو محافظ کلید کا

اے شیخ فیض پیر خرابات دیکھنا
جو حال پیر کا ہے وہی ہے مرید کا

ترے خرام سے برپا ہے شور و شر کیسا — اٹھا یہ فتنہ قیامت سے پیشتر کیسا
تری تو برش تیغ نظر کا کیا کہنا — ہمیں تو دیکھ کہ رکھتے ہیں ہم جگر کیسا
یقین تھا کہ پس مرگ چین آئے گا — قرار اس دل بیتاب کو مگر کیسا
وہ پاشکستہ ہوں گم کردہ راہ خانہ خراب — کہ دشت بھی نہیں مجھ کو نصیب گھر کیسا
کمال عشق ہے اے داغ محو ہوجانا — مجھے خبر ہی نہیں نفع کیسا ضرر کیسا

ابھی اپنی جفا کو کھیل ہی سمجھا ہے تو ظالم — کہ جینے پر نہ آیا میرے مرنے پر عجب آیا

ضبط کر درد عشق کو اے دل — اس تری آہ آہ نے مارا
زیر خنجر بھی ضبط عشق رہا — دم نہ اس بے گناہ نے مارا
خوش ہے کافر بھی اس کی رحمت پر — ہائے اس اشتباہ نے مارا
مرگئے ہم تو وضع داری میں — دوستی کے نباہ نے مارا

اے اہل بزم چشم مروت کو کیا ہوا — کیوں دیکھتے نہیں مری صورت کو کیا ہوا
منظور ذکر غیر سے تھا امتحان دل — دیکھیں تو آپ اپنی طبیعت کو کیا ہوا

جو عاشقی میں خاک ہوا کیمیا ہوا — کہتا تھا آج خاک میں کوئی ملا ہوا
گر میکدے میں صید منائی تو کیا ہوا — ایسا ہی شیخ تیرا دوگانہ قضا ہوا

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا — تمام رات قیامت کا انتظار کیا
تجھے تو وعدۂ دیدار ہم سے کرنا تھا — یہ کیا کیا کہ جہاں کو امیدوار کیا
ہم ایسے محو نظارہ نہ تھے جو ہوش آتا — مگر تمہارے تغافل نے ہوشیار کیا
نہ پوچھ دل کی حقیقت مگر یہ کہتے ہیں — کہ بے قرار رہے جس نے بیقرار کیا

کچھ آگے داورِ محشر سے ہے امید مجھے / کچھ آپ نے مرے کہنے کا اعتبار کیا
فلک سے طورِ قیامت کے بن نہ پڑتے تھے / اخیر اب تجھے آشوبِ روزگار کیا
بنے گا مہرِ قیامت بھی ایک خالِ سیاہ / جو چہرہ داغِ سیہ رو نے آشکار کیا

چشمِ صنم نے یوں تو بگاڑے ہزار گھر / اک کعبہ چند روز کو آباد رہ گیا
محشر میں جائے شکوہ کیا شکر یار کا / جو بھولنا تھا مجھ کو وہی یاد رہ گیا

شوق نے آوارہ کیا تھا مجھے / خیر ہوئی میں ترے در پہ گرا
خوب اٹھا جو تری رہ میں اٹھا / خوب گرا جو ترے در پہ گرا
بزم سے گلدستے سب اٹھوا دیے / داغ کا نزلہ گلِ تر پہ گرا

ڈوب کر جی میں اس رنگ سے پیکاں نکلا / دل سے بے ساختہ نکلا کہ وہ ارماں نکلا

تری الفت کی چنگاری نے ظالم اک جہاں پھونکا / اِدھر چمکی، اُدھر سلگی، یہاں پھونکا، وہاں پھونکا
بجھے کب عندلیبِ سوختہ دل کی لگی تجھ سے / چراغِ گل کو کیا پھونکا جو اے بادِ خزاں پھونکا
کہاں صیاد، کیسا باغباں، کس پر گری بجلی / چمن میں آتشِ گل نے ہمارا آشیاں پھونکا
ہمارے دل کے ہوتے طورِ سینا کو جلانا تھا؟ / تری برقِ تجلی نے کسے پھونکا! کہاں پھونکا

رہے مشتاقِ جلوۂ دیدار / ہم نے مانا نظر نہیں آتا
ہمیں اے داغ کور باطن ہیں / ورنہ وہ کیا نظر نہیں آتا

شبِ فراق جو دستِ دعا بلند ہوا / صدائیں آئیں کہ بابِ قبول بند ہوا
یہ دل تو وہ ہے کہ میں اس سے دردمند ہوا / یہ کیا پسند کیا تم نے کیا پسند ہوا

مجھے تو شیوۂ آزادگی کمند ہوا — کہ دام قطع تعلق میں پائے بند ہوا
سپہر صرف مرے درپے گزند ہوا — غضب ہوا کہ زمانے کا کام بند ہوا
مزہ تو یہ ہے کہ آزاد ہو کے سیر کرے — خضر کو رشتۂ عمر ابد کمند ہوا
جواب روز جزا یہ ہے سن لو حضرت دل — کہ بے نیاز کو ناز بتاں پسند ہوا
فلک نے کینہ لیا، تو نے ظلم، میں نے وفا — ازل میں وہ ہی ملا جس کو جو پسند ہوا

سینے میں اب کہاں وہ جوش وہ بھی تھا اک اُبال سا — بیٹھ گیا کچھ اٹھتے ہی چھوڑ گیا خیال سا
عرض وفا پہ دیکھنا اس کی ادائے دل فریب — دل میں کچھ اعتبار سا، آنکھ میں کچھ ملال سا

امید کرم ہو کر، ہم مے سے کریں توبہ — دوزخ میں پڑے زاہد بے لطف ثواب اپنا

نہ کبھی جب خجالت سے یہاں سر نکلا — قیس دیوانہ تھا جو آپ سے باہر نکلا
ہم تو بے نام ونشاں آپ کی الفت میں ہوئے — آپ کا نام نکلنا تھا ستمگر نکلا

کن بیکسوں کا پردہ یہ چرخ کہن ہوا — جیتوں کا پیرہن نہ مروں کا کفن ہوا
اے عشق سن نہ لے کہیں فرہاد یہ صدا — تیشہ پکارتا ہے کہ میں کوہکن ہوا
وہ اور ہیں جو پیتے ہیں موسم کو دیکھ کر — آتی رہی بہار میں توبہ شکن ہوا

طور کیوں خاک ہوا نور ترا نار نہ تھا — ناز تھا حضرت موسیٰ سے وہ دیدار نہ تھا
دل ہوا خاک تو اکسیر کسی نے جانا — تھا یہ جب مال تو کوئی بھی خریدار نہ تھا
بات کیا چاہیے جب مفت کی حجت ٹھہری — اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہ گار نہ تھا
ایک ہی جلوہ دکھا کر مجھے دھوکے میں نہ ڈال — دل کہے بار ہی تھا میں یہ کہوں یار نہ تھا
دل کا سودا اور اس انداز سے اور ایسی جگہ — داغ وہ انجمن ناز تھی ، بازار نہ تھا

وہ رات کون سی گزری جو اضطراب نہ تھا
جب آنکھ دی تھی خدا نے مجھے تو خواب نہ تھا

یہ داغ رند کب آلودۂ شراب نہ تھا
خراب آج ہوا؟ آج تک خراب نہ تھا

نگاہ شوق پہ الزام بے قراری کا!
تمھاری برق تجلی کو اضطراب نہ تھا

مرے سوال کے معنی وہ مجھ سے کہہ دیتے
مگر سوال کا میرے کوئی جواب نہ تھا

وہ پہنچے غیر کے گھر جان کر شب وعدہ
ہمارے روز سیہ میں جو آفتاب نہ تھا

ملا ہمیں دل پر داغ کا نشاں اتنا
جلے کباب کی بو تھی مگر کباب نہ تھا

سنا کلام جو رندوں کا شیخ چکرایا
وہاں تو بات کا چھینٹا بھی بے شراب نہ تھا

ازل میں عشق کے بدلے ملا نہ کیوں دوزخ
اگر عذاب ہی دینا تھا، واں عذاب نہ تھا؟

اگرچہ بادہ کشی تھی گناہ اے زاہد
جو تجھ سے چھین کے پیتا تو کچھ عذاب نہ تھا

نہ پوچھیے مرے روز سیاہ کی ظلمت
چراغ لے کے بھی ڈھونڈا تو آفتاب نہ تھا

وہ جب چلے تو قیامت بپا تھی چار طرف
ٹھہر گئے تو زمانے کو انقلاب نہ تھا

کہا انھوں نے شب غم کا ماجرا سن کر
ترے مزاج کی شوخی تھی اضطراب نہ تھا

ہزار پردوں میں مشتاق دیکھ لیتے ہیں
اسے حجاب تھا موسیٰ کو تو حجاب نہ تھا

پیامبر تجھے لاکھوں سوال کرنے تھے
نہ تھا ہزار میں اک بات کا جواب نہ تھا

نہ پوچھ مجھ سے مرے جرم داور محشر
مرے گناہوں کا دنیا میں بھی حساب نہ تھا

بغیر داغ کے جنت تمھاری بزم رہی
ہزار شکر کہ وہ خانماں خراب نہ تھا

کیونکر اس کی نگہ ناز سے جینا ہوگا
زہر دے اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا

امتحاں کرکے ترا صاف پشیمان ہوئے
ہم نے جانا تھا رقیبوں سے بھی کینا ہوگا

کیوں رنج دیے دل کو، جو فریاد کا ڈر ہے
تھی آپ کی مرضی کہ یہ مضطر بھی نہ ہوتا؟

عاشق نہ اگر اپنی جبیں رکھتے تو کافر!
کعبہ تری دہلیز کا پتھر بھی نہ ہوتا

آتا جو یہاں روز جزا اے شب ہجراں
بڑھ کر تو کہاں تیرے برابر بھی نہ ہوتا

غارت گرِ ایماں تو ہے اے داغ یہ کافر
گر عشق نہ ہوتا کوئی کافر بھی نہ ہوتا

فرہاد کے مرجانے کا مذکور نہ کیجیے
کچھ آپ کی تلوار کا احساں نہ ہوا تھا
محشر میں بھی عشاق کا سر اٹھنے نہ دیتا
دنیا میں بھلے کو ترا احساں نہ ہوا تھا
بیخود جو ہوا میں تو غضب ٹوٹ پڑا ہے
آئینہ تمھیں دیکھ کے حیراں نہ ہوا تھا؟
دل داغ نے کیوں خاک کیا صبر ہی کرتا
اٹھنے نہ ہوا تھا کوئی خواہاں نہ ہوا تھا

بشر نے خاک پایا لعل پایا یا گہر پایا
مزاج اچھا اگر پایا تو سب کچھ اس نے بھر پایا

جب عمل ان کے تلیں گے تو کہیں گے میکش
آج کو رطل گراں سنگ ترازو نہ ہوا

آئینہ تصویر کا تیری نہ لے کر رکھ دیا
بوسہ لینے کے لیے کعبے میں پتھر رکھ دیا
ہم نے اُن کے سامنے اول تو خنجر رکھ دیا
پھر کلیجا رکھ دیا، دل رکھ دیا، سر رکھ دیا
منصفی ہو تو غضب نامنصفی ہو تو ستم
اس نے میرا فیصلہ موقوف مجھ پر رکھ دیا
کل چھڑا لیں گے یہ زاہد آج تو ساقی کے ہاتھ
رہن اک چلّو پہ ہم نے حوضِ کوثر رکھ دیا
آتشِ دوزخ پہ ہوگا آتشِ تر کا گماں
گر کسی میکش نے اپنا دامنِ تر رکھ دیا

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

جہاں میں کیا نہ ڈھونڈا کیا نہ پایا
مزاج ان کا دماغ اپنا نہ پایا
ملا مصرِ محبت میں جو ہم کو
زلیخا نے بھی وہ سودا نہ پایا

کوئی فتنہ تا قیامت نہ پھر آشکار ہوتا
ترے دل پہ کاش ظالم مجھے اختیار ہوتا

جو تمھاری طرح تم سے کوئی جھوٹا وعدہ کرتا تمھیں منصفی سے کہہ دو تمھیں اعتبار ہوتا!
غم عشق میں مزہ تھا جو اسے سمجھ کے کھاتے یہ وہ زہر ہے کہ آخر مئے خوشگوار ہوتا
نہ مزہ تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا
نہ مزہ ہے دشمنی میں نہ ہے لطف دوستی میں کوئی غیر غیر ہوتا، کوئی یار یار ہوتا
ترے وعدے پر ستمگر ابھی اور صبر کرتے اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا
یہ وہ درد دل نہیں ہے کہ ہو چارہ ساز کوئی اگر ایک بار مٹتا تو ہزار بار ہوتا
گئے ہوش تیرے زاہد جو وہ چشم مست دیکھی مجھے کیا الٹ نہ دیتی جو نہ بادہ خوار ہوتا
تمھیں ناز ہو نہ کیونکر کہ لیا ہے داغ کا دل یہ رقم نہ ہاتھ لگتی نہ یہ افتخار ہوتا

جلوہ دیکھا تری رعنائی کا کیا کلیجا ہے تماشائی کا
رہ گیا عرش سے آگے جاکر یہ ہے عالم میری تنہائی کا
یوں نہ ہو برق تجلی بیتاب مل گیا رنگ تماشائی کا
یاد آتا ہے وہ رسوا کرکے رنج کرنا میری رسوائی کا
آئی شوخی میں کہاں سے تمکیں پڑ گیا صبر تمنائی کا
اب تصور سے بھی گھبراتا ہوں کیا مزہ ہے مجھے تنہائی کا
منہ سے بولے تو کیا آئینہ کھیل کھیلے تو خود آرائی کا
ضعف نے دل کو تڑپنے نہ دیا ہوگیا نام شکیبائی کا
روز دیدار [illegible] خیر کرے معرکہ ہے تری زیبائی کا
ان کی شہرت بھی گھٹی جاتی ہے کیا ٹھکانا مری رسوائی کا
کیا تصور بھی آنے دے گی منہ تو دیکھو شب تنہائی کا
داغ کی قبر مٹا کر بولے یہ نشاں تھا اسی سودائی کا

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں — الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا
دیکھا ہے بت کدے میں جو اے شیخ کچھ نہ پوچھ — ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا
افشائے راز عشق میں گو ذلتیں ہوئیں — لیکن اسے جتا تو دیا جان تو گیا
ہوش و حواس تاب و تواں داغ جا چکے — اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

شکر کرتا ہوں کہ شکوہ نہیں لب پر آیا — دیکھ تو کون وہ اے داور محشر آیا
وصل میں ہائے وہ اترا کے مرا بول اٹھنا — اے فلک دیکھ تو یہ کون مرے گھر آیا
مجھ سے میکش کو کہاں صبر کہاں کی توبہ — لے لیا دوڑ کے جب سامنے ساغر آیا

میرے پہلو میں نہ پہروں دل ناشاد آیا — وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا
کوئی بھولا ہوا انداز ستم یاد آیا — کہ تبسم تجھے ظالم دم بیداد آیا
دی شب وصل موذن نے اذاں پچھلی رات — ہائے کم بخت کو کس وقت خدا یاد آیا
اس کے جلوے کو غرض کون و مکاں سے کیا تھی — داد لینے کے لیے حسن خدا داد آیا
لیجیے سنیے اب افسانۂ الفت مجھ سے — آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا

اس قدر ناز ہے کیوں آپ کو یکتائی کا — دوسرا نام ہے وہ بھی مری تنہائی کا
ہوگیا پرتو رخسار سے کچھ اور ہی رنگ — میں نے منہ چوم لیا اس کے تماشائی کا

چاہتا ہے کب مرنا کوئی سخت جاں اپنا — تجھ کو چاہیے قاتل ، اول امتحاں اپنا
جب یقین عشق آیا پھر وہ بت کہاں اپنا — آ گئے غضب میں ہم ہوے کے امتحاں اپنا
دل میں جس قدر ہے درد اس کو کیا یقین آئے — داغ بے نمود اپنا ، زخم بے نشاں اپنا
دوستی کے پردے میں کون دشمنی کرتا — اس کی مہربانی ہے جو ہے مہرباں اپنا
ہائے میرے قاتل کو مفت کی ہے بدنامی — کام کر گئی ہوتی مرگ ناگہاں اپنا

ہم ستم رسیدوں کو زندگی مصیبت ہے　　خضر پر دھرے احساں عمر جاوداں اپنا
دھوم صبح محشر کی داغ سنتے آئے ہیں　　پر نہیں کچھ اندیشہ خواب ہے گراں اپنا

راز دل کوئی کہے لاکھ میں کیونکر اپنا　　داورِ حشر جدا چاہیے محشر اپنا
توبہ کے بعد بھی خالی نہیں دیکھا جاتا　　دور رہتا ہے بھرا شیشۂ و ساغر اپنا
دھوم ہے کوچۂ قاتل میں قیامت آئی　　فیصلہ ہم بھی کیے لیتے ہیں چل کر اپنا
ہم کسی کام میں تقدیر کے قائل ہی نہ تھے　　کچھ نہ بن آئی تو کہتے ہیں مقدر اپنا
داغ اس کا مالم اس کا زخم ابھراں اس کا　　سینہ اپنا ، جگر اپنا ، دل مضطر اپنا
کم نہ تھی شوخیِ رفتار سے بیتابیِ شوق　　راہ میں پاؤں پڑا ان کے برابر اپنا

کچھ سعی سے اقبال میسر نہیں ہوتا　　ہر آئینہ گر داغ سکندر نہیں ہوتا
کیا کوئی زمانہ میں ستم گر نہیں ہوتا　　ہوتا ہے مگر تیرے برابر نہیں ہوتا
ہم شکوۂ بیداد کہیں بھول نہ جائیں　　دنیا میں بپا فتنۂ محشر نہیں ہوتا

رہروانِ معرفت کا واں سیا جاتا ہے منہ　　جادۂ راہ حقیقت تار سوزن بن گیا

کیا ہوسکے مقابلہ مژگان یار کا　　دل ایک ہاتھ کا ہے جگر ایک وار کا
رہتی تھی اس کی یاد وہ راتیں کدھر گئیں　　اب مجھ کو انتظار ہے اس انتظار کا
میں بدگمان اس سے زیادہ خدا کی شان　　ہے اعتبار اس کو مرے اعتبار کا
اٹھنا ہی تیری بزم سے دشوار تھا مجھے　　اس پہ سنبھالنا دل بے اختیار کا
اے چشم یار دیکھ تغافل سے باز آ　　دل ٹوٹ جائے گا کسی امیدوار کا
غش کھا کے داغ یار کے قدموں پہ گر پڑا　　بیہوش نے بھی کام کیا ہوشیار کا

یاں امتحانِ برقِ تجلی ضرور تھا — کیا میں نہ تھا اس آگ میں جلنے کو طور تھا
کیوں نا امیدِ عفو ہوں؟ کیا یہ سنے گا وہ؟ — اس کا نہ بخشنا تو ی رحمت سے دور تھا
ہم بوسہ لے کے ان سے عجب چال کر گئے — یوں بخشوا لیا کہ یہ پہلا قصور تھا
پاسِ ادب سے رہ گئی فریاد کچھ ادھر — میں کیا کہوں کہ عرشِ بریں کتنی دور تھا

ختم ہے شوخیِ الفاظ و تلاشِ مضموں — ہے تو یوں داغ سخنور ہے سخنور پورا

دل نے تری گلی سے نہ اٹھنے دیا مجھے — سو بار قصدِ دیر و حرم ہو کے رہ گیا
اے داغ ہم نہ دیکھ سکے روزِ حشر کچھ — سر خجلتِ گناہ سے خم ہو کے رہ گیا

اے شبِ ہجر ترا خلق پہ احساں ہوگا — حشر کے دن کو اگر تو نے نکلنے نہ دیا
ستم کیا تو مرے دل کی آرزو نے کیا — مجال ہے یہ کہوں تجھ سے جور تو نے کیا
رقیب اس کے بھی قابل نہیں خدا کی قسم — اگر ستم بھی کیا تو بھی لطف تو نے کیا

گریہ نے ایک دم میں بنادی وہ گھر کی شکل — میری نظر میں صاف بیاباں پھر گیا
لائے تھے کوئے یار سے ہم داغ کو ابھی — لو اس کی موت آئی یہ نادان پھر گیا

آسماں دوست ہوگیا تیرا — اب زمانہ بدل نہیں سکتا

یاد ہے کہنا وہ کس وقت ان کا — ہوش میں آؤ تمھیں کیا ہوگیا
سامنے میرے جو چراتے ہو آنکھ — آئینہ کیا آج نیا ہوگیا
سب مجھے دیوانہ بنانے لگے — لو وہ تمھارا ہی کہا ہوگیا

کیوں کہا یہ ، کسی سے کیا مطلب
اسی کہنے سے کھل گیا مطلب

نامہ بر کہتا ہے اب لاتا ہوں دلبر کا جواب
سن چکا میں چار دن آگے مقدر کا جواب

خلق کے اعمال نامے چھین لوں گا حشر میں
گم ہوا ہے ہاتھ سے قاصد کے دلبر کا جواب

لوگ کہتے ہیں بنا دہلی بگڑ کر لکھنو۔
پر کہاں اے داغ اس اجڑے ہوئے گھر کا جواب

ہم مٹ گئے تو پرسشِ نام و نشاں ہے اب
اس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب

میں کیا کروں بلا سے جو تو مہرباں ہے اب
وہ دل کہاں ہے اب وہ طبیعت کہاں ہے اب

کیا کیا ملائے خاک میں انسان چاند سے
سچ پوچھیے اگر تو زمیں آسماں ہے اب

ہم تھیں ساماں اٹھے ہنگامۂ محشر سے آپ
دیجیے دل کو دعائیں، بن گئے اس گھر سے آپ

ہے طرفہ تماشا سرِ بازارِ محبت
دل بیچتے پھرتے ہیں خریدارِ محبت

خسرو سے جو چاکر ہیں تو محمود سے بردے
اللہ رے اللہ رے سرکارِ محبت

واعظ کی زباں پر تو وہ کلمے ہیں کہ گویا
بخشے ہی نہ جائیں گے گنہ گارِ محبت

قیامت کے دن کیا نہ آئے گی رات
مری تیرہ بختی دکھائے گی رات

شبِ ہجر کا ساتھ دینا پڑا
بہت عمر میری بڑھائے گی رات

تو نہ کر نخوتِ شباب بہت
ہم نے دیکھے ہیں انقلاب بہت

شعلہ رو سیکڑوں نظر آئے
ہیں زمیں پر بھی آفتاب بہت

پیرِ میخانہ کے دعا گو ہیں
یہ سلامت رہے ، شراب بہت

ہجرِ بت اور صحبتِ واعظ
خلد میں بھی تو ہیں عذاب بہت

شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج
یہ برقِ بلا دیکھیے گرتی ہے کدھر آج

مانا ہے وہ غیرتِ خورشید و قمر آج
دن آج ہے، رات آج ہے، شام آج، سحر آج

زاہد کا عمامہ ہو کہ ہو شیخ کی دستار
ان دونوں پہ طرّہ ہے مرا دامنِ تر آج

کل تابِ فغاں تھی تو یہ تاثیر کہاں تھی
کیا کیا لبِ خاموش پہ قرباں ہے اثر آج

اندیشۂ فردا نہ رہے حضرتِ زاہد
میخانے میں پی لیجیے تھوڑی سی اگر آج

وعدے پہ مری ان کی قیامت کی ہے تکرار
اور بات ہے اتنی کہ اُدھر کل ہے اِدھر آج

یہ شوق ، یہ ارمان ، یہ حسرت ، یہ تمنا
کیا ہو مرے قابو میں تم آجاؤ اگر آج

برسوں سے لگ رہی تھی لبِ بام ٹکٹکی
تھک تھک کے گر پڑی نگہِ انتظار آج

فرقت کے رنج ، فاقہ کشی کے ملال کھینچ
اے داغ پر زمانے سے دستِ سوال کھینچ

نازک بہت ہے رشتۂ الفت نہ ٹوٹ جائے
اتنا نہ اپنے آپ کو اے مہ جمال کھینچ

پکارتی ہے خموشی ، مری فغاں کی طرح
نگاہیں کہتی ہیں سب رازِ دل زباں کی طرح

بگڑ گئی ہے یہاں بے طرح جہاں کی طرح
کہاں کی وضع، کہاں کی ادا، کہاں کی طرح

چھڑا دے قید سے اے قید ہم اسیروں کو
لگا دے آگ قفس میں بھی آشیاں کی طرح

جلا کے داغِ محبت نے دل کو خاک کیا
بہار آئی مرے باغ میں خزاں کی طرح

جوابِ خضر ہیں وہ مردہ دل کہ جن کو یہاں
ملی ہے مرگِ ابد عمرِ جاوداں کی طرح

سنے جو حضرتِ واعظ سے وصفِ جنت کے
تو صاف پھر گئی آنکھوں میں اس مکاں کی طرح

یہ سدِّ راہ ہوا کس کا پاسِ رسوائی
رکے ہوئے ہیں مرے اشک کارواں کی طرح

ادائے مطلبِ دل ہم سے سیکھ جائے کوئی
انہیں سنا ہی دیا حال داستاں کی طرح

ہم اپنے ضعف کے صدقے بٹھا دیا ایسا
ہلے نہ در سے ترے سنگِ آستاں کی طرح

خدا قبول کرے داغ تم جو سوئے عدم
چلے ہو عشقِ بتاں لے کے ارمغاں کی طرح

حسرت سے تک رہا ہوں جو تجھ کو سبب یہ ہے
خاک اڑتی دیکھتا ہوں میں اپنی وفا کے بعد

آرام کے لیے ہے تمھیں آرزوئے مرگ
اے داغ اور جو چین نہ آیا فنا کے بعد

دل میں ہے غم و رنج و الم حرص و ہوا بند
دنیا میں قفس کا ہمارے نہ کھلا بند

موقوف نہیں دام و قفس پر ہی اسیری
ہر غم میں گرفتار ہوں ہر فکر میں پابند

کہتے تھے ہم اے داغ وہ کوچہ ہے خطرناک
چھپ چھپ کے مگر آپ کا جانا نہ ہوا بند

چھپتی ہے کیا چھپائے سے اے خوب رو پسند
آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ آیا ہے تو پسند

ناکام جاوداں اس کی مجھے آرزو پسند
گم کردہ کارواں کی مجھے جستجو پسند

زاہد بڑی کریم ہے پیر مغاں کی ذات
واں سب عبادتیں ہیں وضو بے وضو پسند

پہلے اسی کو چشم خریدار مول لے
یارب دلوں کے ساتھ ہے چار سو پسند

آنسو گرا جو آنکھ سے تقدیر نے کہا
ملتے ہیں دیکھ خاک میں یوں آبرو پسند

ہوتی ہے جنس مہر و وفا چار سو پسند
آگے تری پسند کرے جس کو تو پسند

ممکن کہ تجھ سا دیکھ لے چشم فلک مگر
اس کا کہاں جواب جسے آئے تو پسند

اے شیخ جس کو جو نہ ملے گا بڑے کا شوق
جنت کو میں پسند جہنم کو تو پسند

رگ رگ سے دم نکال لیا ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر
درد فراق کی ہے مجھے جستجو پسند

محشر میں خلق اپنی مصیبت میں مبتلا
یاں یہ تلاش آئے کوئی خوبرو پسند

اے داغ ہچکچاتے ہو ذلت سے عشق کی
دنیا میں ہو تمھیں تو بڑے آبرو پسند

وہی تو ہے شعلۂ تجلی کہ دشت ایمن سے تنگ ہو کر
جب اس نے اپنی نمود چاہی نکلا حسینوں پہ رنگ ہو کر

مجھی ذرا چشم جنگ جو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

وہ چشم مست پھر اس پر وہ پنجۂ مژگاں — کہ جیسے ہاتھ کسی نازنیں کا ساغر پر
کہاں کرشمۂ برق جمال و طور کہاں — پڑی تھی آہ کسی دل جلے کی پتھر پر
نہیں ہے ہوش سے خالی ہماری بیہوشی — کہ بیخودی میں گرے بھی جو ہم تو ساغر پر
الجھ رہا ہے وہ دیوانہ داغ درباں سے — بپا ہے حشر کا ہنگامہ آپ کے در پر

شب ہجر آخر ہوئے پہ ہے اتنی — بنے خضر کی عمر یہ رات ڈھل کر
ہوئے ایک دیر و حرم کے مسافر — کچھ اس راہ چل کر اس راہ چل کر
رہ عشق کی ٹھوکریں ہم سے پوچھو — کہ سنبھلے ہیں گر کر گرے ہیں سنبھل کر

یاں دل میں خیال اور ہے واں مد نظر اور — ہے حال طبیعت کا اِدھر اور، اُدھر اور
ہر وقت ہے چتون تری اے شعبدہ گر اور — اک دم میں مزاج اور ہے اک پل میں نظر اور
جیتا نہ بچے ایک بھی، جاں بر نہ ہو کوئی — دو چار ستمگار ہوں تیرے سے اگر اور
ٹھہرا ہے وہاں مشورۂ قتل ہمارا — لو حضرت دل ایک سنو تازہ خبر اور
اور اور ہیں، آپ آپ ہیں، کیا آپ سے نسبت — ہوں لاکھ زمانے میں اگر رشک قمر اور
ہم جانتے ہیں خوب ترے طرز نگہ کو — ہے قہر کی آنکھ اور محبت کی نظر اور
اے داغ ہے عشق سے کیا زہر کو نسبت — ہے اس میں اثر اور وہ رکھتا ہے اثر اور

رکھیے اب بہر عیادت نہ قدم گن گن کر — لے رہا ہے یہ مریض آپ کا دم گن گن کر
یاد آتی ہے اگر اک نگہ لطف تری — بھول جاتا ہوں ترے لاکھ ستم گن گن کر
تھا ہمیں ہجر میں ایک ایک مہینا برسوں — دن گزارے ہیں ترے سر کی قسم گن گن کر

عجیب یہ تیرہ خاکداں ہے، نہ اس کی ہے روشنی جہاں ہے
فلک نے اختر بنا لیے ہیں چراغ ہستی بجھا بجھا کر

نہ ہر بشر کا جمال ایسا ، نہ ہر فرشتے کا حال ایسا
کچھ اور سے اور ہوگیا تو مری نظر میں سما سما کر

عمر کیوں کر نہ بسر کیجیے غافل ہوکر
کہ ملا ہے ہمیں اک قطرۂ بے دل ہوکر

زہے تلاش کہ سر گرم جستجو ہوکر
ملا ہوں رنگ میں رنگ اور بو میں بو ہوکر

بزم اغیار کا ظاہر ہے اثر آنکھوں پر
مہرباں آپ کی شفقت مرے سر آنکھوں پر

داغ کے دل کا تو کچھ بھید نہ پایا ہم نے
ایک حسرت سی برستی ہے مگر آنکھوں پر

دوستی کا ہو زمانے میں بھروسا کس پر
تو بھی مجھے چھوڑ چلا اے دل شیدا کس پر

امتحاں نالۂ دل کا تو دکھا دوں لیکن
یہ تو سمجھو کہ فلک ٹوٹ پڑے گا کس پر

دے دیا اس کے مریضوں کو خدا نے بھی جواب
آپ بھولے ہوئے بیٹھے ہیں مسیحا کس پر

سامنے غیر کے تم فتنہ مجھے کہتے ہو
چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

تنگ ہے دل وسعت دامانِ محشر دیکھ کر
اے جنوں ہم پاؤں پھیلاتے ہیں چادر دیکھ کر

روز جا کر اس کے کوچے سے پلٹ آتے ہیں ہم
دیدۂ حسرت سے پھیروں جانب در دیکھ کر

وہ خوشی بھی دید کے قابل ہے جب ہوتا ہے شاد
مضطرب کو مضطرب ، مضطر کو مضطر دیکھ کر

حضرتِ زاہد خدا کو آپ نے دیکھا نہیں
بندگی کرتے ہیں ہم اے بندہ پرور دیکھ کر

خوگرِ رنج و بلا ہوں مجھ کو کچھ پروا نہیں
تم کو ستانا گزر جائے گا محشر دیکھ کر

کیسے جلسے چھوڑ کر ہم آئے ہیں اے اہل حشر
دل بھرے گا سیر سے دوچار محشر دیکھ کر

کوسوں کی دوری یہ بھی ہے معشوق و عاشق میں اگر
لیلےٰ رہے محمل نشیں مجنوں رہے محمل کے پاس

رہبر نے راہِ عشق میں برسوں دیے چکر مجھے
ظالم سے جب پوچھا کہا اب آگئے منزل کے پاس

دریائے الفت میں طے کیا جانے آگے کیا بلا
بجلی جبینِ یار ہے جو موج ہے ساحل کے پاس

قربان جاؤں یاس کے یہ کیا ملی دنیا ملی   اک دولت جاوید ہے اک سلطنت ہے دل کے پاس
بحر محبت جوش پر میں کیا کروں لو مشق ہوں   دم ٹوٹ جاتا ہے مرا آتا ہوں جب ساحل کے پاس
دیکھے ہیں حسن و عشق کے ہم نے نرالے شعبدے   موسیٰ کی جو مٹھی میں تھا وہ داغ نکلا دل کے پاس

وہ سمجھے کیا فلک کینہ خواہ کی گردش   اٹھائی جس نے تمہاری نگاہ کی گردش

طریق عشق میں ہے راہ راہ کی گردش   کبھی کبھی کا سکوں گاہ گاہ کی گردش
اسی دوراہے میں اپنے تو پاؤں ٹوٹ گئے   کہ برسوں دیر سے تا خانقاہ کی گردش
کسی کو گردش کعبہ، کسی کو گردش دیر   ہمیں تو وہ ہی تری جلوہ گاہ کی گردش
اسے جو ڈھونڈیئے بیٹھے بٹھائے ملتا ہے   نہ یہ کہ خضر سے گم کردہ راہ کی گردش
وہ اور بھول کے یوں میرے گھر چلے آئیں   مگر نصیب سے لے آئی راہ کی گردش

وہی دوست ہیں وہی آشنا وہی آسماں ہے وہی زمیں   عجب اتفاق زمانہ ہے کہ بشر نہیں ہے بشر سے خوش
وہ گلی ہو اور نظارہ ہو، یہ نظر ہو اور اشارہ ہو   کبھی شاد جلوۂ بام سے، کبھی سیر روزن در سے خوش
مجھے تجھ سے شکوہ بجا ہے فلک، کبھی تو نے میری خوشی نہ کی   کوئی یہ بھی کام میں کام ہے جو کبھی ہو اہل ہنر سے خوش
یہ سنا جو حضرت داغ نے کہ حضور کعبے کو جائیں گے   یہی ذکر ہے یہی فکر ہے شب و روز عزم سفر سے خوش

آئے وہ بیوفا یہاں اس کی بلا کو کیا غرض   جائے در قبول تک میری دعا کو کیا غرض
موت کو اے دل حزیں اور بہانے ہیں بہت   آئے جو اس کے ہاتھ سے میری قضا کو کیا غرض
اس کی گلی سے آئے کیوں نکہت زلف لائے کیوں   مجھ کو صبا سے ہے امید مجھ سے صبا کو کیا غرض

میں اور حرف شکوہ غلط اے صنم غلط   واللہ جھوٹ ہے یہ خدا کی قسم غلط
دیکھے ہزار آئینہ و جام عمر بھر   افسانہ سکندر و احوال جم غلط

آتا ہے وہم لغزشِ مستانہ دیکھ کر — پڑتے ہیں نامہ بر کے ہزاروں قدم غلط
مصحف نہیں ہے نامۂ اعمال ہے مرا — یارب یہ ہے ہزار جگہ کم سے کم غلط
تجھ سے امید ہو تو خدا سے ہوں ناامید — کیا جانتے نہیں ترے وعدہ کو ہم غلط

قول و قسم کی شرم ملاقات کا لحاظ — انسان کو ضرور ہے ہر بات کا لحاظ
اے شیخ یادِ دوست میں ہوں مست رات دن — لازم ہے مجھ سے رہبِ خوش اوقات کا لحاظ
اے داغ میکدے میں گئے ہیں جناب شیخ — ٹوٹا ہے آج قبلۂ حاجات کا لحاظ

اس شوق کی نہیں بت قاتل کو اطلاع — افسوس ہے کہ دل کی نہ ہو دل کو اطلاع
ہے آدمی کو پردۂ غفلت سے زندگی — مر جائے گر ذرا بھی ہو غافل کو اطلاع
ہم تشنہ کام بزم سے اٹھ آئے لاکھ بار — اس کی نہیں ہے ساقی محفل کو اطلاع
مرتا ہے کون عشق میں کس نے کیا ہے وار — قاتل کو اطلاع نہ بسمل کو اطلاع

مرگِ عدو سے آپ کے دل میں چھپا نہ ہو — میرے جگر میں اب نہیں ملتا سراغِ داغ
تاریکیٔ لحد سے نہیں دل جلے کو خوف — روشن رہے گا تا بہ قیامت چراغِ داغ

کیسی حیا و شرم ! طبیعت ہے برخلاف — بولے ہزار بار وہ مجھ سے مگر خلاف
اس سے زیادہ اور معلم نہیں کوئی — ہے خوش نصیب جس سے زمانہ ہو برخلاف
اے داغ زندگی کی توقع ہو کس طرح — قسمت خراب، بخت مرض، چارہ گر خلاف

وہ دیکھتے ہیں بزم میں اغیار کی طرف — میں دیکھتا ہوں چرخِ ستم گار کی طرف

جاسکے جو نہ آپ کے در تک — جائے وہ داد خواہ محشر تک!
دل کا آئینہ خوب صاف کیا — اور ہم نے سنائے جوہر تک

تو رہے اور خرامِ ناز ترا   یہی فتنہ بہت ہے محشر تک
آتشِ توبہ سوز خاک لگی   آنچ آئی نہ دامنِ تر تک
کوئی کتا ہے داغ دل اے داغ   یہ جلے گا چراغ محشر تک

کھلے نہ جہاں میں ہو عیاں عیب و ہنر الگ الگ   دیکھتے ہیں بچشم غور اہل نظر الگ الگ
روح فزا کسی کو ہے روح گزا کسی کو ہے   بادۂ عشق نے کیا اپنا اثر الگ الگ
کس کا یقین کیجیے، کس کا یقین نہ کیجیے   لائے ہیں اس کی بزم سے یار خبر الگ الگ
اُن کو یہ وہم ہے کہیں ایک سے ایک مل نہ جائے   لوگ بہت ہیں بزم میں سب ہیں مگر الگ الگ
حشر کو اس نے چن لیے داغ گناہ گارِ عشق   تاڑ گئی ہزار میں اس کی نظر الگ الگ

مجھ سا نہ دے زمانے کو پروردگار دل   آشفتہ دل، فریفتہ دل، بیقرار دل
مشہور ہیں سکندر و جم کی نشانیاں   اے داغ چھوڑ جائیں گے ہم یادگار دل

ہوا زمانہ پیری عذاب میں داخل   جوان تھے تو جوانی تھی خواب میں داخل
پڑھی نماز جنازے کی میرے قاتل نے   گناہ کر کے ہوا ثواب میں داخل
اگر نہیں ہے و مینا و ساقی و معشوق   بہشت بھی ہے جہانِ خراب میں داخل
کے مجال جو دیکھے وہ حسنِ عالم سوز   وہاں ہے برق تجلی حجاب میں داخل
مقام اہلِ خرابات اور ہے زاہد   نہیں یہ لوگ جہاں خراب میں داخل
گئے تھے داغ تلاشِ صنم میں کعبے کو   خدا نے مفت کیا ہے ثواب میں داخل

جھک گئے ہیں آج اک ساغر سے ہم   ہاتھ دھو بیٹھے ہے کوثر سے ہم
جب رگِ جاں سے کمی کرتا ہے خوں   چھیڑ دیتے ہیں اسے نشتر سے ہم
قصدِ صحرا ہے دلِ ویراں کے ساتھ   اک بیاباں لے چلی ہیں گھر سے ہم

وہ ستمگر روبرو ہوگا تو داغ ... کیا کہیں گے داور محشر سے ہم

مانگی نہ ہوگی خضر نے یوں عمر جاوداں ... کیا اپنی موت مانگتے ہیں التجا سے ہم

تمھارے شعر میں گرمی ہے کس قیامت کی ... چلے ہوئے ہو مگر داغ التجا کے تم

بے کسی صدمہ ہجراں کی مجھے تاب نہیں ... کاش دشمن ہی چلے آئیں جو احباب نہیں
بخت بیدار نہ یہ دیدۂ درباں یارب ... چشم مشتاق کی تقدیر میں کیوں خواب نہیں

کیا کیا فریب دل کو دیے اضطراب میں ... ان کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں
کچھ شان مغفرت سے نہیں دور زاہدو ... ڈوبیں گناہ بادہ کشوں کے شراب میں
جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں اس سے ہمکلام ... کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں
دنیا کی باز پرس سے اب تک نہیں نجات ... الجھا ہوا ہوں حشر کے دن بھی حساب میں
اے داغ کوئی مجھ سا نہ ہوگا گناہ گار ... ہے معصیت سے میری جہنم عذاب میں

سوز و گداز عشق کا لذت چشیدہ ہوں ... مانند آبلہ ہمہ تن آب دیدہ ہوں
سرو سہی ہوں اور نہ شاخ خمیدہ ہوں ... تسلیم و راستی کے لیے آفریدہ ہوں
گر تو نہ ہو تو پھر کسی کافر کا دل لگے ... دوزخ میں آرمیدہ ارم سے رمیدہ ہوں
نازک مزاجیوں نے مجھے تجھ سا کر دیا ... اے بے خبر میں اپنے سے آپ ہی کشیدہ ہوں
اللہ رے کشاکش دیر و حرم کہ میں ... ظالم ہزار ہاتھ سے دامن دریدہ ہوں
افتادگی پہ بھی نہ گئی اس کی جستجو ... گویا زمیں پہ سایہ مرغ پریدہ ہوں
اے داغ جس کے واسطے روز جزا بنا ... وہ کون ہے؟ وہ میں ہی تو آفت رسیدہ ہوں

الٰہی کیا کریں ضبط محبت ہم تو مرتے ہیں   کہ نالے تیر بن بن کر کلیجے میں اترتے ہیں
جفا پر جان دیتے ہیں ستم پر تیرے مرتے ہیں   یہ ناکام محبت سچ تو یہ ہے کام کرتے ہیں
نہ پوچھو کچھ محبت درد مندان محبت کی   خدا پر خوب روشن ہے گزر جس طرح کرتے ہیں
زباں سے گر کیا بھی وعدہ تو نے تو یقیں کس کو   نگاہیں صاف کہتی ہیں کہ دیکھو یوں مکرتے ہیں
نہ پوچھو داغ ہم سے انتظار یار کی صورت   یہ آنکھیں جانتی ہیں خوب جو نقشے گزرتے ہیں

بھر دیں عجب ادائیں اس شوخ سیم تن میں،   اک نیزہ سادگی میں اک سیدھا بانکپن میں
خط کو کمر سے باندھا، آخر تو بوجھ اٹھایا   میری زباں بھی رکھ لے اے نامہ بر دہن میں

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں   ناز والے نیاز کیا جانیں
کب کسی در کی جبہ سائی کی   شیخ صاحب نماز کیا جانیں
جو رہ عشق میں قدم رکھیں   وہ نشیب و فراز کیا جانیں
یہ پوچھیے مکھوں سے لطف شراب   یہ مزہ پاک باز کیا جانیں
حضرت خضر جب شہید نہ ہوں   لطف عمر دراز کیا جانیں
جو گزرتے ہیں داغ پر صدمے   آپ بندہ نواز کیا جانیں

مانا کہ لطف عشق میں ہے ہم مگر کہاں   کیا سوجھتا نہیں کہ پڑی ہے نظر کہاں
زاہد مری شراب کے چسکے ہی اور ہیں   توبہ بادۂ طہور میں ایسا اثر کہاں
تھم تھم کے وار کر کہ مرا درد مٹ نہ جائے   جب میں نہیں تو لذت زخم جگر کہاں
بھولا ہوں راہ فرط محبت میں دیکھیے   ہوتی ہے آج شام غریبی سحر کہاں
مے خانے کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ   ہر ایک پوچھتا ہے کہ حضرت ادھر کہاں

دل میں گھر یار کے پیکان کیے بیٹھے ہیں   مجھ پہ قبضہ مرے مہمان کیے بیٹھے ہیں

اس طرح بیٹھے ہیں سر کاٹ کے میرا سرِ بزم — مجھ پہ گویا کہ وہ احسان کیے بیٹھے ہیں

زاہد نہ کہہ برا یہ مستانے آدمی ہیں — تجھ کو لپٹ پڑیں گے دیوانے آدمی ہیں
ناصح سے کوئی کہہ دے کیجیے کلام ایسا — حضرت کو تا کہ کوئی یہ جانے آدمی ہیں

میکشو مژدہ کہ گھنگھور گھٹائیں آئیں — تم پہ رحمت ہوئی توبہ پہ بلائیں آئیں
جب ہوئی خاک مری جمع ترے کوچے میں — شرط باندھے ہوئے اڑاڑ کے ہوائیں آگئیں
ناز ہے ان کو کرم پر کہ نہیں جس کا حساب — کس خطا وار کی گنتی میں خطائیں آئیں

اس کا کوچہ ہے کہ ہے عرصۂ محشر یارب — سیکڑوں طالب دیدار چلے جاتے ہیں
اس طرح جاتے ہیں اس بزم میں دل کے ہاتھوں — کہ بندھے جیسے گنہ گار چلے جاتے ہیں

شوخی نے تیری کام کیا اک نگاہ میں — صوفی ہے بت کدے میں صنم خانقاہ میں
آنکھیں بچھائیں ہم تو عدو کی بھی راہ میں — پر کیا کریں کہ تو ہے ہماری نگاہ میں
بڑھتا ہوں آگے پوچھ کر اس سے مقام عشق — جو فتنہ مجھ غریب کو ملتا ہے راہ میں
دل میں سماگئی ہیں قیامت کی شوخیاں — دو چار دن رہا تھا تمھاری نگاہ میں
راتیں مصیبتوں کی جو گزری تھیں آج تک — ماتم کو آئی ہیں مرے روزِ سیاہ میں
اس توبہ پر ہے ناز تجھے زاہد اس قدر — جو ٹوٹ کر شریک ہو میرے گناہ میں
آتی ہے بات بات مجھے یاد بار بار — کہتا ہوں دوڑ کے قاصد سے راہ میں
تاثیرِ بخ کے سنگِ حوادث سے آئے کیا — میری دعا بھی ٹھوکریں کھاتی ہے راہ میں
کیا نظارہ کس کا اشارہ کہاں کی بات — سب کچھ ہے اور کچھ نہیں نیچی نگاہ میں
جو کینہ آج ہے ترے دل میں ستم شعار — جائے گا کل یہی تو دلِ داد خواہ میں

مشتاق اس صدا کے بہت دردمند تھے — اے داغ تم تو بیٹھ گئے ایک آہ میں

باغ میں گل کھلے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں — انگلیاں سرو اٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
جیتے جی کون عیادت کے اٹھائے احساں — اس لیے جان سے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
کون آتا ہے برے وقت کسی پاس اے داغ — لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

جوش سے گریہ کے آنکھیں ابر نیساں ہوگئیں — اب مری بیتابیاں مشہور دوراں ہوگئیں
شکوے غیروں کے اگر بیجا ہیں بیجا ہی سہی — اب تو یہ گستاخیاں مجھ سے مری جاں ہوگئیں
داغ اب یوسف کہاں لیلیٰ کہاں شیریں کہاں — جو حسیں شکلیں تھیں زیر خاک پنہاں ہوگئیں

ہیں تری راہ محبت میں ہزاروں فتنے — دیکھ مجھ کو بجز اس راہ کے چلتا ہی نہیں
خضر بھی تو اسی گرداب سے چکراتے ہیں — ڈوب کر بحر محبت میں اچھلتا ہی نہیں

حضرت دل آپ ہیں جس دھیان میں — مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں
دل کی قیمت اک نگہ ہے اے صنم — آ گئے جو آئے ترے ایمان میں
جس نے دل کھویا اسی کو کچھ ملا — فائدہ دیکھا اسی نقصان میں
کس نے ملنے کا کیا وعدہ کہ داغ — آج ہو تم اور ہی سامان میں

دل کو ہو لاگ تو ہو کچھ کسی صورت کا لگاؤ — لطف کیسا کہ وہ اب جور بھی کم کرتے ہیں
آپ کو دوست کے مرنے کی خوشی، یاں یہ حال — کوئی دشمن بھی جو مرتا ہے تو غم کرتے ہیں
ہائے اس کشتہ کی تربت کا مقدر جس کو — سجدے مٹ مٹ کے ترے نقش قدم کرتے ہیں

دل ہی تو ہے منائے کیوں دم ہی تو ہے نبھائے کیوں — ہم کو خدا جو صبر دے تجھ سا حسیں بنائے کیوں

تیری تلافیِ جفا جب نہ ہوتا بروزِ حشر
عاشقِ نامرادِ عشق اپنے کیے کو پائے کیوں

کو نہیں بندگی قبول، پر ترا آستاں تو ہے
کعبہ و دیر میں ہے کیا خاک کوئی اڑائے کیوں

لاگ ہو یا لگاؤ ہو کچھ بھی نہ ہو تو کچھ نہیں
بن کے فرشتہ آدمی بزمِ جہاں میں آئے کیوں

جرأتِ شوق پھر کہاں وقت ہی جب نکل گیا
اب تو ہیں یہ عداوتیں صبر کیا تھا ہائے کیوں

رونے پہ میرے سو ہنسیں، رنج پہ میرے شاد ہوں
چھیڑ میں کچھ تو ہے مزہ ورنہ کوئی ستائے کیوں

عشق و جنوں سے مجھ کو لاگ، ہوش و خرد سے اتفاق
پر یہ کہوں تو کیا کہوں، میں نے ستم اٹھائے کیوں

ہاں نہیں غیرتِ رقیب، خیر میں بے حیا سہی
جو نہ دوبارہ آسکے بزم سے تیری جائے کیوں

فکر میں ہم تو رہ گئے اور وہ آج کہہ گئے
عیب نہیں تو رازِ دل، ہم سے کوئی چھپائے کیوں

پہلۂ عشق ہو چکا، داغ بھی قرار تھا؟
صبر پہ آہ آہ کیا، ضبط پہ ہائے ہائے کیوں

کیا کہا پھر تو کہو، دل کی خبر کچھ بھی نہیں
کیوں یہ کیا ہے خمِ گیسو میں اگر کچھ بھی نہیں

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تم کو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں

دل ہے سینے میں نہاں، دل میں نہاں کیا کیا کچھ
چھوڑنے کی تری دزدیدہ نظر کچھ بھی نہیں

وہم ہے حشر کی سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے
فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں

کعبے جانا بھی تو بت خانہ سے ہو کر زاہد
دور اس راہ سے اللہ کا گھر کچھ بھی نہیں

اک جفا تیری جو کچھ بھی نہیں تو سب کچھ ہے
اک وفا میری کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

کچھ ہے یاں خاک تو اک جنبشِ دامن کے لیے
تیری موجوں کے لیے بادِ سحر کچھ بھی نہیں

لختِ دل کون سے دن بخیۂ مژگاں میں نہیں
میں نے وہ پھول چنے ہیں جو گلستاں میں نہیں

تیرے اقرار میں انکار، تری 'ہاں' میں 'نہیں'
عہد میں عہد، یہ پیماں کسی پیماں میں نہیں

ہم ندامت سے یہ کہتے تھے کہ مر جائیں گے؟
تم نے برسوں سے یہ سنتے تھے کچھ انساں میں نہیں

پہلے تھی دل میں کھٹک اب تو ہے رگ رگ میں کسک
چین اے درد تجھے بھی شبِ ہجراں میں نہیں

جلوۂ ہوش ربا دیکھ لیا اے موسیٰ
یا تحیر میں وہ لذت ہے جو عرفاں میں نہیں

ہو جو تاثیر تو ہیرے کی کنی ہے قاتل
کیا کروں اشک مرا تیرے نمک داں میں نہیں
داغ ہم تربت مجنوں پہ چڑھاتے چادر
پر یہاں تار کفن کو بھی گریباں میں نہیں

جوانی کو ترسا کریں خضر آپ
پھریں گے قیامت کو حسرت کے دن
یہ ہے داغ کی عرض یا مصطفیٰ
نہ محروم ہوں میں شفاعت کے دن

دستۂ گلچیں سے چھٹا آیا کف صیاد میں
میں گل بازی ہوں اس گلشن ایجاد میں
کون سی خوبی نہیں تیرے قد آزاد میں
شاخ ہے کیا سرو میں، طرہ ہے کیا شمشاد میں
حشر میں ان کا مرا اس دھوم سے ہوگا ملاپ
اہل محشر کو کہے گا دن مبارکباد میں
ناتوانی ، ناتمامی ، ناامیدی ، نارسی
ہم نے بھر رکھا ہے کیا کیا دامن فریاد میں
عشق کے کوچے نے ہم کو وہ دکھایا ہے بہشت
حضرت آدم نے جو دیکھا نہ اپنی یاد میں
میرے دل سے داغ پوچھے کوئی دہلی کے مزے
لطف تھا دونوں جہاں کا اک جہاں آباد میں

ان سے کہہ دی ہے آرزو دل کی
اب مری بات کا جواب کہاں

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں
جس دن سے کچھ شریک ہوئی میری مشت خاک
اس روز سے زمیں پہ ستم آسماں کے ہیں

کھویا گیا ہوں دے کے پتہ نامہ بر کو میں
اپنی خبر کو جاؤں الٰہی کدھر کو میں
خاموش اب تو شکوۂ ہمسایہ نے کیا
پھر تو ہے آہ نیم شبی اور سحر کو میں
تم تو وہ پارسا ہو کہ در تک کبھی نہ آؤ
آتا تھا منہ چھپائے کہیں سے سحر کو میں
دل دے کے ان کو اور بھی امید بڑھ گئی
جاتا تھا یہ کہ چھوٹ گیا عمر بھر کو میں

دل لگی ان کی دل لگی ہی نہیں
رنج بھی ہے فقط ہنسی ہی نہیں

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

اڑ گئی یوں وفا زمانے سے
کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں

جان کیا دوں کہ جانتا ہوں میں
تم نے یہ چیز لے کے دی ہی نہیں

ہم تو دشمن کو دوست کر لیتے
پر کریں کیا تری خوشی ہی نہیں

ہم تری آرزو پہ جیتے ہیں
یہ نہیں ہے تو زندگی ہی نہیں

دل لگی دل لگی نہیں ناصح
تیرے دل کو ابھی لگی ہی نہیں

داغ کیوں تم کو بے وفا کہتا
وہ شکایت کا آدمی ہی نہیں

خدا کا خوف نہیں پر بتوں سے ڈرتا ہوں
گناہ گار نہ یہ بے گناہ دیکھتے ہیں

غرض نہیں ہے انہیں طور کی تجلی سے
جو خوش نصیب تری جلوہ گاہ دیکھتے ہیں

کیوں قسم کھاتے ہو ہم جور سے باز آتے ہیں
ان فریبوں میں کہیں واقف راز آتے ہیں

یوں تو آفت ہے ہر انداز پری زادوں کا
وہ قیامت ہیں جنھیں راز و نیاز آتے ہیں

کچھ نہ پوچھو جو صدا آتی ہے میخانے سے
کبھی مسجد سے جو ہم پڑھ کے نماز آتے ہیں

ساتھ نواب کے حج کر کے پھرے ہم اے داغ
ہند میں دھوم ہے مہمان حجاز آتے ہیں

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں
اگر نہ آگ لگا دوں تو داغ نام نہیں

دباؤ کیا ہے سنے وہ جو آپ کی باتیں
رئیس زادہ ہے داغ آپ کا غلام نہیں

مزہ جو چاہیے ان کے ستم میں خاک نہیں
جب آئے خاک اڑانے کہ ہم میں خاک نہیں

مرے غبار کی اٹکھیلیاں تماشا ہیں
ابھی فلک ہے ابھی ایک دم میں خاک نہیں

چلا ہے کعبہ کو تو خاک چھاننے زاہد
فقط خدا ہی خدا ہے حرم میں خاک نہیں

ہمیں تھے وہ جو کبھی تھے خزانۂ عرفاں   ہمیں ہیں اب کہ جو ڈھونڈو تو ہم میں خاک نہیں

پھرا ہوا جو کسی کی نظر کو دیکھتے ہیں   لگا کے تیز ہم اپنے جگر کو دیکھتے ہیں

خیال بعد فنا بھی ہے دوست دشمن کا   ہم آنکھ بند کیے ہر بشر کو دیکھتے ہیں

الٰہی آج ہی پورا ہو وعدۂ دیدار   نہیں تو اور کسی جلوہ گر کو دیکھتے ہیں

مقام رشک ہوا عرصۂ قیامت بھی   تجھی کو دیکھتا ہے جس بشر کو دیکھتے ہیں

بتوں کے واسطے دنیا نہیں ہے جنت ہے   بہشت دیکھتے ہیں جس کے گھر کو دیکھتے ہیں

خدا کرے سر محشر وہ بت ہو بے پردہ   کہ ہم بھی دیکھتے ہیں سب کدھر کو دیکھتے ہیں

فغاں میں، آہ میں، فریاد میں، شیون میں، نالے میں   سناؤں درد دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

خبر سن کر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے   خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

قیامت کی خلش، آفت کی کاوش، قہر کی سوزش   مرے دل میں تری حسرت ہے یا کانٹا ہے چھالے میں

تمھارا اٹھ کے آنا اور مریض غم کا مرجانا!   مری جاں فرق ہوتا ہے سنبھلنے میں سنبھالے میں

ملے مجھ سے تو فرمایا تمھیں کو داغ کہتے ہیں   تمھیں ہو ماہ کامل میں، تمھیں رہتے ہو ہالے میں

کسی کی نرگس مخمور کچھ کہہ دے اشاروں میں   مزہ ہے رات دن چلتی رہے پرہیزگاروں میں

وہ شرمائی ہوئی آنکھیں، وہ گھبرائی ہوئی باتیں   نکل کر گھر سے وہ گھرنا ترا امیدواروں میں

اجل کا نام لیں! تقدیر کو روئیں، مجھے کوسیں   مرے قاتل کا چرچا کیوں ہے میرے سوگواروں میں

کوئی جنت کا خواہاں ہے، کوئی کوثر کا طالب ہے   اڑا کرتی ہے بے پر کی ہمیشہ بادہ خواروں میں

خفا ہوتے ہو کیوں عہد وفا کے ذکر پر سچ ہے   نہ تم وعدہ خلافوں میں نہ ہم بے اعتباروں میں

غضب ہے اور بھی اس سادگی پر مر گئے لاکھوں   کہا تھا کس نے بن بیٹھیں وہ میرے سوگواروں میں

جلانا داغ کا اچھا نہیں، یہ دم غنیمت ہے   کہ ایسا باوفا اک آدھ نکلے گا ہزاروں میں

کسی کا دل تو کیا شیشہ نہ ٹوٹا بادہ خواروں میں
یہ توبہ ٹوٹ کر کیوں جا ملی پرہیز گاروں میں

دکھا دیں گے صفِ محشر میں ہم کتنے نکلتے ہیں
جو پوچھا اس نے، کوئی ہے مرے امیدواروں میں

خوشی مرگِ عدو کی لاکھ غم سے ہوگئی بدتر
مری آنکھوں نے دیکھا ہے کسی کو سوگواروں میں

انہیں لوگوں کے آنے سے تو میخانہ کی عظمت ہے
قدم لو شیخ کے تشریف لائے بادہ خواروں میں

تری برقِ تجلی گر ٹھہر جاتی تو کیا ہوتا
کہ ان بے تابیوں پر لوٹ ہے امیدواروں میں

وہ ہے افسردہ دل عالم بجا ہے یہ اگر کہیے
کہ مردے ہیں زمیں پر اور زندے ہیں مزاروں میں

پڑا رویا کرے وہ داغ بیکس اس طرح تنہا
کہ جس کی رات دن ہنس بول کر گزری ہو یاروں میں

تجلی دیکھتے ہی حضرت موسیٰ کو غش آیا
نہ نکلی بات بھی منہ سے، یہ ہشیاروں کی باتیں ہیں

نہ کر عشق و جنوں میں گفتگو اے داغ ناداں
ترا منہ ہے کہ تو بولے! یہ سرکاروں کی باتیں ہیں

دیر سے کعبے کو ڈرتے ہوئے ہم جاتے ہیں
دیکھ لیتا ہے جو کوئی وہیں تھم جاتے ہیں

خوفِ عصیاں ہے کہ مردوں نے کفن پہنا ہے
بھیس بدلے طرفِ ملکِ عدم جاتے ہیں

حضرت داغ یہ ہے کوچۂ قاتل اٹھیے
جس جگہ بیٹھتے ہیں آپ تو جم جاتے ہیں

تیری صنعت کو دیکھتا ہوں میں
اس کی قدرت کو دیکھتا ہوں میں

جب ہوئی صبح آ گئے ناصح
انہیں حضرت کو دیکھتا ہوں میں

وہ مصیبت سنی نہیں جاتی
جس مصیبت کو دیکھتا ہوں میں

دیکھنے آئے ہیں جو میری نبض
ان کی صورت کو دیکھتا ہوں میں

موت مجھ کو دکھائی دیتی ہے
جب طبیعت کو دیکھتا ہوں میں

شبِ فرقت اٹھا اٹھا کر سر
صبحِ عشرت کو دیکھتا ہوں میں

دور بیٹھا ہوا سرِ محفل
رنگِ صحبت کو دیکھتا ہوں میں

ہر مصیبت ہے بے مزہ شبِ غم
آفت آفت کو دیکھتا ہوں میں

نہ محبت کو جانتے ہو تم — نہ مروت کو دیکھتا ہوں میں
کوئی دشمن کو یوں نہ دیکھے گا — جیسے قسمت کو دیکھتا ہوں میں
حشر میں داغ کوئی دوست نہیں — ساری خلقت کو دیکھتا ہوں میں

دنیا میں وضع دار حسیں اور بھی تو ہیں — معشوق اک تمھیں تو نہیں اور بھی تو ہیں
تیرے ہی در پہ حشر کا ہنگامہ ہے بپا — اس شہر میں مکان و مکیں اور بھی تو ہیں
اے آہ اک فلک کو جلایا تو کیا ہوا — ایسے ہزار برسرکیں اور بھی تو ہیں
کیا فرض ہے ملے تو یہ زاہد ہی کو ملے — خواہاں حور خلد بریں اور بھی تو ہیں
یہ رنج یہ الم ہو تو کیونکر ہو زندگی — عاشق جہاں میں داغ حزیں اور بھی تو ہیں

کیا کہوں اللہ قدرت دے تو کیا پیدا کروں — پیشتر سب سے ترے دل میں وفا پیدا کروں
آفرینش سے مری کچھ اور تو مطلب نہ تھا — مدعا یہ تھا کہ پیدا کر کے ناپیدا کروں
یہ بتا دیتے ہیں دشمن کو بھی اکثر راہ دوست — خضر مر جائیں تو کوئی رہنما پیدا کروں
روز اک دل میرے سینے میں خدا پیدا کرے — اور میں ارمان اس دل میں نیا پیدا کروں
غیر کو میرے جلانے کے لیے پیدا کیا — واں تو یہ تھا آدمی ہر کام کا پیدا کروں
ہائے کیوں آیا نہ صورت آفریں کو یہ خیال — آئیں گے کس کام یہ بت ان کو کیا پیدا کروں
دل کو ہے اے داغ عمر جاوداں کی آرزو — میں کہاں سے چشمۂ آب بقا پیدا کروں
اسے لائیں، مجھے لے جائیں، یا پیغام پہنچائیں — یہ کیا کرتے ہیں سب بیٹھے ہوئے غم خوار پہلو میں
یہ نقشہ ہو گیا ہے داغ اب تو ان کی محفل کا — کہ ہر دم آئینہ ہے سامنے اغیار پہلو میں

کیوں نا امید ہوں؟ وہ خدا ہے بشر نہیں — فردوس واعظو کوئی قاروں کا گھر نہیں
وہ مست ناز ہو کہ کسی کو خبر نہیں — اپنے بھی حال پر تمھیں اب تو نظر نہیں
کیونکر یقین ہو کہ کیا وعدہ غیر سے — ہم نے سنی ہے منہ سے ترے عمر بھر "نہیں"

بیشک مجھے ہے عشق ترا پر خدا گواہ
جتنا ترے گمان میں ہے اس قدر نہیں
اے داغ کب چھپائے سے چھپتا ہے آفتاب
شہرہ کہاں نہیں ہے تمہارا کدھر نہیں

رہے گر یہ بت ہوں یوں اسلام میں
دخل ہے کس کو خدا کے کام میں
کوئے جاناں کی زمیں ہے فتنہ خیز
آسماں ہے مفت کے الزام میں

فلک دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں
بظاہر رہنما ہیں اور دل میں بدگمانی ہے
ترے کوچے میں جو جاتا ہے آگے ہم بھی ہوتے ہیں
بچاؤں پیرہن کیا چارہ گر میں دست وحشت سے
کہیں ایسے گریباں دامن مریم بھی ہوتے ہیں
کسی کو وعدۂ دیدار تو اے داغ برحق ہے
مگر یہ دیکھیے دل شاد اس دن ہم بھی ہوتے ہیں

روح کو چین ، ہجوم غم دلبر میں نہیں
صاحب خانہ کو آرام بھرے گھر میں نہیں
کس سے وعدہ ہے جو گھبرائے ہوئے پھرتے ہو
یہ وہ گردش ہے جو میرے بھی مقدر میں نہیں
میں نے کیا جانئے کیوں سجدہ کیا اس بت کو
جانتا ہوں کہ خدا اور ہے پتھر میں نہیں
غیر کے عیش سے جلتا ہے عبث تو اے داغ
اس کی تقدیر میں ہے تیرے مقدر میں نہیں

حشر میں اینڈتے ہوئے یارب
کس کے تقصیر وار پھرتے ہیں
داغ کا ذکر سن کے وہ بولے
ایسے اسی ہزار پھرتے ہیں

کر نہ لے اپنا ٹھکانا دشمن
دوست نادان ہیں دانا دشمن
تم سمجھتے ہو اسے یار قدیم
دل ہے اے داغ پرانا دشمن

مزے عشق کے کچھ وہی جانتے ہیں
کہ جو موت کو زندگی جانتے ہیں

شب وصل لیں ان کی اتنی بلائیں — کہ ہم [illegible] ہی جانتے ہیں
جو ہے میرے دل میں انہیں کی خبر ہے — جو ہم [illegible] بھی جانتے ہیں
کہاں قدر ہم جنس ، ہم جنس کو ہے — فرشتوں کو [illegible] آدمی جانتے ہیں
کہوں حال دل تو کہیں اس سے حاصل — سبھی کو خبر ہے سبھی جانتے ہیں
نہیں جانتے اس کا انجام کیا ہے — وہ مرنا مرا دل لگی جانتے ہیں
سمجھتا ہے تو داغ کو رند زاہد — مگر رند اس کو ولی جانتے ہیں

چاک ہو پردۂ وحشت مجھے منظور نہیں — ورنہ یہ ہاتھ گریباں سے کچھ دور نہیں
وصل سے یاس ہو ایسا دل رنجور نہیں — بت اگر دور ہے مجھ سے تو خدا دور نہیں
چھین لیں دل کو اگر وہ تو یہ مجبوری ہے — میں کہے جاؤں گا محتاج ہوں مقدور نہیں
سجدہ کرنے سے مٹا خط جبیں اے زاہد — ہم لکھے دیتے ہیں قسمت میں تری حور نہیں
محتسب مانع علت ہے گمان مے سے — سونگھنے کو بھی میسر مجھے انگور نہیں
لب تک آئی تھی شکایت کہ محبت نے کہا — دیکھ پچتائے گا خاموش یہ دستور نہیں
رات دن نامۂ و پیغام کہاں تک ہوں گے — صاف کہہ دیجیے ملنا ہمیں منظور نہیں
کیا کرے داغ کوئی اس کی محبت کا علاج — وہ کلیجا ہی نہیں جس میں یہ ناسور نہیں

خدا کرے کہ مزہ انتظار کا نہ مٹے — مرے سوال کا وہ دیں جواب برسوں میں

یہ فتنہ آتش الفت کا پہنچے گا نہ محشر میں — لگی ہے آپ کے گھر سے بجھے گی آپ کے گھر میں
چلو کعبے ملے گی دولت وصل صنم تم کو — کمی کس چیز کی اے داغ ہے اللہ کے گھر میں

کوئی اب تجھ سے آرزو ہی نہیں — اب جو دیکھا تجھے وہ تو ہی نہیں
ہے وہ صورت پرست بھی دیکھو — فقط آئینہ عیب جو ہی نہیں

سادہ لوحی تو عشق میں دیکھو　　جانتا ہوں کوئی عدو ہی نہیں

سچ ہے تیری ہے آرزو مجھ کو　　کہیں جینے دے یوں ہی تو مجھ کو
کل تک اس کی تلاش تھی لیکن　　آج ہے اپنی جستجو مجھ کو
پہلے وہ تھا کہ تم نہ تھے آگاہ　　اب وہ ہوں سن لو گوبگو مجھ کو

پوشیدہ جب ہو راز کہ منہ میں زباں نہ ہو　　ہم بات بھی کریں تو بغیر از فغاں نہ ہو
زاہد عذاب عشق صنم لطف حق سمجھ　　یعنی ہمیں عذاب یہاں ہو وہاں نہ ہو
لے جائیں مجھ کو آہ مری بدگمانیاں　　ظالم وہاں کہ تیرا پتا بھی جہاں نہ ہو

یہ سن سن کے مرنا پڑا ہر کسی کو　　نہیں مرتے دیکھا کسی پر کسی کو
خدا دے تو دے اپنا غم ہر کسی کو　　کرے پر نہ مائل کسی پر، کسی کو
نہ جاؤں گا تنہا بہشت بریں میں　　کہ لے جاؤں گا دل کے اندر کسی کو
یہ بجلی نہیں جس کی اک سیر کرلی　　تڑپ جاؤ دیکھو جو مضطر کسی کو
نہ کر ناصحا ایسی دیوانی باتیں　　یہ کیا کھینچ مارا جو پتھر کسی کو
بہت چھیڑ کر ہم کو پچھتائیے گا　　ستاتے نہیں بندہ پرور کسی کو
یہ کہتی ہے اے داغ چتون تمہاری　　کہ تم جانتے ہو مقرر کسی کو

خاک کرتا ہے تغافل گرچہ ساری آرزو　　اس پہ تجھ سے آرزو ہے ل لے ہماری آرزو

اچھی کہی اچھا نہیں کچھ دل کا لگانا　　یہ لگ گئی اے ناصح ناداں مرے دل کو
کچھ دور نہیں بت کدہ و کعبہ سمجھ لیں　　کافر تری آنکھوں کو مسلماں مرے دل کو

جو ہر دکھاؤں صاحب جوہر کے روبرو
ہے آئینہ کی قدر سکندر کے روبرو

اس بت میں اک خدائی کا جلوہ ہے ورنہ شیخ
سجدہ کیے سے فائدہ پتھر کے روبرو

طریق عشق میں اے دل ہیں پیچ وخم سو سو
غلط پڑے ہیں یہاں خضر کے قدم سو سو

بہار خلد سے آباد تھا جہان آباد
ہر ایک کوچے میں تھے گلشن ارم سو سو

ہم تو مرتے ہیں ادا پر دلستاں ہو کوئی ہو
دوست دشمن مہرباں نا مہرباں ہو کوئی ہو

خیر اچھا، میں بڑا، سچے ہو تم جھوٹے نہیں
آدمی کا آدمی راحت رساں ہو کوئی ہو

میرے قصے میں برائی کیا ہے سن تو لیجیے
خواب راحت سے غرض ہے داستاں ہو کوئی ہو

اے فلک یہ کیا؟ ابھی کچھ تھا ابھی کچھ ہو گیا
غم ہو یا شادی ہو لیکن جاوداں ہو کوئی ہو

آشنا حرف تمنا سے ہو تو کیجیے قلم
میں نہیں کہتا کہ میری ہی زباں ہو کوئی ہو

بعد مجنوں داغ سے آباد ہے دشت جنوں
اس خرابے کے لیے بے خانماں ہو کوئی ہو

نالہ کھینچیں گے اگر تاثیر الٹی ہو تو ہو
راست ہے تدبیر کو تقدیر الٹی ہو تو ہو

سیدھی سیدھی ہم تو باتیں ان کو لکھ بھیجیں گے داغ
واں الٹ جائیں کی گر تقریر الٹی ہو تو ہو

اے فلک چاہیے، جی بھر کے نظارا ہم کو
جا کے آنا نہیں دنیا میں دوبارا ہم کو

چل تو اے دل رہ الفت میں کہیں راہ نما
مل رہے گا کوئی اللہ کا پیارا ہم کو

عرصۂ حشر میں اللہ کرے گم مجھ کو
اور پھر ڈھونڈتے گھبرائے ہوئے تم مجھ کو

میں بھی حیران ہوں اے داغ کہ یہ بات ہے کیا
وعدہ وہ کرتے ہیں آتا ہے تبسم مجھ کو

دیکھنا پیر مغاں حضرت زاہد تو نہیں
کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پس خم مجھ کو

اللہ رے تلوّن! ابھی کیا تھے ابھی کیا ہو
شوخی ہو تو شوخی ہو حیا ہو تو حیا ہو

تعریف نے کوثر کی مجھے خوب پلائی
کیا بات ہے واعظ تری عقبیٰ کا بھلا ہو

برباد کروں گا اسی کوچے میں وفائیں
کیوں رکتی ہے، آگے مرے اے بادِ صبا ہو

میں نے جو کہا سیر ہو کل روزِ جزا ہو
فرماتے ہیں واں بھی ہمیں سچے ہوں تو کیا ہو

اس بت سے بگاڑے نہ بن آئے گی تمھیں داغ
کیا پیش چلے جس کا طرفدار خدا ہو

بنا روزِ جزا جس کی سزا کو
مری قدرِ گنہ گاری تو دیکھو

تھک تھک کے بیٹھ جائے نہ کیوں تیری راہ میں
لوہے کے تو نہیں ہیں الٰہی بشر کے پانو[1]

اے داغ آدمی کی رسائی تو دیکھنا
سر پر دھرے ہیں عرش نے خیر البشر کے پانو

جو دل قابو میں ہوتا تو کوئی رسوائے جہاں کیوں ہو
خلش کیوں ہو، تپش کیوں ہو، قلق کیوں ہو، فغاں کیوں ہو

مزا آتا نہیں تھم تھم کے ہم کو رنج و راحت کا
خوشی ہو غم ہو جو کچھ ہو الٰہی ناگہاں کیوں ہو

یہ مصرع لکھ دیا ظالم نے میری لوحِ تربت پر
جو ہو فرقت کی بیتابی تو یوں خوابِ گراں کیوں ہو

غضب آیا ستم ٹوٹا قیامت ہو گئی برپا
یہ پوچھا تھا کہ تم آزردہ مجھ سے میری جاں کیوں ہو

بہت نکلیں گے روزِ حشر تیرے جور کے خواہاں
ستم کا حوصلہ دنیا میں صرفِ امتحاں کیوں ہو

انھیں کو رنجشِ بے جا ہے لیکن ہے تو ہم سے ہے
محبت گر نہ ہو باہم شکایت درمیاں کیوں ہو

خدا شاہد خدا شاہد ہے، کیوں کہتے ہو دعووں پر
خدا کو کیا غرض میرے تمھارے درمیاں کیوں ہو

دمِ بسمل ہوئی کیوں دیر اتنی دم نکلنے میں
قضا کیا مژدہ پہنچانے گئی ہے میرے دشمن کو

لڑ گئی یار گلعذار سے آنکھ
اب نہیں کھینچتی ہزار سے آنکھ

---

1 مرزا داغ نے "پاؤں" (قدم) کو "پانو" لکھ کر ردیف واو میں شامل کیا ہے۔ اب اس کا درست املا (پاؤں) ہے۔

کچھ وہ حیرت سے کچھ وہ حسرت سے — خوب بنتی ہے انتظار سے آنکھ
دید کا بھی ہے کیا برا لپکا — نہیں رہتی ذرا قرار سے آنکھ
اشک خونیں نے گل کھلائے ہیں — آج آئی ہے کس بہار سے آنکھ
نشہ تیرا اتر گیا اے داغ — کھل گئی غفلت خمار سے آنکھ

ٹپکی پڑتی ہے نگہ سے تری الفت اے داغ — کہیں چھپتی ہے محبت کی نظر پیار کی آنکھ

یاں تو دیا ہے جاتے ہیں عشق بتاں کے ساتھ — زاہد نبیڑ لیں گے وہاں کی وہاں کے ساتھ
زاہد کو ایک قطرۂ زمزم پہ ناز ہے — یاں خم کے خم اڑائے ہیں پیر مغاں کے ساتھ
پھونکا نہ دام کو نہ جلایا قفس مرا — بجلی کی تیزیاں تھیں فقط آشیاں کے ساتھ
میرے غبار نے بھی کیا منہ نہ اس طرف — مجھ کو کدورتیں جو رہیں آسماں کے ساتھ
مانا کہ وہ ہیں گھر ہی میں اپنے مگر یہاں — سو جھگڑے ہیں روز دل بدگماں کے ساتھ
واماندگی نے ایک جگہ تو بٹھا دیا — پھرتے تری تلاش میں کیا کارواں کے ساتھ
سب کو ہے تیری یاد کی لذت جدا جدا — دل کی ہے دل کے ساتھ زباں کی زباں کے ساتھ

چار مل بیٹھے جہاں پھر وہی رنگ اور ترنگ — کچھ عجب لطف ہے رندانِ خرابات کے ساتھ

یارب ہمیں دے عشق صنم اور زیادہ — کچھ تجھ سے نہیں مانگتے ہم اور زیادہ
گھر بیٹھے کرے دل سے طواف اس کی گلی کا — جھگڑا ہے بس اے اہل حرم اور زیادہ

نہیں ہوتی بندے سے اطاعت زیادہ — بس اب خانہ آباد دولت زیادہ
مری بندگی سے مرے جرم افزوں — ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ

مجھ کو جنت میں نہ راحت ہوگی گر یہی دل یہی قسمت ہوگی
تیرے ہاتھوں مجھے اے دردِ فراق کبھی مرنے کی بھی فرصت ہوگی
یا مری داد ملے روزِ جزا یا قیامت پہ قیامت ہوگی
اب کے میخانے سے اٹھ کر اے داغ کعبے جائیں گے جو وحشت ہوگی

لیجیے موسیٰ سے لن ترانی کی اب تو ہم سے کلام ہوتا ہے
داغ کا نام سُن کے وہ بولے آدمی کا یہ نام ہوتا ہے

روسیاہی کام آئی روزِ حشر شکل زاہد نے نہ پہچانی مری
بن گیا کعبہ وہی میرے لیے ٹک گئی ہے جس جا پہ پیشانی مری
اس گرفتاری پہ اپنی میں نثار لو وہ کرتے ہیں نگہبانی مری

جب پاؤں تھکے تو جستجو کی جب دل نہ رہا تو آرزو کی

تدبیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی
مے پی تو سہی توبہ بھی ہوجائے گی زاہد کم بخت قیامت ابھی آئی نہیں جاتی
یارب کوئی آفت تھا محبت کا پتنگا وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی
گرتی تھی نشیمن پہ مرے کوند کے بجلی صیاد کے گھر آگ لگائی نہیں جاتی
اے داغ کہا حال دل اس دشمن جاں سے نادان ترے دل کی صفائی نہیں جاتی

پڑگئی کیوں کر الٰہی دل میں اُس بُت کے گرہ کھُل رہا تھا کون سا عقدہ مری تقدیر سے

اشک خوں رنگ لائے جاتا ہے داغ اپنی بنائے جاتا ہے

کتنا پا وضع ہے خیال اس کا
بے کسی میں بھی آئے جاتا ہے

دیکھنا رشک اس کی محفل کا
ایک کو ایک کھائے جاتا ہے

وہ جدھر کو گئے اٹھا یہ شور
وہ قیامت اٹھائے جاتا ہے

آتشِ شوق کیا بجھے ناصح
تو پتنگے لگائے جاتا ہے

ہر بات میں کافر کی کیا آن نکلتی ہے
واں آن نکلتی ہے یاں جان نکلتی ہے

سو حسن الٹتے ہیں سو ناز برستے ہیں
اے صلِ علیٰ تجھ میں کیا شان نکلتی ہے

قسمت پہ مری کیا کیا رمال کو حیرت ہے
جو شکل نکلتی ہے حیران نکلتی ہے

داغ ہر چند جہاں گرد ہے سودائی ہے
آپ کے سر کی قسم آپ کا شیدائی ہے

صورتِ وصل نہ تھی کوئی بجز رنجش غیر
وہ جو بگڑے ہوئے آئے ہیں تو بن آئی ہے

اور کیا خاک ملے گی دل بسمل کی مراد
جو تماشا ہے جہاں کا وہ تماشائی ہے

شکوۂ ظلم پہ اول تو وہ خاموش ہوئے
پھر یہ جھنجلا کے کہا "کیا مری رسوائی ہے"

ہمارے قتل کی تدبیر روز واں ٹھہری
یہ زندگی تو نہ ٹھہری بلائے جاں ٹھہری

سر نیاز ہوا ٹھوکروں ہی میں پامال
جبیں بجز مری سنگ آستاں ٹھہری

تجھ سے دل خاک ملے دل سے بھی تو ملتا ہے
کوئی ملتے ہی سے اے عربدہ جو ملتا ہے

چھوٹے ہزار مرتبہ قاتل کے ہاتھ سے
نکلے نہ ایک بار بھی ہم دل کے ہاتھ سے

ہے خط جادہ راہ محبت میں تیغ تیز
کٹتے ہیں پاؤں دوری منزل کے ہاتھ سے

اے داغ دستگیر ہے وہ پیر دستگیر
مل جائے ہاتھ مرشد کامل کے ہاتھ سے

آئینہ منہ پہ بُرا اور بھلا کہتا ہے — سچ ہے یہ صاف جو ہوتا ہے صفا کہتا ہے
حق ہے اس بات میں ناصح کا طرفدار ہوں میں — دل [illegible] ہے جو اس دل کو برا کہتا ہے
ہر دم اپنا دم آخر کی سناتا ہے خبر — ہر نفس ہر نفس احوال فنا کہتا ہے
ہند سے تابہ دکن داغ ہے شہرت تیری — اب تو کچھ اور ترا بخت رسا کہتا ہے

طبیعت کوئی دن میں بھر جائے گی — چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائے گی
رہیں گی دم حشر تک خواہشیں — یہ نیت کوئی آج بھر جائے گی
محبت میں اے دل نہ ڈر سر پہ کھیل — وہ بازی نہیں یہ کہ ہر جائے گی
کہوں گو نہ میں حشر کو تیرے ظلم — یہ خلق خدا کیا، مکر جائے گی
شب وعدہ آجاؤ ورنہ قضا — مرے سر پہ احسان دھر جائے گی
رہے گا ترا جلوہ مد نظر — جہاں تک ہماری نظر جائے گی
دیا دل تو اے داغ اندیشہ کیا — گزرنی جو ہوگی گزر جائے گی

دشمنوں سے دوستی غیروں سے یاری چاہیے — خاک کے پتلے بنے تو خاکساری چاہیے
چار حرف آرزو ہی سُن لو ساری رات میں — ور قصے کے لیے تو عمر ساری چاہیے

جنوں میں تن پہ لباس غبار باقی ہے — کب اپنے پاس کفن کو بھی تار باقی ہے
خزاں ہی دیکھ کے وحشت سی چھا گئی دل پر — ابھی نظارۂ فصل بہار باقی ہے
نہ دیکھی عیش گزشتہ کی پھر کبھی صورت — غلط کہ گردش لیل و نہار باقی ہے
دم اخیر ہے اے داغ توبہ کر توبہ — کہ رو سیاہ، ابھی ، اختیار باقی ہے

کیا صبا کوچۂ دلدار سے تو آتی ہے — مجھ کو اپنے دل گم گشتہ کی بو آتی ہے

ہو رسا آہ تو کیا جانے کہاں تک پہنچے
نارسائی میں تو یہ عرش کو چھو آتی ہے

تلخی موت کو فرہاد کی وہ کیا جانے
منہ سے شیریں کے ابھی دودھ کی بو آتی ہے

شجر خشک تو ہر سال ہرے ہوتے ہیں
جا کر اے عمر جوانی کہیں تو آتی ہے

دل اگر صاف نہ ہو پاک نہ ہوگا انساں
یوں تو ابلیس کو بھی شرط وضو آتی ہے

طلب ہے چاہنے والوں سے امتحانوں کی
بُری بنی ہے خدا خیر کرے جانوں کی

خدا کرے ابھی اے باغباں گرے بجلی
ترے چمن کو لگے آگ آشیانوں کی

جفا کی ان بتوں نے یا وفا کی
دیا دل اب تو جو مرضی خدا کی

شب اندوہ و غم کا پوچھنا کیا
بنا کی جو مرے دم پہ بنا کی

جواب قتل کیا قاتل نے سوچا
کہ اس کو عید ہے روز جزا کی

مٹاؤں داغ ہجراں دل سے کیونکر
وہ پوچھیں گے نشانی میری کیا کی

کھلا ان کی جفا کا کچھ نہ باعث
مگر اتنا کہ ہم سے کیوں وفا کی

پھر اس بُت پہ فدا ہیں حضرت داغ
قسم کھائی تھی کعبہ میں خدا کی

منصفی دنیا سے ساری اٹھ گئی
اے بتو ایمان داری اٹھ گئی

جب ہوا سجدے میں اس بت کا خیال
خود بخود گردن ہماری اٹھ گئی

اے فلک دے ہم کو پورا غم تو کھانے کے لیے
وہ بھی حصہ کر دیا سارے زمانے کے لیے

زاہد صد سالہ آیا میکدے میں بھول کر
لا شراب کہنہ ساقی اس پرانے کے لیے

تم سے بچ کر اک وفا حصہ میں اپنے آ گئی
تم نے خوبی کون سی چھوڑی زمانے کے لیے

چار حرف آرزوئے دل ہیں یوں تو مختصر
گر بڑھاؤں میں تو قصہ ہے بڑھانے کے لیے

داغ جنت کو سدھارا کب؟ اسی کوچے میں ہے ۔۔۔ دور جائے پاؤں اپنے کیوں تھکانے کے لیے

بے مثل کیا اس بت کافر کو خدا نے ۔۔۔ سمجھے کہ نہ سمجھے کوئی مانے کہ نہ مانے
جب دل میں تمھارے ہی نہیں گھر تو کہاں گھر ۔۔۔ کیا پوچھتے ہو خانہ خرابوں کے ٹھکانے
میخانہ ہے اور داغ ہے اور نشہ مے ہے ۔۔۔ سوتا ہے رکھے شیشۂ خم بادہ سرہانے

شوق ہے داد خدا ذوق ہے امداد خدا ۔۔۔ داغ کیونکر نہ شہ جن و بشر تک پہنچے

قطع امید سے امید مگر بڑھتی ہے ۔۔۔ کہ اُدھر گھٹتی ہے الفت تو اِدھر بڑھتی ہے
دیکھیے خوب گھٹا کر جو شب ہجراں کو ۔۔۔ روز محشر سے یہ دوچار پہر بڑھتی ہے
کوئے سفاک میں بےخوف چلا ہے دیکھو ۔۔۔ گھر سے یہ داغ بھی کم بخت مگر بڑھتی ہے

صبر آنا تو محبت میں بہت مشکل ہے ۔۔۔ موت بھی تو نہیں اس کو یہ وہ کافر دل ہے
شمع چپ، آئینہ حیران ہے، عاشق ششدر ۔۔۔ واہ کیا عالمِ تصویر، تری محفل ہے
"حشر کے دن تو ملو گے"؟ یہ کیا میں نے سوال ۔۔۔ سوچ کر دیر میں ظالم نے کہا "مشکل ہے"

پڑ گئی کیوں کر الٰہی دل میں اس بت کے گرہ ۔۔۔ بچ رہا تھا کون سا عقدہ مری تقدیر سے

شب کو نہ آئے تم تو دل بدگماں مجھے ۔۔۔ واں لے گیا کہ موت ہے جانا جہاں مجھے
پڑتی ہے ان کی آنکھ سر بزم جب کہیں ۔۔۔ جاتے ہیں اک نگاہ پہ سو سو گماں مجھے
دل خط میں رکھ دیا بھی تو کیا فائدہ ہوا ۔۔۔ قاصد کا ہے سوال کہ دے دے تو زباں مجھے

کیا بھیڑ میکدے کے ہے در پہ لگی ہوئی ۔۔۔ پیاسو سبیل ہے سر کوثر لگی ہوئی

یہ[1] کس کی لو ہے اے دل مضطر لگی ہوئی　　اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی
ناقوس بت کدے میں تو کعبے میں ہے اذاں　　ہے یاد میرے دوست کی گھر گھر لگی ہوئی
رکھے قدم سنبھل کے رہ عشق میں وہی　　آگے بھی جس کو ہو کبھی ٹھوکر لگی ہوئی
جب میں نے آہ ہے کی قیامت اٹھائی ہے　　آواز پر ہے شورش محشر لگی ہوئی

کہنے دیتی نہیں کچھ منہ سے محبت تیری　　لب پہ رہ جاتی ہے آ آ کے شکایت تیری
یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے ظالم　　بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری
ہے رقیبوں کی زباں پر بھی ستم کا شکوہ　　تو بھی مجبور ہے جاتی نہیں عادت تیری
یار غمخوار مرے حال کو سب پوچھتے ہیں　　اور پھر پوچھ کے سب کہتے ہیں قسمت تیری
کوچۂ یار میں بھی جی نہیں لگتا اے داغ　　دیکھیے جائے گی کس روز یہ وحشت تیری

مجھ سے ہے یہ گلہ کسی وعدہ خلاف کو　　جھوٹا بنا دیا ہے ترے اعتبار نے
دیکھی ہے ہم نے آج وہ ظرف وضو میں بند　　جو پی کے چھوڑ دی تھی کسی بادہ خوار نے

عدم کہتے ہیں اس کوچے کو اے دل　　ادھر آ بے خبر جاتا کہاں ہے
عشق کا لطف غم سے اٹھتا ہے　　غم جو اٹھتا ہے ہم سے اٹھتا ہے
فتنہ ان کے قدم سے اٹھتا ہے　　ہر قدم کس ستم سے اٹھتا ہے

گمان تند خو کیا جانے کیا ہے　　ہماری آرزو کیا جانے کیا ہے
ہماری اور ان کی دل ہی دل میں　　ہمیشہ گفتگو کیا جانے کیا ہے

---

1 اس مطلع کا دوسرا مصرع غالباً مصرع طرح ہوگا ورنہ داغ کا توارد نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے اس شعر سے عجیب و غریب ہے۔
شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ　　اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

کہوں کیا تجھ سے ناصح لذتِ عشق　　اے کم بخت تو کیا جانے کیا ہے
جہاں میں داغ نے دیکھا ہے کس کو　　یہ یکتا چار سو کیا جانے کیا ہے

نکال اب تیر سینے سے کہ جانِ پر الم نکلے　　جو یہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے

دوست خوش ہونے لگے دوست کے مر جانے سے　　غم کا یہ کال پڑا ہے مرے غم کھانے سے

لگ چلی باد صبا کیا کسی مستانے سے　　جھومتی آج چلی آتی ہے میخانے سے
روح کس مست کی پیاسی گئی میخانے سے　　مے اڑی جاتی ہے ساقی ترے پیمانے سے
گر پڑا ہوں نگہ مست سے چکر کھا کر　　ساقیا پہلے اٹھا تو مجھے پیمانے سے
ایک چلّو میں بہت داغ بہک اٹھے تھے　　آج سنتے ہیں نکالے گئے میخانے سے

گالیوں میں ادا نکالی ہے　　بات میں بات کیا نکالی ہے
دے کے دل فکر پیش و پس کیسی　　ابتدا انتہا نکالی ہے
شب غم کا گزارنا کیا تھا　　اپنے گھر سے بلا نکالی ہے
داغ معجز بیان ہے کیا کہنا　　طرز سب سے جدا نکالی ہے
غضب ہے جس کو وہ کافر نگاہ میں رکھے　　خدا نگاہ سے اس کی پناہ میں رکھے
تلاش دیر و حرم میں عبث نہ کیونکر ہو　　ترا ظہور ہی جب اشتباہ میں رکھے

کچھ کم نہ تھی خرام سے گردش نگاہ کی　　بیٹھے رہے وہ تو بھی تو فتنے اٹھا کیے
مدت سے پیامبر کو بنایا ہے قصہ خواں　　برسوں ترا جواب ہم اس سے سُنا کیے
وہ نگہ راہ پر نہیں آتی　　نظر آتی نظر نہیں آتی

حضرتِ دل اور ان سے حال کہیں　　موت کہہ کر مگر نہیں آتی
گل ہرے ہوگئے چمن میں داغ　　تجھ پہ رونق مگر نہیں آتی

نہیں معلوم کہ ہے منزلِ مقصود کہاں　　عرش تک کی تو خبر آہِ رسا لاتی ہے

اس کے انداز دیکھیے کیا ہوں　　ناز جس کا خیال کرتا ہے
دل کو اس عاجزی سے دیتا ہوں　　کوئی جانے سوال کرتا ہے

شوخی میں ان کی چھیڑ ہے کچھ اضطراب کی　　گھر کر گئی وفا کسی خانہ خراب کی
اس روئے بے نقاب کا جلوہ ہوا نقاب　　نکلی ہے رنگ رنگ سے صورت حجاب کی
جنبش میں یوں ہیں وہ لبِ نازک نفس کے ساتھ　　جیسے ہے نسیم سے پتی گلاب کی
غصے نے اور رنگ ترا شوخ کردیا　　اچھی بنی بگاڑ میں صورت عتاب کی
گو چپ ہے پر یہ جنبشِ لب کہہ رہی ہے صاف　　قاصد کی منہ میں پھرتی ہے شوخی جواب کی
در پردہ جوشِ حسن نے بے پردہ کردیا　　ٹوٹی گرہ تپاق سے بندِ نقاب کی
محشر میں توبہ توڑ کے میں جیت جاؤں گا　　زاہد سے مجھ سے شرط ہوئی ہے ثواب کی

یہ بات کیا دمِ رفتار ہوتی آتی ہے　　کہ اپنے سایہ سے تکرار ہوتی آتی ہے

جہاں لگ گئی کارگر ہوگئی　　میری آہ تیری نظر ہوگئی
نہ آئے محبت کے کوچے میں خضر　　خدا جانے کیونکر بسر ہوگئی
دہاں جھوٹے وعدے پہ لب ہل گیا　　توقع یہاں کس قدر ہوگئی
دکھا دیں گے اے دل تجھے روزِ حشر　　کہ ساری خدائی ادھر ہوگئی

کبھی یاس ہوتی نہ اپنی امید — توقع سے تیرے کمر ہوگئی
یہاں صبح پیری سے پہلے ہی داغ — جوانی چراغ سحر ہوگئی

تیرے جلوے کا تو کیا کہنا مگر — دیکھنے والے کو دیکھا چاہیے

نکہ شوق بے اثر نہ ہوئی — تم کو پردہ میں کیا نظر نہ ہوئی
ہم نے تقلید خضر کی لیکن — چلتے پھرتے بھی تو بسر نہ ہوئی
تارے گنتے ہو شام سے شب بھر — کیا کرو گے ، اگر سحر نہ ہوئی
ماتم غیر میں تمہیں دیکھا — ورنہ یہ عید کس کے گھر نہ ہوئی
کبھی ان سے امید الفت ہے — کبھی یہ فکر ہے اگر نہ ہوئی
ہے بہت طول مدعا افسوس — ساری دنیا پیامبر نہ ہوئی
خاک میخانہ تھی اسی قابل — یہ زمین آسمان پر نہ ہوئی
وائے بیگانگی طبیعت کی — کہ ادھر سے کبھی ادھر نہ ہوئی
وعدہ اس نے کیا ، وفا نہ کیا — دل کو تسکین ہوئی مگر نہ ہوئی
حال وہ کیا جو حشر میں نہ کہا — بات وہ کیا جو وقت پر نہ ہوئی
غیر محفوظ ہے ہر آفت سے — شدنی بھی تو عمر بھر نہ ہوئی
نہیں سرکار عشق پر الزام — میں برا تھا مری بسر نہ ہوئی
کیا تلون مزاج ہو اے داغ — چار دن بھی کہیں بسر نہ ہوئی

مجھے اے اہل کعبہ یاد کیا میخانہ آتا ہے — اِدھر دیوانہ جاتا ہے اُدھر مستانہ آتا ہے
رُخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں — اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے
وہی جھگڑا ہے فرقت کا وہی رونا ہے الفت کا — تجھے اے داغ کوئی اور بھی افسانہ آتا ہے

مل گئے راہ میں مجھ کو، یہ بڑی خیر ہوئی
لوگ جو دیکھ کے شب کو تری محفل آئے
کیا کہیں کس سے کہیں جاکے وہاں کیا گزری
یار کہتے ہیں مبارک ہو تمھیں مل آئے

یوں تو اے ابر بہا بھی نہیں ملتا تیرا
توبہ کرتے ہی جھلکتی ہے سیاہی تیری
ہم نے اے داغ سفارش میں کمی تو نہیں کی
پر بڑائی تری تقدیر نے چاہی تیری

سوچا جواب کیا مرے حاضر جواب نے
تاکید ہے کہ روز جزا کوئی کچھ کہے
بندے ہیں ہم تو عشق کے اے شیخ و برہمن
پروا نہیں ہمیں بخدا کوئی کچھ کہے

مرے کوچے میں وہ کن شوخیوں سے جابجا ٹھہرے
بڑھے بڑھ کر تھمے، دم بھر چل کر ذرا ٹھہرے
رہا روز جزا کے بعد کا غم مجھ کو محشر میں
کہ دن کو تو یہ ٹھہری رات کو کیا جانے کیا ٹھہرے
قسم ہے اس کی یہ مرضی نہیں اے داور محشر
کہ مجرم داغ ٹھہرے اور دشمن بے خطا ٹھہرے
کون تسنیم کے چھینٹوں پہ عبث شاد رہے
کچھ کمی یاں بھی نہیں میکدہ آباد رہے
خلد میں نہ لگا دل ترے دیوانوں کا
یاں رہے واں رہے ویراں رہے آباد رہے
داغ آزاد منش وہ ہے کہ اے بندہ نواز
آپ کا بندہ رہے اور پھر آزاد رہے

یار کا پاس نزاکت، دل ناشاد رہے
نالہ رکتا ہوا، تھمتی ہوئی فریاد رہے
کے گھڑی چین سے تو اے ستم ایجاد رہے
تیرے سینے میں جو میرا دل ناشاد رہے
وعدہ حشر پہ کیا صبر ہو، تم کہہ دو گے
ایسے ہنگامۂ جانکاہ میں کیا یاد رہے
دیکھ لی سیر حرم حضرت زاہد رخصت
آپ کا کعبہ مرا بت کدہ آباد رہے
کوئی مشتاق شہادت نہ کہیں سر ہو جائے
بس بہت حق میں ہر اک شخص کے جلاد رہے
کھو دیا عیش قفس اپنی وفاداری نے
لطف صیاد سے ہم رات دن آباد رہے

باہم اک وعدۂ فردا پہ نوشتہ ہوجائے
کہ مری سہو کی عادت ہے مجھے یاد رہے

یہ رہا عرض تو اے حوصلۂ دل دیکھا
میں نہ کہتا تھا کہ سینے ہی میں فریاد رہے

اس دل تنگ میں کس کس کو جگہ دوں یارب
غم رہے، دم رہے، فریاد رہے، یاد رہے

تم نے اے داغ محبت سے کیا ہے انکار
یہ سخن یاد رہے ! یاد رہے !! یاد رہے!!!

منا لیتے ہیں ہر مظلوم کو وہ عذر خواہی سے
گنہگاروں کو نفرت ہوگئی ہے بے گناہی سے

نہ دھو آبِ وضو سے داغ پیشانی کو اے زاہد
ارے نادان یہ دھبا مٹے گا رو سیاہی سے

بھلا سہو پیرِ مغاں کا ادھر نگاہ ملے
فقیر ہیں کوئی چلو خدا کی راہ ملے

کہاں تھے رات کو ہم سے ذرا نگاہ ملے
تلاش میں ہو کہ جھوٹا کوئی گواہ ملے

قریب ہے کدہ مجھ کو جو خانقاہ ملے
گلے ثواب کے کیا کیا مرا گناہ ملے

وہ روز حشر ہے دنیا نہیں کہ راہ ملے
کہاں چھپو گے جو دو چار داد خواہ ملے

ترا غرور سمایا ہے اس قدر دل میں
نگاہ بھی نہ ملاؤں جو بادشاہ ملے

کروں میں عرض اگر جان کی اماں پاؤں
کہوں پتے کی اگر قہر سے پناہ ملے

یہ ہے مزے کی لڑائی یہ ہے مزے کا ملاپ
کہ تجھ سے آنکھ لڑے اور پھر نگاہ ملے

مثل سنی ہے کہ ملنے سے کوئی ملتا ہے
ملو تو آنکھ ملے، دل ملے، نگاہ ملے

کہاں اثر سے ملے جب یہ پھوٹ ہو باہم
الگ الگ رہے دونوں حرف نہ آہ ملے

نوید بخشش عصیاں اسے سنا دینا
جو شرمسار، کہیں داغ رو سیاہ ملے

ترے وعدے کو بت حیلہ جو نہ قرار ہے نہ قیام ہے
کبھی شام ہے، کبھی صبح ہے، کبھی صبح ہے، کبھی شام ہے
وہ ستم سے ہاتھ اٹھائے کیوں، وہ کسی کا دل نہ دکھائے کیوں
کوئی اس میں مرہی نہ جائے کیوں، اسے اپنے کام سے کام ہے

ہوئیں مدتیں کہ نہیں خبر وہ کدھر ہیں اور ہیں ہم کدھر
نہ ہے نامہ بر، نہ پیام بر، نہ سلام ہے، نہ پیام ہے
دل ودیں کا جس کو نہ پاس ہو یہی نامراد ہے دیکھ لو
جسے داغ کہتے ہیں اے بتو، اسی روسیاہ کا نام ہے

ہر بات ہے شوخ فتنہ گر کی　　شوخی ہے مزاج میں نظر کی
سب اس کی نظر کو دیکھتے ہیں　　تعریف کریں مرے جگر کی
امید سزا میں رات دن میں　　گنتا ہوں خطائیں عمر بھر کی
تکرار مجھی کو ہے مری آہ　　وہ بھی ظالم تری کرم کی
اے داغ وہ لطف کیا کریں گے　　احسان کیا جفا اگر کی

شوق میں ایک فتنہ قامت کے　　ہم گلے مل گئے قیامت کے
دل میں مضمون یاس و حسرت کے　　بن گئے نقش لوح بت کے
بت کدہ ٹوٹ کر بنے کعبہ　　کار خانے ہیں اس کی قدرت کے
یاد رہ جائے گی جفا تیری　　دن گزر جائیں گے مصیبت کے
اس نے پوچھا مزاج کیسا ہے　　رنگ اب دیکھنا طبیعت کے
وہ نزاکت سے تھم گئے چل کر　　لو قدم گڑ گئے قیامت کے
کان رکھ کر اگر وہ سن لیتے　　بوسے لیتا لب شکایت کے
یہ بھی احسان ہے جو وعدے ہوں　　دوسرے تیسرے قیامت کے
کس نے کہا مجھے کہ بہر دعا　　ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں خلقت کے
اک ترے دل پہ اختیار نہیں　　سب ہے قبضہ میں دست قدرت نہیں
رشک ہے دیکھیے ستم تیرے　　بعد میرے ہوں کس کی قسمت کے

دل ترا چھین کر عدو کو دیا جھکنڈے ہیں یہ دست قدرت کے
آئی تیشے سے یہ صدا پیہم کوہکن کام ہیں یہ فرصت کے
داغ سا دوسرا نہ دیکھو گے گل ہزاروں ہیں ایک صورت کے

وہ قیامت توڑتے ہیں پوچھ کر کیا حال ہے پرسش دل بھی الٰہی پرسش اعمال ہے
بولتے ہو موت کے معنی پہ تم لفظِ وصال اور بھی تو اک محل پر اس کا استعمال ہے

کیا تھا جرم وفا لذت سزا کے لیے ستم کے لطف اٹھائے مرے جفا کے لیے
بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لیے
غرض جہاں سے کیا اے فلک مرے ہوتے غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لیے
شریر آنکھ نگہ بیقرار چتون شوخ تم اپنی شکل تو پیدا کرو حیا کے لیے
ملے تو حشر میں لے لوں زباں ناصح کی عجیب چیز ہے یہ طول دعا کے لیے
ترے کہے سے ہم اے داغ چھوڑ دیں گے عشق خدا کے واسطے دیتا ہے کیوں خدا کے لیے

گر ایک بھی ہزار میں وہ مان جائیں گے ہم اے پیامبر ترے قربان جائیں گے
کیجیے کا قتل ہم کو تو قربان جائیں گے پر سر کے ساتھ آپ کے احسان جائیں گے
ہر چند آج کل سے زیادہ ہے سادگی تیور یہ کہہ رہے ہیں کہ مہمان جائیں گے
میں لاکھ پہلوؤں سے کروں عرض مدعا پہچاننے کی بات وہ پہچان جائیں گے
اے داغ ابتدائے محبت کا کیا گلہ وہ جانتے نہیں ہیں تمہیں، جان جائیں گے

پوچھتا جا مرے مرقد پہ گزرنے والے کیا گزرتی ہے تری جان پہ مرنے والے
غنچۂ گل میں دھرا کیا ہے بتا اے بلبل جمع ہیں چند ورق وہ بھی بکھرنے والے

ایک تو حسن بلا ، اس پہ بناوٹ آفت
گھر بگاڑیں گے ہزاروں کے سنورنے والے

کبھی اقرار ، کبھی قول ، کبھی وعدہ تھا؟
اور دغا باز، فسوں ساز، مکرنے والے

گالیاں غیر کو دیتا ہوں سنو تم خاموش
میں بھی دیکھوں تو بڑے بات نہ کرنے والے

عمر بھر عالم ہستی میں جو معدوم رہے
حضرت خضر سے دیکھے نہیں مرنے والے

داغ کہتے ہیں جنہیں دیکھیے وہ بیٹھے ہیں
آپ کی جان سے دور آپ پہ مرنے والے

دیکھتا جا ادھر او قہر سے ڈرنے والے
نیچی نظریں کیے محشر میں گزرنے والے

خوش نوائی نے رکھا ہم کو اسیر اے صیاد
ہم سے اچھے رہے صدقے میں اترنے والے

قلزم عشق میں اے خضر ہمیں خوف نہیں
بیٹھ کر تہ میں ابھرتے ہیں ابھرنے والے

اس گزرگاہ سے پہنچیں گے کہیں منزل تک
جیسی گزرے گی گزاریں گے گزرنے والے

ہو کے لبریز نہ چھلکے گا مرا ساغر دل
میکدے سو ہوں اگر لاکھوں ہوں بھرنے والے

قتل ہوں گے ترے ہاتھوں سے خوشی اس کی ہے
آج اترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے

کشتی نوح سے بھی کود پڑوں طوفاں میں
دیں سہارا جو مجھے پار اترنے والے

ہے وہی قہر ، وہی جبر ، وہی کبر و غرور
بت خدا ہیں مگر انصاف نہ کرنے والے

حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے
اور ہوں گے تری محفل سے ابھرنے والے

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی میں گزار دے

کس طرح چین مجھ کو دل بیقرار دے
تم اختیار دو نہ خدا اختیار دے

دل اس نگاہ ناز سے ہم نے لڑا دیا
آگے نصیب ہے جسے پروردگار دے

دنیا میں جانتا ہوں کہ جنت ملی مجھے
راحت اگر ذرا سی مصیبت میں مل گئی

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

کیا کہوں گا اگر اس بت نے کہا محشر میں — داور حشر ترے ہاتھ ہے عزت میری
خوب تقدیر کی خوبی نے کیا ہے برباد — جابجا مجھ کو لیے پھرتی ہے شہرت میری
حشر میں تجھ سا جفا کار، خدا سا منصف — دل سا انصاف طلب اور شہادت میری
جب کوئی فتنہ زمانے میں نیا اٹھتا ہے — وہ اشارے سے بتا دیتے ہیں تربت میری
تم نہیں غیر سہی، غیر نہیں چرخ سہی — اک نہ اک فتنہ لگا رکھتی ہے قسمت میری
اپنی تصویر پہ نازاں ہو تمھارا کیا ہے! — آنکھ نرگس کی، دہن غنچہ کا، حیرت میری
موت آئی ہوئی ٹل جاوے، یہ آئی نہ رکے — الاماں داغ قیامت ہے طبیعت میری

ہزار بار جو مانگا کروں تو کیا حاصل — دعا وہی ہے جو دل سے کبھی نکلتی ہے

آب بقا نے گرچہ بہت روک تھام کی — پیری چلی نہ خضر علیہ السلام کی
باقی نہ رسم ترک ہو شرب مدام کی — پہلے چھڑک زمیں پہ قاضی کے نام کی
تیری ہی یاد ہے انھیں تیرا ہی ذکر ہے — دل اپنے کام کا نہ زباں اپنے کام کی
یہ چھیڑ دیکھنا کہ دم شکوۂ فراق — تائید ہو رہی ہے ہمارے کلام کی

توبہ کا در کھلا ہے نہ کر چھپ کے میکشی — اے شیخ یہ طریقہ شرب الیہود ہے

بعد میرے کیوں نوید وصل یار آنے کو تھی — وہ چمن ہی مٹ گیا جس میں بہار آنے کو تھی
میرے مرنے کی خبر سن کر کیا مشکل سے ضبط — ان کے ہونٹوں پر ہنسی بے اختیار آنے کو تھی
صبر آتا دیکھ کر ظالم نے پھر تڑپا دیا — میرے قابو میں طبیعت اب کی بار آنے کو تھی
ہے گراں جنس وفا ہی داغ کیا ہر ایک شے — اب روپے کو بھی نہیں ملتی جو چار آنے کو تھی

وہ آئے خندہ پیشانی کہیں سے — تبسم ہے عیاں چین جبیں سے

شفا ہو عیسیٰ گردوں نشیں سے　　ہماری بندگی پہنچے یہیں سے
بنایا تجھ کو اور ایسا بنایا　　کہے کیا کوئی صورت آفریں سے
تمھیں بیداد گر ، اللہ کی شان!　　جفا کی داد میں چاہوں تمھیں سے
پڑا ہوں منہ لپیٹے میکدے میں　　حجاب آتا ہے مجھ کو اہلِ دیں سے
اسے افسانۂ غم ڈرتے ڈرتے　　سنایا کچھ کہیں سے ، کچھ کہیں سے
قیامت کا تو وعدہ اس پہ انکار　　کلیجا پک گیا تیری نہیں سے
مری بربادیوں کی مشورت کو　　فلک چھپ چھپ کے ملتا ہے زمیں سے
ڈھلا سارا بدن سانچے میں گویا　　ذرا اترا نہیں ظالم کہیں سے
ٹپکتا ہے عرق بن بن کے آنسو　　عیاں ہے گریۂ قسمت جبیں سے
شبِ وعدہ زباں تھک تھک گئی ہے　　کہاں تک قصہ خوانی ہم نشیں سے
ہمارے سامنے شکوہ عدو کا　　ہماری گھات اے ظالم ہمیں سے
کبھی دیکھا ہے اتنا داغ کو خوش　　چلے آتے ہیں یہ حضرت وہیں سے

وہ جو بولیں تو بات جاتی ہے　　چپ رہوں میں تو رات جاتی ہے
مے کے پینے سے کر تو لوں توبہ　　آرزوئے نجات جاتی ہے
کیا کروں داغ وصل میں شکوہ　　بات کہتے ہیں رات جاتی ہے

اس طرح اہلِ ناز ناز کریں　　بندگی ہے کہ یہ خدائی ہے
پانی پی پی کے توبہ کرتا ہوں　　پارسائی سی پارسائی ہے
وعدہ کرنے کا اختیار رہا　　بات کرنے میں کیا برائی ہے
داغ ان سے دماغ کرتے ہیں　　نہیں معلوم کیا سمائی ہے

دل کی کلی نہ تجھ سے کبھی اے صبا کھلی　　چمپا کھلی، گلاب کھلا، موتیا کھلی

جام شراب ہاتھ سے ساقی نے رکھ دیا — جب میکدے کی چمن میں ذرا کھلی
باتوں سے شق ہوا نہ جگر پاسبان کا — دیوار بیت خانہ مگر بارہا کھلی
داغ شگفتہ دل کا ذرا دیکھنا اثر — مانند غنچہ قبر بھی بعد فنا کھلی

قبر میں گر مرے ارمان سمانے پائے — تو یہ جانوں کہ فریبوں نے ٹھکانے پائے
ہاتھا پائی ہوئی میخانے میں زاہد سے کہیں — ہم نے تسبیح کے بکھرے ہوئے دانے پائے
ہم نے اپنا دل گم گشتہ نہ پایا کھو کر — ورنہ یاں ڈھونڈنے والوں نے خزانے پائے
حور کے واسطے زاہد نے عبادت کی ہے — سیر تو جب ہے کہ جنت میں نہ جانے پائے
داغ کی لاش سر راہگور ہے پامال — مرتبے خوب تمہارے شہدا نے پائے

ان کے خیال میں جو ذرا ہم بہل گئے — کیا رشک ہے ہوا اپنے تصور سے جل گئے
سب حسرتوں کا یاس نے کھٹکا مٹا دیا — جن سے خلش تھی دل میں وہ کانٹے نکل گئے
سچ ہے پرائی آگ میں پڑتا نہیں کوئی — ہمراہ کوہ طور کے موسیٰ نہ جل گئے
اب کیا ہے گر کسی سے ملاتے نہیں نظر — لاکھوں ہماری آنکھ سے جلسے نکل گئے
مرتے کے ساتھ کوئی بھی مرتا نہیں کبھی — فرقت میں رفتہ رفتہ سب احباب ٹل گئے
احباب ڈھونڈتے ہیں پریشان ہیں رفیق — کیا جانے آج داغ کدھر کو نکل گئے

حرم سے دیکھنے رنگ ظہور ہم آئے — ملا نہ جس کے لیے اتنی دور ہم آئے
مدینہ چھوڑ کے پھر رام پور ہم آئے — یہ کس بلا میں دل ناصبور ہم آئے
جب ان کی آنکھ میں بھولے سے شرم آتی ہے — پکارتے ہیں یہ ناز و غرور "ہم آئے"
ہزار شکر ہمیں داغ حج نصیب ہوا — قصور وار گئے، بے قصور ہم آئے

جس کے پہلو میں ہو تم اس کا نصیب اچھا ہے — میری دانست میں تم سے بھی رقیب اچھا ہے

اس کے معنی تو یہی ہیں کہ ہنرمند نہیں — کیوں مجھے دیکھ کے کہتے ہیں نصیب اچھا ہے

جوش وحشت سے کروں کیا سخت مشکل گھر میں ہے — گور میں کافر کا مردہ ہے کہ یہ دل گھر میں ہے
ہر در و دیوار ہے سر پھوڑنے کے واسطے — وہ بیاباں میں نہیں جو مجھ کو حاصل گھر میں ہے
مضطرب اس فکر میں پھرتا ہے جاؤں یا نہیں — روز قاصد کو مرے کوسوں کی منزل گھر میں ہے
افسوس میری قدر نہیں آسمان تجھے — تجھ سا مجھے نصیب ہے، مجھ سا کہاں تجھے
ظاہر کے لطف نے یہ بڑھایا ہے اعتبار — نامہرباں بھی ہو تو کہیں مہرباں تجھے

جب اس کے مقابل مرے داغ جگر آئے — خورشید قیامت کو بھی تارے نظر آئے
حُسن آئینۂ عشق ہو، عشق آئینۂ حُسن — میں تجھ کو نظر آؤں مجھے تو نظر آئے
اے داغ گلہ غیر سے کیا بزم میں تم کو — جب دوست کہے "آپ کے دشمن کدھر آئے"

کیا برہنہ پا دشت میں لاکھوں بھی نہ ہوں گے — کانٹوں کو مگر چھیڑ ہے چھالوں سے ہمارے

تھک تھک کے نہ بیٹھیں گے نہ مر مر کے اٹھیں گے — اب ظلم نہ ہم سے دل مضطر کے اٹھیں گے
دنیا ہی میں کر پرسش مظلوم الٰہی — بت حشر میں اٹھیں گے تو پتھر کے اٹھیں گے
چھیڑا ہے اگر تذکرۂ عشق تو سن لو — یہ قصہ تو پورا ہی بیاں کر کے اٹھیں گے
دیکھیں وہ اگر ناز سے میں نالہ کروں گا — فتنے یہ برابر سے برابر کے اٹھیں گے
ہم لطف کے بندے ہیں خدا کی قسم اے داغ — ہم سے نہ کہیں ناز ستم گر کے اٹھیں گے

آشفتگی کسی کی اثر کچھ تو کر گئی — بن بن کے زلف رُخ پہ تمہارے بکھر گئی
نیرنگ روزگار سے بدلا نہ رنگ عشق — اپنی ہمیشہ ایک طرح پر گزر گئی
صحت خدا کے ہاتھ ہے بیمار عشق کی — اپنی طرف سے تو تو نہ کر چارہ گر گئی

سجدے کو برہمن کے نہ چھوڑی کوئی جگہ
کیوں بتکدے میں خلق خدا آ کے بھر گئی

زاہد شراب ناب کی تاثیر کچھ نہ پوچھ
اکسیر ہے جو حلق سے نیچے اتر گئی

میری شب فراق یہ کعبے میں شور ہے
یارب غضب ہوا کہ نماز سحر گئی

اے داغ کیا کہوں شب فرقت کی واردات
جو میرے ہاتھ سے مرے دل پر گزر گئی

حسرتیں جو اس کی شوخ نگاہی میں رہ گئی
کچھ دیر میرے دل کی تباہی میں رہ گئی

زاہد کو بندگی کا نتیجہ تو مل گیا
گردن خمیدہ ذکر الٰہی میں رہ گئی

ہجر صنم میں کیوں نہ خدا کو کیا گواہ
یہ چال ہم سے ایسی گواہی میں رہ گئی

اے داغ اہل قلعہ کا لٹنا تو درکنار
تنخواہ بھی خزانہ شاہی میں رہ گئی

وصل کی آرزو کیے نہ بنی
نہ بنی جستجو کیے نہ بنی

شوق نے ہم کلام کر ہی دیا
ان سے بے گفتگو کیے نہ بنی

اس نے جب شکوہ کرلیا تسلیم
ہم کو بے سرخرو کیے نہ بنی

نہ سمجھا عمر گزری اس بت خودسر کو سمجھاتے
پگھل کر موم ہو جاتا اگر پتھر کو سمجھاتے

شب فرقت تڑپتا داغ کا دیکھا نہیں جاتا
گزر جاتی ہے ساری رات سارے گھر کو سمجھاتے

کچھ زہر نہ تھی شراب انگور
کیا چیز حرام ہو گئی ہے

جاگیر جنوں کی قیس کے بعد
اب داغ کے نام ہو گئی ہے

شمع روشن ہے ہماری آہ سے
لو لگائے بیٹھے ہیں اللہ سے

حشر سے میں نے جو کیں جوش جنون کی باتیں
ایسے نکلے کہ نہ آئے تھے بیاباں میں کبھی

اللہ اللہ رے تری شوخ بیانی اے داغ
مست اک شعر نہ دیکھا ترے دیواں میں کبھی

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے
دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے

ہم نکمے ہوئے زمانے کے
کام ایسا سکھا دیا تو نے

کچھ تعلق رہا نہ دنیا سے
شغل ایسا بتا دیا تو نے

لاکھ دینے کا ایک دینا ہے
دل بے مدعا دیا تو نے

کیا بتاؤں کہ کیا لیا میں نے
کیا کہوں میں کہ کیا دیا تو نے

بے طلب جو ملا ملا مجھ کو
بے غرض جو دیا دیا تو نے

عمر جاوید خضر کو بخشی
آب حیواں پلا دیا تو نے

نار نمرود کو کیا گلزار
دوست کو یوں بچا دیا تو نے

دست موسیٰ میں فیض بخشش سے
نور و لوح و عصا دیا تو نے

صبح موج نسیم گلشن کو
نفس جانفزا دیا تو نے

شب تیرہ میں شمع روشن کو
نور خورشید کا دیا تو نے

نغمہ بلبل کو رنگ و بو گل کو
دلکش و خوشنما دیا تو نے

کہیں مشتاق سے حجاب ہوا
کہیں پردہ اٹھا دیا تو نے

تھا مرا منہ نہ قابل لبیک
کعبہ مجھ کو دکھا دیا تو نے

جس قدر میں نے تجھ سے خواہش کی
مجھ کو اس سے سوا دیا تو نے

رہبر خضر و ہادی الیاس
مجھ کو وہ رہنما دیا تو نے

مٹ گئے دل سے نقش باطل سب
نقشہ اپنا جما دیا تو نے

ہے یہی راہ منزل مقصود
خوب رستے لگا دیا تو نے

مجھ گنہگار کو جو بخش دیا
تو جہنم کو کیا دیا تو نے

داغ کو کون دینے والا تھا
جو دیا اے خدا دیا تو نے

جور کے بعد ہے کیوں لطف یہ عادت کیا ہے
تم تلافی جو کرو اس کی ضرورت کیا ہے

آدمی کو ہے یہی گوشۂ راحت کافی
گھر کرے دل میں جو انسان تو جنت کیا ہے

نظر کر دیدۂ مشتاق پر یا دیکھ آئینہ　　تجھے بھی کچھ خبر ہے تجھ میں کیا عالم نکلتا ہے

فسردہ دل کہیں خلوت نہ انجمن میں رہے　　بہار ہو کے رہے ہم تو جس چمن میں رہے
مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان لے نہ آئیں لوگ　　خدا کرے غلطی کچھ مرے سخن میں رہے

ذکر میرا اگر آجاتا ہے　　سن کے وہ صاف اڑا جاتا ہے
تھک گیا درد بھی اٹھتے اٹھتے　　اب کلیجے میں رہا جاتا ہے
کیا نزاکت ہے کہ آپ آئینہ میں　　عکس کے ساتھ کھچا جاتا ہے
ناز سے کھینچ نہ مجھ پر تلوار　　غیر مشتاق ہوا جاتا ہے
ایک ہے تیری نگہ میری آہ　　کہیں ایسوں سے رہا جاتا ہے
حسرتیں دل کی مٹی جاتی ہیں　　قافلہ ہے کہ لٹا جاتا ہے
داغ کو دیکھ کے بولے یہ شخص　　آپ ہی آپ جلا جاتا ہے

غم اٹھانے کے واسطے دم ہے　　زندگی ہے اگر تو کیا غم ہے
کہتے ہو کچھ کہو، کہوں کیا خاک　　جانتا ہوں مزاج برہم ہے
کعبے کی ہے ہوس کبھی کوئے بتاں کی ہے　　مجھ کو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے
وقتِ خرام ناز دکھا دو جدا جدا　　یہ چال حشر کی، یہ روش آسماں کی ہے
پیغامبر کی بات پر آپس میں رنج کیا　　میری زباں کی ہے نہ تمھاری زبان کی ہے
قاصد کی گفتگو سے تسلی ہو کس طرح　　چھپتی نہیں وہ بات جو تیری زباں کی ہے
اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ　　ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

ختم انتخاب گلزار داغ

بتاریخ 18 نومبر 1944

انتخاب آفتاب داغ

اللہ رے مرتبہ مرے عجز و نیاز کا — گویا جواب ہے یہ ترے کبر و ناز کا
عالم تمام چشم حقیقت نگر بنا — منہ دیکھتا ہے آئینہ، آئینہ ساز کا
بگڑے ہوئے بھی تیغ حقیقت کے زخم زخم — ہنس ہنس کے منہ چڑھاتے ہیں عشق مجاز کا
گو مہر لب ہے حکم ترا، اس کا کیا علاج — دل بولتا ہے خود بخود آگاہ راز کا
ہر چند راہ کعبۂ و بت خانہ ایک ہے — اے راہ رو ہے کام یہاں امتیاز کا
ناکامی دوام بھی ہو عیش جاوداں — ایسا اسیر ہوں، ہوس و حرص و آز کا
دنیا بھی اک بہشت ہے اللہ رے کرم — کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا
رتبے سے میرے قیصر و سنجر کو رتبہ کیا — میں ہوں غلام، شاہ عراق و حجاز کا
مجھ کو نہ کیوں کہ اس کی غلامی سے فخر ہو — محمود ایک بردہ ہے جس کے ایاز کا
کونین جس کے ناز سے چکرا رہے ہیں داغ — میں ہوں نیاز مند اسی بے نیاز کا

عیب نکلا جو ہنر پیدا کیا — ہم نے کھویا جس قدر پیدا کیا
کھوئے دیتا ہے مجھے دنیا سے وہ — جس کو میں نے ڈھونڈھ کر پیدا کیا

آسماں تو آسماں ہی رہ گیا — نام تو نے فتنہ گر پیدا کیا
شرم ہے پیدا کیے کی اس کے ہاتھ — جس نے مجھ کو بے ہنر پیدا کیا
مدّعا یہ تھا کہ ہم دیکھیں تجھے — ورنہ کیوں نور نظر پیدا کیا
چھینے دیتا کس کو داغِ رو سیاہ — پر خدا نے دیکھ کر پیدا کیا

تیرے قدم سے عرش بنے دوشِ نقشِ پا — صلِّ علیٰ کہے لبِ خاموش نقشِ پا
پھرتے ہیں بیقرار بہت تیری راہ میں — کہتا ہے صاف صاف یہی جوشِ نقشِ پا
افتادگانِ خاک کا رتبہ تو دیکھیے — بادِ صبا ہے غاشیہ بردوشِ نقشِ پا
آسودگانِ خاک کی کہتا وہ سرگزشت — رکھتا نہیں زباں لبِ خاموشِ نقشِ پا
پائی مرے سراغ سے دشمن نے راہِ دوست — اے بیخودی مجھے نہ رہا ہوشِ نقشِ پا
مجھ ناتواں کی خاک کو پامالیوں کے بعد — دوشِ صبا ملا جو چھٹا دوشِ نقشِ پا
رندی نہیں ہے آپ نے کیا قبر داغ کی — پھولوں کی چادروں سے چھپا جوشِ نقشِ پا

اپنے دل پر ظلم جو کرتے ہیں ہم — ہو سکے گی تجھ سے وہ بیداد کیا
دل میں طاقت ہو تو سب کچھ ہو سکے — عرش تک جاتی نہیں فریاد کیا

ایک ہی رنگ ہے سب سے یہ تماشا کیسا؟ — کوئی کیسا ہے کوئی چاہنے والا کیسا!
عرصۂ حشر میں انصاف ہمارا کیسا — دیکھنا یہ ہے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا
بخش دے اس بت سفاک کو اے داورِ حشر — خون ہی مجھ میں نہ تھا خون کا دعوا کیسا
وہی جنت ہے جو وحشت میں کہیں دل بہلے — لوگ صحرا کی لیے پھرتے ہیں صحرا کیسا
ڈوبتے ہیں عرقِ شرم میں غیرت والے — ڈوب مرنے ہی پہ جب آئے تو دریا کیسا
خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں تو ظاہر نہ کریں — لوگ کرتے ہیں بری بات کا چرچا کیسا
دیکھتے ہو طرفِ سنگِ در آتے جاتے — مجھ کو دیکھو کہ ہوا ناصیہ فرسا کیسا

نگاہیں ہیں تجلی کی یہ تو اے موسیٰ — کہ سرمہ بن کے جو آنکھوں میں کوہِ طور آیا
تری گلی میں رہی بازگشت مثلِ نفس — کہ جتنی دور گیا واپس اتنی دور آیا
خدا نے بخش دیے حشر میں بہت عاشق — خیالِ یار میں کوئی نہ بے قصور آیا
وہیں سے داغ سیہ بخت کو ملی ظلمت — جہاں سے حضرت موسیٰ کے ہاتھ نور آیا

کیا ناک میں دم ہے دلِ دشوار طلب سے — وہ کام بگڑتا ہے جو مشکل نہیں ہوتا
میں اور شبِ تیرہ و صحرائے خطرناک — رہبر کا پتہ سیکڑوں منزل نہیں ہوتا
مرنے ہی جب آئے تو کیوں ادب کے مریے — کیا خاک میں مل جانے کو سائل نہیں ہوتا
یہ داد ملی ان سے مجھے کاوشِ دل کی — جس کام کی عادت ہو وہ مشکل نہیں ہوتا

جس نے ہمارے دل کو نمونہ دکھا دیا — اس آئینہ کو خاک میں اس نے ملا دیا
معشوق کو اگر دلِ بے مدعا دیا — پوچھے کوئی خدا سے کہ عاشق کو کیا دیا
ملتا ہے لختِ دل مجھے سرکارِ عشق سے — اچھی جگہ نصیب نے ٹکڑا لگا دیا
صرف بنائے میکدہ اے شیخ کچھ نہ پوچھ — اکثر اک اینٹ کے لیے مسجد کو ڈھا دیا
ملتے ہیں تیرے چاہنے والے میں تیرے ڈھنگ — جو تجھ پہ مٹ گیا مجھے اس نے مٹا دیا
بے مانگے دردِ عشق و غمِ جاں گزا دیا — سب کچھ ہمارے پاس ہے اللہ کا دیا
دنیا میں اک یہی ہے زیارت گہہ جنوں — خانہ خرابیوں نے سرا گھر بنا دیا
تا حشر منکرینِ قیامت نہ مانتے — تجھ کو بنا کے اس کا نمونہ دکھا دیا

انکار سے کسی نے مجھے کیا مزا دیا — سینے پہ چڑھ کے اس نے قسم سے پلا دیا
کوئی بھی طولِ روزِ جزا سے غرض نہ تھی — میری شبِ فراق کی ضد نے بڑھا دیا
کہلا رہے ہیں حاتمِ ثانی جنابِ شیخ — کیا جانے مے فروش کو حضرت نے کیا دیا
بخشا گیا جو داغ سیہ رو تو دیکھنا — جنت کبھی کی آگ لگا دی جلا دیا

موت کا مجھ کو نہ کھٹکا شبِ ہجراں ہوتا ــ میرے دروازے پہ گر آپ کا درباں ہوتا
گر مرے ہاتھ تری بزم کا ساماں ہوتا ــ میزباں میں کبھی ہوتا کبھی مہماں ہوتا
بے نیازی جو ہوئی میری تمنا سے ہوئی ــ مجھ کو ارماں جو نہ ہوتا تجھے ارماں ہوتا
مرضِ عشق طبیبوں نے بہت الجھایا ــ آخر کار یہ آزار ہی درماں ہوتا
کیا غضب ہے نہیں انسان کو انسان کی قدر ــ ہر فرشتے کو یہ حسرت ہے کہ انساں ہوتا
ہوگئی بار گراں بندہ نوازی تیری ــ تو نہ کرتا اگر احسان تو احساں ہوتا
حشر کے روز تجھے پاس عدالت ہوگا ــ بخش دیتا جو یہیں جرم تو احساں ہوتا
داغ کو ہم نے محبت میں بہت سمجھایا ــ وہ کہا مان نہ لیتا اگر انساں ہوتا

جس کو ڈھونڈا ملا نہ کعبے میں ــ ایسے خالی ثواب نے مارا
دیکھ کر جلوہ غش ہوئے موسیٰ ــ داغ مجھ کو حجاب نے مارا

جو دیکھتے ہیں دیکھنے والے ترے انداز ــ تو نے وہ تماشا ہی مری جاں نہیں دیکھا
ملتا نہیں ہم کو دل گم گشتہ ہمارا ــ تو نے تو کہیں اے غمِ جاناں نہیں دیکھا
تم کو مرے مرنے کی یہ حسرت یہ تمنا ــ اچھوں کو بُری بات کا خواہاں نہیں دیکھا
کیا پوچھتے ہو کون ہے یہ کس کی ہے شہرت ــ کیا تم نے کبھی داغ کا دیواں نہیں دیکھا

تو ہے مشہور دل آزار یہ کیا ــ تجھ پہ آتا ہے مجھے پیار یہ کیا
جانتا ہوں کہ مری جان ہے تو ــ اور میں جان سے بیزار یہ کیا
سر اڑاتے ہیں وہ تلواروں سے ــ کوئی کہتا نہیں سرکار یہ کیا
تیری آنکھیں تو بہت اچھی ہیں ــ سب انہیں کہتے ہیں بیمار یہ کیا
ہاتھ آئی ہے متاعِ الفت ــ ہاتھ ملتے ہیں خریدار یہ کیا

وحشتِ دل کے سوا الفت میں
اور ہیں سیکڑوں آزار یہ کیا
باتیں سنیے تو پھڑک جائیے گا
گرم ہیں داغ کے اشعار یہ کیا

روکتا دل کو کہ شوقِ زلفِ دلبر لے چلا
تھا منا مجھ کو کہ یہ سودا مرا سر لے چلا
پھر بلایا، پھر کہا کچھ، پھر اسے رخصت کیا
نامہ بر جب حسرتوں کا میری دفتر لے چلا
منزلِ مقصود تک پہنچے بڑی مشکل سے ہم
ضعف نے اکثر بٹھایا، شوق اکثر لے چلا
یہ حسیں! یہ مہ جبیں! یہ شہر! ایسی لہر بہر!
داغ کلکتہ سے لاکھوں داغ دل پر لے چلا

ہوا ہے خون کے چھینٹوں سے پیرہن گلزار
ترے شہید کا لاشہ بہار سے اُٹھا
ترس رہے تھے شرابی کہ اگلیاں اٹھیں
وہ ابر رحمتِ پروردگار سے اُٹھا

دل مبتلائے لذتِ آزار ہی رہا
مرنا فراقِ یار میں دشوار ہی رہا
احسان عفوِ جرم سے وہ شرمسار ہوں
بخشا گیا میں تو بھی گنہ گار ہی رہا
صدقے میں تم نے چھوڑ دیے ہیں بہت اسیر
میں بھی رہا ہوا کہ گرفتار ہی رہا
دیکھیں ہزار رشکِ مسیحا کی صورتیں
اچھا رہا جو عشق کا بیمار ہی رہا

دل کو مدت میں کیا تھا خوگرِ طرزِ ستم
کیا خبر تھی وہ یکا یک مہرباں ہوجائے گا
داغ کو ہم یہ نہ سمجھے تھے کہ تیرے عشق میں
ہائے ایسا مخلص یوں بے خانماں ہوجائے گا

ارماں بھرے دل کا نہ یوں نام نکلا؟
ناکامی جاوید سے بھی کام نکلا
فرہاد کو آتی نہ کبھی سینہ خراشی
گر لاکھ برس ہاتھ سے یہ کام نکلا
معلوم نہ تھا یوں تری باتوں میں ہیں گھاتیں
آغاز میں کیا عشق کا انجام نکلا

مشتاق سے کھل جاتے ہیں محبوب کے انداز — جب طالب دیدار کو دیکھا، اُسے دیکھا
آنکھ اپنی لڑی رہتی ہے محفل میں ہر اک سے — جتاب جو دوچار کو دیکھا، اسے دیکھا
کیا فتنۂ محشر میں ہے جو اس میں نہیں ہے — ظالم تری رفتار کو دیکھا، اسے دیکھا
اے داغ اسی شوخ کے مضمون بھرے ہیں — جس نے مرے اشعار کو دیکھا، اسے دیکھا

دیکھ لے گا یہ مزہ، حشر میں جو جائے گا — آپ جو حکم کریں گے وہی ہو جائے گا
کہہ گیا ساقی سرشار یہ چلتے چلتے — آپ جو رنگ میں ڈوبے گا ڈبو جائے گا
خط کی لوں نقل، کہ قاصد کی اتاروں تصویر — یہ بھی گم ہوگا، مرا نامہ بھی کھو جائے گا
داغ تم داغ جدائی کے گلے کرتے ہو — چار چھینٹوں میں وہ چلتے ہوئے دھو جائے گا

بہت ہمارے پھڑکنے سے تنگ ہے صیاد — کہ چار دن سے زیادہ قفس نہیں چلتا.
مریض غم سے چلے پیش کیا طبیبوں کی — بغیر حکم الٰہی نفس نہیں چلتا

ناامیدی ترے صدقے تو نے دی راحت مجھے — کم ہوا جب ایک ارماں ایک دشمن کم ہوا
بے اثر ہو تو بھی طوفاں ہو نہیں دریا تو ہو — حسرت اس آنسو پہ ہے جو قطرۂ شبنم ہوا
داغ پھر اس آفت جاں سے بڑھائی رسم و راہ — پہلے تھوڑا رنج پایا پہلے تھوڑا غم ہوا؟

جب جوانی کا مزا جاتا رہا — زندگانی کا مزا جاتا رہا
وہ قسم کھاتے ہیں اب ہر بات پر — بدگمانی کا مزا جاتا رہا
چھٹ سکے برسات میں کیونکر شراب — سرد پانی کا مزا جاتا رہا
داستان عشق جب ٹھہری غلط — پھر کہانی کا مزا جاتا رہا
داغ ہی کے دم سے تھا لطف سخن — خوش بیانی کا مزا جاتا رہا

کلیجا تھام لو گے جب سنو گے
نہ سنوائے خدا شیون کسی کا
وہ پہروں دیکھتے ہیں داغ کے داغ
کسی کی سیر ہے گلشن کسی کا

گیا ہے عرش معلی پہ شور نالوں کا
خدا بھلا کرے آزار دینے والوں کا
انہیں جو بحث قیامت سے ہے قیامت کی
عجیب حال دگرگوں ہے پائمالوں کا
کہیں نہیں تری درگاہ کے سوا یارب
فلک زدوں کا ٹھکانا خراب حالوں کا
وہ پھول والوں کا میلا وہ سیر یاد ہے داغ
وہ روز جھرنے پہ جمگھٹ پری جمالوں کا

تو ہی اپنے ہاتھ سے جب دل ربا جاتا رہا
دل کی بھی پروا نہیں، جاتا رہا جاتا رہا
دل چرا کر آپ تو بیٹھے ہوئے ہیں چین سے
ڈھونڈنے والے سے پوچھے کوئی کیا جاتا رہا
مرگ دشمن سے زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال
دشمنی کا لطف، شکووں کا مزا جاتا رہا

کتنی فرحت فزا تھی بوئے وفا
اس نے دل کو جلا کے دیکھ لیا
کبھی غش میں رہا شب وعدہ
کبھی گردن اٹھا کے دیکھ لیا
لوگ کہتے تھے چپ لگی ہے تجھے
حال دل بھی سنا کے دیکھ لیا
داغ نے خوب عاشقی کا مزہ
جل کے دیکھا، جلا کے دیکھ لیا

بلا سے جو دشمن ہوا ہے کسی کا
وہ کافر صنم کیا خدا ہے کسی کا
دعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے
کہ پورا ہو جو مدعا ہے کسی کا
بچے جان کس طرح تیری ادا سے
قضا پر کہیں بس چلا ہے کسی کا
وہ کرنے لگے ہیں قیامت کی باتیں
یہ سچ ہے تو بس فیصلا ہے کسی کا
سُنا کرتے ہیں چھیڑ کر گالیاں ہم
وگرنہ کوئی سر پھرا ہے کسی کا

بظاہر نہ جانے، نہ جانے نہ جانے　　مگر داغ دل جانتا ہے کسی کا

میرے ہی دم سے مہر و وفا کا نشاں ہے اب　　تجھ سا اگر نہیں ہے تو مجھ سا کہاں ہے اب

عالم یاس میں گھبرائے نہ انسان بہت　　دل سلامت ہے تو حسرت بہت ارمان بہت
کاش دو چار، ہزاروں میں تو ہوں کافر عشق　　ہم نے کعبے میں بھی دیکھے نہ مسلمان بہت
تم کہ بیداد کرو اور نہ شرماؤ ذرا　　ہم کہ ناکردہ گنہ اور پشیمان بہت
سوچیے دل میں تو ہے عشق نہایت دشوار　　نہ سمجھیے تو یہی کام ہے آسان بہت

اے داغ ان سے جور و جفا کا گلا عبث　　تیرے کہے سے ہوگی نہ رسم قدیم بند

شراب عشق کی ہم نے عجب تاثیر دیکھی ہے　　بگڑ کر یہ کہیں دیتی ہے کیفیت کہیں بن کر

اس کو حسرت نہ رہے دشمن ایماں ہوکر　　کوئی دن دیکھ لو اے داغ مسلماں ہوکر

دنیا میں اور کوئی نہ ہوتا گناہ گار　　پچھتا رہا ہوں دامن عصیاں کو چھوڑ کر
ہر چند رامپور میں گھبرا رہا ہے داغ　　کس طرح جائے کلب علی خاں کو چھوڑ کر

جو بل ہے تری زلف گرہ گیر سے باہر　　وہ پیچ نہیں ہے مری تقدیر سے باہر

نہ دلاسا، نہ تسلی، نہ تشفی، نہ وفا　　دوستی اس بت بد خو سے نباہیں کیونکر
چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو　　وہ طریقہ تو بتا دو تمھیں چاہیں کیونکر

محشر میں بھی کسی کے اٹھائیں گے ناز ہم — ایسے نیاز مند ہیں اے بے نیاز ہم
چاہیں پئے نشاط سلیماں سے تخت و بخت — مانگیں مسیح و خضر سے عمر دراز ہم

بت کو بت اور خدا کو جو خدا کہتے ہیں — ہم بھی دیکھیں تو اسے دیکھ کے کیا کہتے ہیں
اس کے ہاتھوں سے یہی ذلت و خواری ہوگی — غیر اپنی تو خبر لیں ، مجھے کیا کہتے ہیں
میں گنہ گار اگر عشق مجازی ہے گناہ — میں خطا وار، اگر اس کو خطا کہتے ہیں
بزم احباب دے تاب و وصال معشوق — اب کسی شے میں نہیں جس کو مزا کہتے ہیں
نہیں ملتا کسی مضموں میں ہمارا مضموں — طرز اپنا ہے جدا سب سے جدا کہتے ہیں
کوئی خوبی نظر آتی نہیں تجھ میں ظالم — اے فلک 'جیری وصد عیب' بجا کہتے ہیں

دنیا میں ان بتوں نے جلایا ہے اس قدر — دوزخ بھی میرے واسطے جنت سے کم نہیں
یہ ناز ، یہ نگاہ ، یہ چھل بل ، یہ شوخیاں — تم اس سے بھی سوا ہو قیامت سے کم نہیں
تو نے دیا فروغ تو ہے داغ آفتاب — ذرہ بھی ورنہ اس کی حقیقت سے کم نہیں

بتانِ ماہوش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں — کہ جس کی جان جاتی ہے اسی کے دل میں رہتے ہیں
ہزاروں داغ پنہاں عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں — شرر پتھر کی صورت ان کے آب و گل میں رہتے ہیں
زمیں پر پاؤں نخوت سے نہیں رکھتے پری پیکر — یہ گویا اس مکاں کی دوسری منزل میں رہتے ہیں
ہمیں دشوار جینا، عار تم کو قتل کرنے سے — بڑی مشکل میں رکھتے ہو، بڑی مشکل میں رہتے ہیں
محبت میں مزا ہے چھیڑ کا، لیکن مزے کی ہو — ہزاروں لطف ہر اک شکوۂ باطل میں رہتے ہیں
محیط عشق کی ہر موج طوفاں خیز ایسی ہے — وہ ہیں گرداب میں جو دامن ساحل میں رہتے ہیں
فلک دشمن ہوا، گردش زدوں کو جب ملی راحت — زیادہ راہ سے کھٹکے مجھے منزل میں رہتے ہیں

کوئی نام و نشاں پوچھے تو اے قاصد بتا دینا
تخلص داغؔ ہے اور عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

میری شامت ہے کہوں "آپ کا بگڑا ہے مزاج"
اس کو بگڑا ہوا میں اپنا مقدر نہ کہوں؟
غیر کے واسطے دیدار بھی ہے دار بھی ہے
کس طرح گھر کو ترے عرصۂ محشر نہ کہوں؟

پھنسی ہوئی ہے یہ گردن بتوں کے پھندوں میں
چھڑا دے کوئی ہو اتنا خدا کے بندوں میں
خدا کا ذکر تو اس بت کے سامنے کرتے
مگر وہ ایک ہی کافر ہے خود پسندوں میں

ابر رحمت ہی برستا نظر آیا زاہد!
خاک اڑتی کبھی دیکھی نہ خراباتوں میں
تمہیں انصاف سے اے حضرت ناصح کہہ دو
لطف ان باتوں میں آتا ہے کہ ان باتوں میں
وہ گئے دن جو رہی یاد بتوں کی اے داغ
رات بھر اب تو گزرتی ہے مناجاتوں میں

ہزار کام مزے کے ہیں داغ الفت میں
جو لوگ کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں

بھویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں
سبک ہو جائیں گے گر جائیں گے وہ بزم دشمن میں
کہ جب تک گھر میں بیٹھے ہیں تو لاکھوں من کے بیٹھے ہیں
کھڑے ہوں زیر طوبیٰ وہ نہ دم لینے کو دم بھر بھی
جو حسرت مند تیرے سایۂ دامن کے بیٹھے ہیں
نگاہ شوخ و چشم شوق میں در پردہ چھنتی ہے
کہ وہ چلمن میں اور نزدیک ہم چلمن کے بیٹھے ہیں
تلاش منزل مقصد کی گردش اٹھ نہیں سکتی
کمر کھولے ہوئے رستے میں ہم رہزن کے بیٹھے ہیں
کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتے چلے جائیں
عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

تمام رات وہ جاگیں وہ سوئیں سارے دن
خیر ہے کیا انھیں کیوں کر کٹے ہمارے دن
انھوں نے وعدہ کیا آج شب کے آنے کا
خوشی تو جب ہے خدا خیر سے گزارے دن

ہمیشہ تم کو مبارک ہو داغ روزِ نشاط
پھریں ہمارے بھی، جیسے پھرے تمھارے دن

میں نے پائی ہے جو اس تیغِ ادا میں لذت
سامنے خضر و مسیحا کو بٹھالوں تو کہوں
داغ پابندِ قفس ہوں، نہیں کچھ کہہ سکتا
دامِ صیاد سے میں چھوٹ کے جالوں تو کہوں

جو پرزے ہو نہ صحرا میں، جو ٹکڑے ہو نہ گلشن میں
گریباں میں گریباں ہے، نہ وہ دامن ہے دامن میں
قیامت کی تجلی ہے تمھارے روئے روشن میں
مجھے ڈر ہے کہ دیکھو آگ لگ جائے نہ چلمن میں

دل گیا، تم نے لیا، ہم کیا کریں
جانے والی چیز کا غم کیا کریں
ایک ساغر پر ہے اپنی زندگی
رفتہ رفتہ اس سے بھی کم کیا کریں
کر چکے سب اپنی اپنی حکمتیں
دم نکلتا ہے تو ہمدم کیا کریں
معرکہ ہے آج حسن و عشق کا
دیکھیے وہ کیا کریں ہم کیا کریں
آئینہ ہے اور وہ ہیں دیکھیے
فیصلہ دونوں یہ باہم کیا کریں
کہتے ہیں اہلِ سفارش مجھ سے داغ
تیری قسمت ہے بری ہم کیا کریں

اب بھی گر پڑ کے ضعف میں نالے
ساتوں آسمان لیتے ہیں
منزلِ شوق طے نہیں ہوتی
ٹھیکیاں ناتوان لیتے ہیں
داغ بھی ہے عجیب سحر بیاں
بات جس کی وہ مان لیتے ہیں

دل دادۂ خوئے ظلم جو اے کینہ جو نہ ہو
کل عرصہ گاہِ حشر میں پھر تو ہی تو نہ ہو؟
کھٹکا ہوا ہوں خارِ تمنا سے اس قدر
ڈرتا ہوں یاس سے بھی کہیں آرزو نہ ہو
اس فکر میں ہم ان سے نہ کچھ بات کر سکے
یہ گفتگو نہ ہو کہیں وہ گفتگو نہ ہو

بخشے ہی جائیں شرمِ حضوری سے لاکھ جرم — دنیا میں کیا کریں جو خدا روبرو نہ ہو
چاک دلِ رقیب کی جب فکر کیجیے — پہلے یہ دیکھ لیجیے پہلا رفو نہ ہو
اے دردِ عشق خانۂ دل گھر ترا سہی — آباد یہ مکان تو جب ہو کہ تو نہ ہو
اک تیری دوستی سے ہوئی سب میں دشمنی — گر یہ نہ ہو تو کوئی کسی کا عدو نہ ہو
کیا رشک ہے کہ طالبِ ہجراں ہوں اس لیے — جو مجھ کو ہے رقیب کو وہ آرزو نہ ہو
کافر خدا کرے کہ غلط ہو مرا گماں — جو میں سمجھ رہا ہوں وہ اے کاش تو نہ ہو

محشر میں اور ان سے مری دو بدو نہ ہو — کہنے کی بات ہے جو کوئی گفتگو نہ ہو
ہے لاگ کا مزہ دلِ بے مدعا کے ساتھ؟ — تم کیا کرو کسی کو اگر آرزو نہ ہو
یہ ٹوٹ کر کبھی نہ بنے گا کسی طرح — زاہد شکستِ توبہ شکستِ سبو نہ ہو
دستِ دعا کو ملتی ہے تاثیر عرش سے — جو ہاتھ سے ہو، پاؤں سے وہ جستجو نہ ہو
اے داغ آ کے پھر گئے وہ اس کو کیا کریں — پوری جو نامراد تری آرزو نہ ہو

موت اس دن کو جو تجھ سے ستم، ایجاد نہ ہو — میں تو مرجاؤں اگر لذتِ بیداد نہ ہو
ہے یہی حسن کی شہرت تو ہمارا ذمہ — کہ ترے کوچے میں اک شہر جو آباد نہ ہو
ہے مرے دل کی تباہی پہ تعجب کیسا — آپ برباد کریں جس کو وہ برباد نہ ہو؟
جور کے بعد ہے اب حرفِ تسلی کیسا — اس سے فرمایئے جس کو وہ گھڑی یاد نہ ہو
بدگمانی بھی محبت میں بری ہوتی ہے — وہ یقیں ہو مجھے جس بات کی بنیاد نہ ہو
آدمی وہ ہے جو چتون کا اشارہ سمجھے — مجھ کو معلوم ہوا، منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو
کوستے ہیں وہ الٹی کہ دعا دیتے ہیں — داغ کو دیکھ کے کہتے ہیں، یہ' ناشاد نہ ہو'

تم کو چاہا تو خطا کیا ہے؟ بتا دو مجھ کو — دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھا دو مجھ کو

ہم آدمی ہیں کام کے اے ناصحِ شفیق　　دیکھو ہمارے کام جہاں اختیار ہو
اترا رہے ہیں حشر کو وہ تیرے لطف پر　　ایسا غضب نہ اے مرے پروردگار ہو

کل تک تو آشنا تھے مگر آج غیر ہو　　دو دن میں یہ مزاج ہے آگے کو خیر ہو

آئینہ اپنی نظر سے نہ جدا ہونے دو　　کوئی دم اور بھی آپس میں ذرا ہونے دو
لطف سمجھو تو رقیبوں سے بگڑا دو مجھ کو　　سیر دیکھو تو کوئی فتنہ بپا ہونے دو
ہم بھی دیکھیں تو کہاں تک نہ توجہ ہوگی　　کوئی دن تذکرۂ اہلِ وفا ہونے دو
جب سنا داغ کوئی دم میں فنا ہوتا ہے　　اس ستمگر نے اشارے سے کہا ہونے دو

چرخ سا اور سخی کون ہے دینے والا　　مجھ کو دس بیس دیے داغِ الم ایک نہ دو
داغ دلی تھی کسی وقت میں یا جنت تھی　　سیکڑوں گھر تھے وہاں رشکِ ارم، ایک نہ دو

کرتے ہو داغ دور سے بت خانے کو سلام　　اپنی طرح کے ایک مسلماں تمھیں تو ہو

نکلی فلک سے کب کسی مائل کی آرزو　　پھر اس پہ آرزو بھی مرے دل کی آرزو
یوں آہِ نارسا کو تمنائے عرش ہے　　جیسے کسی غریب کو منزل کی آرزو
دل ہر طرف رہا نگراں بحرِ عشق میں　　اس ڈوبتے کو رہ گئی ساحل کی آرزو
رتبہ کمال عشق کا حاصل نہیں ہوا　　اب داغ کو ہے مرشدِ کامل کی آرزو

اس سے کیا خاک ہم نشیں بنتی　　بات بگڑی ہوئی نہیں بنتی
وہ بنی ابتدائے الفت میں　　دم پہ جو وقت واپسیں بنتی
میری صورت بنی تو خاک بنی　　سیرت اے صورت آفریں بنتی

تو نے ایسے بگاڑ ڈالے ہیں — ایک کی ایک سے نہیں بنتی
نہ چمکتی جو حسن کی تقدیر — کیوں تری چاند سی جبیں بنتی
بزمِ دنیا بھی قابلِ جنت — خوب بنتی اگر یہیں بنتی

ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے — مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے
عدم کی جو حقیقت ہے وہ پوچھو اہلِ ہستی سے — مسافر کو تو منزل کا پتا منزل سے ملتا ہے

دوسری جان ہے تری اُلفت — ایک کھوئی ہے ایک پائی ہے

سچ ہے بے عیب ہے خدا کی ذات — تجھ میں کیا جانے کیا برائی ہے
ترا پیرہن میری باتوں سے تاب — مرا ہی گریباں ہوا چاہتا ہے
تھکا کر بٹھانے لگی مجھ کو گردش — بیاباں ہی زنداں ہوا چاہتا ہے

کچھ اور دل لگی نہیں اس خوش نصیب سے — ہم جانتے ہیں کھیلتے ہو تم رقیب سے
اے تابِ شفیق رہے کچھ تو چھیڑ چھاڑ — ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے
باجرِ برق، مثلِ ہوا، صورتِ نگاہ — اکثر نکل گئے ہیں وہ میرے قریب سے

کوئی سیکھے خاکساری کی روش تو ہم سکھائیں — خاک میں دل کو ملانا کوئی تم سے سیکھ جائے
کیا سکھائے گا زمانے کو فلک طرزِ جفا — اب تمھارا ہے زمانہ، کوئی تم سے سیکھ جائے

تم آئینہ ہی دیکھ کے حیران رہ گئے — واللہ میرے دل میں اک ایسا ہی اور ہے
جب اہلِ حشر سے نہ ملی میری واردات — سب نے کہا "سنو تو یہ جھگڑا ہی اور ہے"
کیسا نیاز، کس کی وفا، کس کی عاشقی — تم جانتے نہیں، مجھے دعویٰ ہی اور ہے

نکل جائے یہ حسرت وہ نہیں ہے — بدل جائے یہ قسمت وہ نہیں ہے
گئی محفل کی رونق داغ کے ساتھ — وہی دم تھا غنیمت وہ نہیں ہے

عشق کا کوئی نتیجہ نہیں جز درد و الم — لاکھ تدبیر کیا کیجیے حاصل ہے وہی
خضر سے پوچھے کوئی عمر ابد کی تکلیف — زندگی نام ہے جس چیز کا قاتل ہے وہی
مر گئے خسرو و جمشید سے میکش لاکھوں — رونق ساغر و آرائش محفل ہے وہی
شور اٹھتا بن ہر مو سے انا ں کا. — قیس گر دل کو سمجھتا کہ یہ محفل ہے وہی
جو کہے داغ سیہ مست وہ لکھ لو دل پر — اس خرابات میں اک مرشد کامل ہے وہی

میری فریاد دوسرا نہ سنے — تم سنو لے بتو خدا نہ سنے

آرزو یہ ہے کہ نکلے دم تمھارے سامنے — تم ہمارے سامنے ہو ہم تمھارے سامنے
حشر کے دن بھی ہو شرح غم تمھارے سامنے — سب خدا کے سامنے ہوں، ہم تمھارے سامنے
قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بخش دو — لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمھارے سامنے
مجھ کو اس سر کی قسم اب تک وہی ہے اضطراب — داغ مضطر کا جو تھا عالم تمھارے سامنے

گو دل آزار ہو اچھوں کا خیال اچھا ہے — سو بلاؤں سے بھر ارمان وصال اچھا ہے
یہ تری چشم فسوں گر میں کمال اچھا ہے — ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے
ننگ ہمت ہے اگر دولت کونین ملے — جو نہ پورا ہو کسی سے وہ سوال اچھا ہے
وہ عیادت کو مری آتے ہیں لو اور سنو — آج ہی خوبی تقدیر سے حال اچھا ہے
دیکھنے والوں کی حالت نہیں دیکھی جاتی — جو نہ دیکھے وہی مشتاق جمال اچھا ہے
آپ پچھتائیں نہیں جور سے توبہ نہ کریں — آپ گھبرائیں نہیں داغ کا حال اچھا ہے

بیٹھے اداس ، اٹھے پریشاں ، خفا چلے — پوچھے تو آپ سے کوئی کیا آئے کیا چلے
موسیٰ کی طرح راہ میں پوچھے نہ راہ دوست — خاموش خضر ساتھ ہمارے چلا چلے

پاؤں سے میرے بیابان کہاں جاتا ہے — ہاتھ سے میرے گریبان کہاں چھٹتا ہے
بند کرتے ہو جو ہاتھوں سے تم آنکھیں میری — کیا کہوں میں کہ مرا دھیان کہاں جاتا ہے

خوب جی بھر کے سنا پہلے تو قصہ داغ کا — پھر کہا، دل تھام کر، افسانہ ایسا چاہیے

یہ بھی طرز خرام ہوتی ہے؟ — ساری دنیا تمام ہوتی ہے!
دمِ آخر تو کچھ مری سن لو — آج حجت تمام ہوتی ہے!

آئی ہوئی عاشق کی طبیعت نہیں جاتی — آتی ہے تو آکر یہ قیامت نہیں جاتی
سر جاتا ہے سر سے ترا سودا نہیں جاتا — دل جاتا ہے دل سے تری الفت نہیں جاتی

جانے سے تو مہمان کی عزت نہیں جاتی — تو جاتی ہے یا اے شب فرقت نہیں جاتی!
دے گا نہ کوئی ٹھوکریں کھانے کی گواہی — ہمراہ میرے حشر میں تربت نہیں جاتی
وہ آکے مری قبر پہ یہ لکھ گئے مصرع — کافر تجھے دنیا کی محبت نہیں جاتی

آپ کا اعتبار کون کرے — روز کا انتظار کون کرے
غیر نے تم سے بے وفائی کی — یہ چلن اختیار کون کرے
تم تو ہو جان اک زمانے کی — جان تم پر نثار کون کرے
آفت روز گار جب تم ہو — شکوۂ روز گار کون کرے
اپنی تسبیح رہنے دے زاہد — دانہ دانہ شمار کون کرے

داغ کی شکل دیکھ کر بولے ایسی صورت کو پیار کون کرے

پھر نہ رکیے جو مدعا کہیے ایک کے بعد دوسرا کہیے
ہوش جاتے رہے رقیبوں کے داغ کو اور بے وفا کہیے ..

فغاں کو لاگ ٹھہری آسماں سے اٹھا جاتا ہے پردہ درمیاں سے

ترے ظلم پنہاں ابھی کون جانے فقط آسماں آسماں ہو رہا ہے

سب سے تم اچھے ہو تم سے مری قسمت اچھی یہی کم بخت دکھا دیتی ہے صورت اچھی
حسن معشوق سے بھی حسن سخن ہے کم یاب ایک ہوتی ہے ہزاروں میں طبیعت اچھی
دیکھنے والوں سے انداز کہیں چھپتے ہیں ہم کو پردے میں نظر آتی ہے صورت اچھی

تلاش ان کو ہے میرے رازداں کی نئی ترکیب نکلی امتحاں کی
کہاں اے چارہ گر دل میں حرارت یہ گرمی ہے فقط ضبط فغاں کی

پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے
مجھے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے
نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی بہت دیر کی مہرباں آتے آتے
نتیجہ نہ نکلا ، تھکے سب پیامی وہاں جاتے جاتے یہاں آتے آتے
مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے چمن اڑ گیا آندھیاں آتے آتے
نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

مل گئی بے خودی شوق سے راحت کیسی ہو گئی دونوں جہاں سے مجھے فرصت کیسی

بندہ چاہے جو خدائی کوئی مل سکتی ہے؟ — لوگ قسمت کو لیے پھرتے ہیں قسمت کیسی
دھمکیاں دیتے ہو تم جذبۂ دل کی اے داغ — بندہ پرور یہ محبت میں حکومت کیسی

ہر دل میں نئے درد سے ہے یاد کسی کی — ملتی نہیں فریاد سے فریاد کسی کی
آرام طلب ہوں کرم عام کے طالب — یوں مفت میں ملتی نہیں بیداد کسی کی
کم بخت وہی داغ نہ ہو دیکھیو کوئی — تسکین کیے دیتی ہے فریاد کسی کی

ملتے ہی ہیاک تھی وہ آنکھ شرمائی ہوئی — پھر گئی چھپتا کے پلکوں تک حیا آئی ہوئی
ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی — اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی
ہائے دنیا تو کہاں! وہ پردہ پوشی اب کہاں — عرصۂ محشر میں رسوائی سی رسوائی ہوئی
مجلس اہلِ عزا میں وہ مجھے روتے چہ خوش! — دو گھڑی کو یہ بھی ان کی محفل آرائی ہوئی
دیکھ کر قاتل کی آمد داغ دل میں شاد شاد — اور غم خواروں کے منہ پر مردنی چھائی ہوئی
کس دلِ بیتاب کی یارب تماشائی ہوئی — وہ نگاہ شوخ کچھ پھرتی ہے گھبرائی ہوئی
بت کدے میں سجدہ کرنا کفر اے واعظ نہیں — گر نہیں مقبول اپنی جبہہ فرسائی ہوئی
آ گیا جب کوئی کرلیں چار باتیں اس سے بھی — ورنہ پھر سر پیٹنا جس وقت تنہائی ہوئی
ہے عجب اندھیر کوئی داغ کا پرساں نہیں — صبح محشر بھی الٰہی شامِ تنہائی ہوئی

جب ترے در سے پھرا خلقت تماشائی ہوئی — آگے آگے داغ پیچھے پیچھے رسوائی ہوئی
دوست، دشمن کو بنایا ہے ترے انداز نے — سب کو پہچانا اگر تجھ سے شناسائی ہوئی
پھر گیا اے داغ کیا منہ پھیر کر وہ مہ جبیں — پھر گئی تقدیر میرے سامنے آئی ہوئی
داغ سا بھی کوئی شاعر ہے ذرا سچ کہنا — جس کے ہر شعر میں ترکیب نئی بات نئی

انتخاب مہتاب داغ

دونوں جہاں میں بوئے محمدؐ ہے عطر بیز　　کونین میں ہے رنگ فقط ایک پھول کا

ایمان کی کہیں گے ایمان ہے ہمارا　　احمدؐ رسول تیرا، مصحف کلام تیرا
یہ داغ بھی نہ ہوگا تیرے سوا کسی کا　　کونین میں ہے جو کچھ وہ ہے تمام تیرا

اچھی صورت پہ غضب ٹوٹ کے آنا دل کا　　یاد آتا ہے ہمیں ہائے زمانا دل کا

طریق خوب ہے یہ عمر کے بڑھانے کا　　کہ منتظر رہوں تا حشر اس کے آنے کا
وہ عذر جرم کو بدتر گناہ سے سمجھے　　کوئی محل نہ رہا اب قسم کے کھانے کا
جفائیں کرتے ہیں تھم تھم کے اس خیال سے وہ　　گیا تو پھر یہ نہیں میرے ہاتھ آنے کا
سمائیں اپنی نگاہوں میں ایسے ویسے کیا　　رقیب حق تو کسی ہو، آدمی ٹھکانے کا
خطا معاف تم اے داغ اور خواہش وصل　　قصور ہے یہ فقط ان کے منہ لگانے کا

زاہد نے اڑائے تو صفات ملکوتی　　حضرت وہ فرشتوں سے ابھی پر نہیں ملتا

حسینوں کی وفا کیسی جفا کیا — جو دل آیا تو پھر اچھا برا کیا
ذرا یں کیوں پرسش روز جزا سے — جو پوچھے ہم کو اس کا پوچھنا کیا
یہ سنوایا فغانِ بے اثر نے — کرے گا اور تو اس سے سوا کیا؟
کہا ظالم نے سن کر داغ کا حال — بہت اچھے ہیں ان کا پوچھنا کیا

"نہیں آتا ہمیں برباد کرنا" — یہ پھر کہنا یہ پھر ارشاد کرنا

میں رازِ دل بیان کروں انجمن میں کیا — تکیہ کلام آپ کا ہے ہر سخن میں کیا
میں جلد میں ہوں اور نکیرین قبر میں — خالی کفن پڑا ہے دھرا ہے کفن میں کیا؟
ظلیوں سخت سو ظن کرتے رقیب سے — کچھ چوٹ لگتی ہے لبِ پیماں شکن میں کیا؟
تجھ کو بھی ہے خبر؟ ترے ملنے کے ڈھنگ ہیں — خلوت میں کیا؟ خیال میں کیا؟ انجمن میں کیا؟
سُن سُن کے میری شوخیٔ تقریر یوں کہا — توبہ ہے یہ زبان رہے گی دہن میں کیا؟

توبہ توبہ! سرِ تسلیم جھکایا جاتا؟ — ہم جو سمجھے تھے اگر تجھ میں نہ پایا جاتا
اے نزاکت ترے قربان! کہ وقتِ رخصت — وہ کہیں ہم سے تو گھر تک نہیں جایا جاتا
میں گنہگار نہ ہوتا جو الٰہی مجھ کو — ہر برس نامۂ اعمال دکھایا جاتا
شوق ایسا کہ تری راہ میں مر کر بھی چلوں — ضعف ایسا کہ نہیں جان سے جایا جاتا
اُٹھ کے کعبے سے نہ جاتا جو صنم خانے کو — اور پھر داغ کہاں بار خدایا جاتا

پارسا کوئی اگر تاکنے والا ہوتا — دخترِ رز نے بڑا نام اُچھالا ہوتا
ہم سے یوسف کا بیاں ہی نہ کیا واعظ نے — ورنہ ہر بات میں تیرا ہی حوالا ہوتا
کچھ قیامت تو نہ تھی ہجر کی شب اے تقدیر — اس بلا کو کسی تدبیر سے ٹالا ہوتا

لے گئی تھی ترے دیوانے کو گھر سے وحشت — نہیں معلوم کہ جنگل میں کدھر چھوڑ دیا

اپنی آنکھوں میں ابھی کوند گئی بجلی سی — ہم نہ سمجھے کہ یہ آنا ہے کہ جانا تیرا

تو ہی اپنے ہاتھ سے جب دل ربا جاتا رہا — دل کی بھی پروا نہیں، جاتا رہا جاتا رہا
جس توقع پر تھی اپنی زندگی وہ مٹ گئی — جو بھروسا تھا ہمیں وہ آسرا جاتا رہا
اب کئی دن سے وہ رسم وراہ بھی موقوف ہے — ورنہ برسوں نامہ بر آتا رہا جاتا رہا
دل چرا کر آپ تو بیٹھے ہوئے ہیں چین سے — ڈھونڈھنے والے سے پوچھے کوئی کیا جاتا رہا
مرگ دشمن کا زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال — دشمنی کا لطف شکوے کا مزا جاتا رہا
اچھی صورت کی رہا کرتی تھی اکثر تاک جھانک — رہ گئیں آنکھیں مگر وہ دیکھنا جاتا رہا
داغ کچھ وہم تھا جس کا انہیں ہوتا ملال — ہوگیا گم ہوگیا، جاتا رہا جاتا رہا

بلا سے جو دشمن ہوا ہے کسی کا — وہ کافر صنم کیا خدا ہے کسی کا
دعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے — کہ پورا ہو جو مدعا ہے کسی کا
کسی کی تپش میں خوشی ہے کسی کی — کسی کی خلش میں مزا ہے کسی کا
تمھیں اس سے کیا بحث کیوں پوچھتے ہو — کوئی تذکرہ ہورہا ہے کسی کا
اسی نے بتایا ہے اپنا کسی کو — جو دل سے کوئی ہورہا ہے کسی کا
بچے جان کس طرح تیری ادا سے — قضا پر کہیں بس چلا ہے کسی کا
مری التجا پر بگڑ کر وہ کہنا — نہیں مانتے اس میں کیا ہے کسی کا
وہ کرنے لگے ہیں قیامت کی باتیں — یہ سچ ہے تو بس فیصلا ہے کسی کا
سنا کرتے ہیں چھیڑ کر گالیاں ہم — وگر نہ کوئی سر پھرا ہے کسی کا
وہ کب تک رہے گا زمانے کا دشمن — ہمیشہ زمانہ رہا ہے کسی کا
بظاہر نہ جانے نہ جانے نہ جانے — تجھے داغ دل جانتا ہے کسی کا

داغ ہر ایک زباں پہ ہو فسانہ تیرا — وہ دن آتے ہیں وہ آتا ہے زمانہ تیرا
بوالہوس کو بھی ہوا نقد محبت پہ غرور — یا الٰہی کوئی لٹتا ہے خزانہ تیرا
تو نے مارا نہیں عاشق کو مگر یہ تو بتا — نام لیتا ہے مری جان زمانہ تیرا
صفتِ حسن کرے کوئی کسی پردے میں — بول اٹھتا ہے مری جان فسانہ تیرا
اس سلیقہ کی عداوت کہیں دیکھی نہ سنی — تو زمانے کا عدو دوست زمانہ تیرا
وعدۂ حشر پہ بیساختہ دل لوٹ گیا — عہد کا عہد بہانے کا بہانہ تیرا

غرض کس کو کرے ماتم ہمارا — مبارک ہو ہمیں کو غم ہمارا
ترے عالم کو جب سے ہم نے دیکھا — تماشائی ہے اک عالم ہمارا
پھر اتنا بھی نہیں اے داغ کوئی — غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا

قبہ روضۂ اطہر پہ جبیں فرسا ہو — اس طرح داغ مٹائے مہ کامل اپنا
باغ میں فصل خزاں اور نشیمن ویراں — دام سے چھوٹتے ہی چھوٹ گیا دل اپنا

پردۂ عرفاں نہیں ہے چاک کیا؟ — چشم بینا کے لیے ادراک کیا
صیقل آئینہ عرفاں بنا — کون جانے ہے یہ مشتِ خاک کیا
شوق ہو تو منزل مقصود ہے — دونوں پہنچیں ست کیا چالاک کیا
موج طوفاں خیز و صرصر تند و تیز — کر سکے اس جوش میں تیراک کیا
غور سے اے داغ دیکھیں منکرین — ہے جناب سیدؐ لولاک کیا
جذب دل آزما کے دیکھ لیا — اس نے کچھ مسکرا کے دیکھ لیا
اب خریدار ہی نہیں کوئی — مول اپنا بڑھا کے دیکھ لیا
قابل آشیاں کوئی نہ ملا — تنکا تنکا اٹھا کے دیکھ لیا
کبھی غش میں رہا شب وعدہ — کبھی گردن اٹھا کے دیکھ لیا

لوگ کہتے تھے چپ لگی ہے تجھے حال دل بھی سنا کے دیکھ لیا
داغ نے خوب عاشقی کا مزہ جل کے دیکھا جلا کے دیکھ لیا

اس التفات پر یہ تغافل ستم ہوا جتنا بڑھا تھا حوصلہ اتنا ہی کم ہوا
دم ٹوٹتا رہا شب وعدہ تمام رات کیا رشتۂ حیات بھی تیری قسم ہوا
بت خانہ کا نظارہ بھی گردن کا بوجھ ہے جب سامنے پڑا سر تسلیم خم ہوا
تیری گلی کا ایک یہ ادنیٰ نشان ہے پیدا اسی سے جادۂ راہ عدم ہوا
افسوس ہے رقیب نے کی آپ سے دغا مجھ کو بھی رنج آپ کے سر کی قسم ہوا
مسجد میں اذن عام تو ہے میکدے میں روک دنیا کا کام دین سے بڑھ کر اہم ہوا

روئے انور نہیں دیکھا جاتا دیکھیں کیونکر نہیں دیکھا جاتا
اے پریشاں نظری کیوں ہے تلاش دل کے اندر نہیں دیکھا جاتا
توبہ کے بعد بھی خالی خالی کوئی ساغر نہیں دیکھا جاتا
ہم جہاں ہیں وہیں دیکھیں گے تجھے ہم سے گھر گھر نہیں دیکھا جاتا
او مری نعش اٹھانے والے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جاتا
خط مرا پھینک دیا یہ کہہ کر ہم سے دفتر نہیں دیکھا جاتا
مختصر یہ ہے کہ اب داغ کا حال بندہ پرور نہیں دیکھا جاتا

اب دل ہے مقام بیکسی کا یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا
رونا ہے اب اس ہنسی خوشی کا ماتم ہے بہار زندگی کا
کس کس کو مزہ ہے عاشقی کا تم نام تو لو بھلا کسی کا
گلشن میں ترے لبوں نے گویا رس چوس لیا کلی کلی کا
اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں کہنا نہیں مانتے کسی کا

جیتے ہیں کسی کی آس پہ ہم　　احسان ہے ایسی زندگی کا
ہم بزم میں ان کی چپکے بیٹھے　　منہ دیکھتے ہیں ہر آدمی کا
روکیں انہیں کیا کہ ہے غنیمت　　آنا جانا کبھی کبھی کا
آغاز کو کون پوچھتا ہے　　انجام اچھا ہو آدمی کا
کہتے ہیں اسے زبان اردو　　جس میں نہ ہو رنگ فارسی کا

ایسے سے جو داغ نے نباہی　　سچ ہے کہ یہ کام تھا اسی کا

جہاں تیرے جلوے سے معمور نکلا　　پڑی آنکھ جس کوہ پر طور نکلا
یہ سمجھے تھے ہم ایک چرکا ہے دل پر　　دبا کر جو دیکھا تو ناسور نکلا
نہ نکلا کوئی بات کا اپنی پورا　　مگر ایک نکلا تو منصور نکلا
سمجھتے تھے ہم داغ گمنام ہوگا　　مگر وہ تو عالم میں مشہور نکلا

زمیں سے قدم عرش پر لے گیا　　فرشتوں سے بازی بشر لے گیا
دیا دوست کو بزم دشمن میں خط　　غضب لوک کی نامہ بر لے گیا

کب گدائے در میخانہ کو عار آتی ہے　　اُدک سے پی جو میسر قدح مل نہ ہوا
گل سے گلزار ہو دریافت گہر سے معدن　　کیا ہوا جزو سے معلوم اگر کل نہ ہوا

تغافل سے بڑھ کر بھی کیا جور ہوگا　　ستم ہو چکا یا ابھی اور ہوگا
یوں ہی گر حسینوں کی آمد رہے گی　　دکن رشک کشمیر و لاہور ہوگا
عیادت کو وہ داغ کی آئے خوش خوش　　یہ جانا کہ اب طور بے طور ہوگا

عرش و کرسی پہ کیا خدا ملتا
آگے بڑھتے تو کچھ پتا ملتا

عاشقی سے ملے گا اے زاہد
بندگی سے نہیں خدا ملتا

دوستوں سے تو کچھ نہ نکلا کام
کوئی دشمن ہی کام کا ملتا

تم کو یہ مل گیا ہے قسمت سے
داغ سا ورنہ دوسرا ملتا؟

یہ میں ہزار جگر حشر میں پکار آیا
کہ اور بھی کوئی مجھ سا گناہ گار آیا

گزر گئے اسی گردش میں اپنے لیل و نہار
شب فراق گئی .روز انتظار آیا

یہ حال تھا شب وعدہ کہ تا بہ راہگذر
ہزار بار گیا میں ہزار بار آیا

عجب نہیں جو معاصی ہوں وجہ آمرزش
گنہ کیا تو خیال مآل کار آیا

یہ عقدہ عاشق و معشوق کے چلن سے کھلا
سمجھ میں مسئلہ جبر و اختیار آیا

خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھایئے قسمیں
مجھے یقین ہوا، مجھ کو اعتبار آیا

بھولا مجھے تو بھول گیا اپنا گھر بھی کیا؟
جنگل میں جا کے کھیت رہا نامہ بر بھی کیا!

فرہاد جوئے شیر سے مشہور ہو گیا
آتا ہے کام وقت پہ ادنیٰ ہنر بھی کیا!

میری دعا کے ساتھ دعا کی رقیب نے
کل شب کو ہاتھوں ہاتھ لٹا ہے اثر بھی کیا!

کیوں داغ کے سوال سے چپ لگ گئی تمہیں
آتا نہیں جواب سمجھ سوچ کر بھی کیا!

ہمیں تو حضرت زاہد کی ضد نے پلوائی
یہاں ارادۂ شرب مدام کس کا تھا!

انہیں صفات سے ہوتا ہے آدمی مشہور
وہ لطف عام جو کرتے، یہ نام کس کا تھا!

ہر اک سے کہتے ہیں کیا داغ بے وفا نکلا!
یہ پوچھے ان سے کوئی وہ غلام کس کا تھا!

تقلید سے زاہد کی حاصل ہمیں کیا ہوتا؟
انساں نہ ملک بنتا، بندہ نہ خدا ہوتا

تم لطف اگر کرتے تو حال زمانے کا
ایسا ہی ہوا ہوتا؟ ایسا نہ ہوا ہوتا

ساقی تری محفل میں چرچا ہی نہیں مے کا   اس سے تو یہ بہتر تھا کچھ ذکر خدا ہوتا
ہم جان کے نامنصف ہیں داد طلب تجھ سے   وہ فیصلہ ہی کیا تھا جو روز جزا ہوتا
عاشق کا ذرا سا دل، تسکین ہی کیا اس کی   جھوٹا ہو کہ سچا ہو وعدہ تو کیا ہوتا
فریاد و فغاں سے تم اے داغ برے ٹھہرے   کچھ بھی نہ کیا ہوتا، کچھ بھی نہ ہوا ہوتا

اب ترے کوچے کی بستی کو نظر لگتی ہے   شہر اس طرح کا آباد نہ دیکھا نہ سنا
ہوتے آتے ہیں سلف سے یونہیں عاشق ناکام   اثر نالۂ و فریاد نہ دیکھا نہ سنا
آپ اپنے کو جو شاگرد کا شاگرد گنے   داغ سا ہم نے تو استاد نہ دیکھا نہ سنا

موت بھی چھو نہ سکی مجھ کو رہ الفت میں   میں نے پھر پھر کے اجل کو کئی منزل دیکھا
کیا سمجھتے نہیں ظاہر کی ملاقات کو ہم   دل تمہارا نہ ملا، ہم نے گلے مل دیکھا
اس نے جب حکم دیا تھا تجھے مرجانا تھا   داغ تو دے نہ سکا جان ترا دل دیکھا

مدام پیر مغاں کی ہیں نالشیں ہم پر   بہار آتے ہی ہم کو تو قرض کرلینا
عبث نباہ کے وعدے سے تم تو ڈرتے ہو   یہ کون بات ہے ! اک دن بگاڑ کرلینا
ہمیں تو شوق ہے بے پردہ تم کو دیکھیں گے   تمھیں ہے شرم تو آنکھوں پہ ہاتھ دھر لینا

یہ موقع مل گیا اچھا اسے تیشہ لگانے کا   محبت میں کہاں سر پھوڑتا پھر کوہکن اپنا

جب دھواں دھار گرجتی ہوئی آتی ہے گھٹا   طالع خفتہ کو میکش کے جگاتی ہے گھٹا
دل مجبور کے نالوں سے جو ہو ہم آواز   سینہ پھٹ جائے ترا کیا تری چھاتی ہے گھٹا
صورت ماہی بے آب ہیں میکش بیتاب   اس تپش میں اجل آتی ہے نہ آتی ہے گھٹا

آئینہ [1] دل نے تماشا کیا — اپنی جگہ میں اسے دیکھا کیا
ایک ستم اے ستم آرا کیا — اور کہوں اور کہوں کیا کیا
شکوے سے اس کے ہوئے بدنام سب — سو میں اگر ایک نے ایسا کیا
قتل جہاں اس کے لیے کھیل تھا — کون کہے آپ نے یہ کیا کیا
مرکے ہوئیں زندہ بہت حسرتیں — شوق نے اعجاز مسیحا کیا
داغ نے دیکھے ہیں ہزاروں حسیں — آپ نے کس شخص سے دعوا کیا

امید وار ہوں کرم بے حساب کا — پیتا ہوں ڈگڈگا کے پیالہ شراب کا
یہ بات ہے بہار چمن ہی کے واسطے — آتا نہیں پلٹ کے زمانہ شباب کا
اس بیقرار دل کا الٰہی علاج کیا — جس کے شکیب پر ہو گماں اضطراب کا

آج کو جمشید ہوتا تو دکھاتے اس کو نیر — دل ہمارا دیکھ کر کیا جام اپنا دیکھتا

کشتۂ ناز کو کیوں زندہ کریں آ کے مسیح — تم ہی ٹھکراؤ کہ ہے اس میں کرامات ہی کیا
عالم وجد میں بے خود نہیں ہوتے صوفی! — نشہ میں چور ہیں رندان خرابات ہی کیا
حشر کے دن وہی کافر مجھے مل جائے گا — میرے کردار کی ہے اور مکافات ہی کیا
روز پیتے ہیں صبوحی بھی ادا کر کے نماز — فرق آ جائے تو پابندی اوقات ہی کیا
جا کے پی آئے وہاں، آتے ہی توبہ کر لی — اس قدر دور ہے مسجد سے خرابات ہی کیا
مے انگور فرشتوں کی بھی قسمت میں نہیں — اس سے محروم ہیں اک قبلۂ حاجات ہی کیا
اب تمنائے شب وصل ہے کس کافر کو — بات کرنے میں گزر جائے تو وہ رات ہی کیا

---

1 مومن خاں دہلوی کا مطلع ہے:

دیدۂ حیراں نے تماشا کیا — دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا

دیکھ کر تیری ادا جی سے گزر جائے گا — مرنے والا تو قیامت میں بھی مرجائے گا
میرے ہمراہ پس مرگ ڈبونے کے لیے — دیدۂ تر نہ سہی دامن تر جائے گا
مایوس ہجر میں دل ناکام ہوگیا — رخصت ہو اے اجل مجھے آرام ہوگیا

نام زیر آسماں باقی رہا — مرشوں کا یوں نشاں باقی رہا
جاچکا اے داغ سب مال و متاع — شکر ہے لطف زباں باقی رہا

شوق ہے اس کو خود نمائی کا — اب خدا حافظ اس خدائی کا
صلح کے بعد وہ مزہ نہ رہا — روز سامان تھا لڑائی کا

داغ مے کو نہ دیکھ اے زاہد — دل تو ہے پاک رند مشرب کا
ہو مے ناب یا شراب طہور — تشنہ ہوں ساغر لبالب کا
شکر ہے داغ کامیاب ہوا — حق تعالیٰ بھلا کرے سب کا

جینا تو بلائے شب ہجراں میں نہ ہوگا — مرنا بھی الٰہی مرے امکاں میں نہ ہوگا

جل جل کے ہوئے خاک، ہوئی خاک بھی برباد — ہستی میں یہ ہستی تھی، عدم میں یہ عدم تھا

مجھ کو ارشاد سے ناصح کے یہ مفہوم ہوا — جس طرح سے کوئی بن بیٹھے ولی آپ ہی آپ
کبھی کثرت سے غرض ہے کبھی وحدت منظور — کبھی وہ انجمن آرا ہے کبھی آپ ہی آپ
دل لگی آگ ہے اے داغ خبر لو جلدی — جو لگائے سے لگی، کب وہ بجھی آپ ہی آپ

بگڑی[1] شوریدہ سری سے مرے گھر کی صورت — وہی دیوار کی صورت ہے جو در کی صورت

---

[1] غالب کا شعر ہے:

وفورِ گریہ نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ — کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار

اے جنوں خاک بیاباں کو بیاباں سمجھوں
میری آنکھوں میں ابھی پھرتی ہے گھر کی صورت

در و دیوار کا جلوہ نہیں دیکھا جاتا
ان کے آتے ہی بدل جاتی ہے گھر کی صورت

لیے جاتا ہے ہمیں جوشِ جنوں صحرا کو
دیکھتے جاتے ہیں منہ پھیر کے گھر کی صورت

حضرت داغ تو شاعر ہیں ہوا باندھتے ہیں
نہ دعا کی کوئی صورت نہ اثر کی صورت

بزم میں دیکھا ہے کس حسرت سے میں نے سوئے دوست
مجھ کو دشمن سے گلے مل کر جو آئی بوئے دوست

غیر کے نقشِ قدم اے داغ رہبر ہو گئے
مٹنے والوں نے بتایا ہے نشانِ کوئے دوست

نہیں سنتے وہ اب ہماری بات
سچ ہے بن آنے کی ہے ساری بات

کھیل ہے امتحاں ترے آگے
میرے آگے ہے جاں نثاری بات

حشر میں کچھ نہ کچھ نکالے گی
میری شرم گناہ گاری بات

خامشی میں ادا کریں مطلب
یہ تو ہے ان کی اختیاری بات

کیسی شب فراق یہ کس کا غرور صبح
کیا کھینچتی ہے آپ کو رہ رہ کے دور صبح

ملی ہم کو جنت قیامت کے بعد
ملے کیا خدا جانے جنت کے بعد

چبھتا تھا لڑکپن ہی سے کچھ بانکپن اس کا
ترچھی سی نگہ یاد ہے، برچھی سی ادا یاد

رہتا ہے عبادت میں ہمیں موت کا کھٹکا
ہم یادِ خدا کرتے ہیں کر لے نہ خدا یاد

آئے ہیں ترے کوچے میں ہم گھر سے نکل کر
اب جائیں کہاں عرصۂ محشر سے نکل کر

میں داورِ محشر سے بہت داد طلب تھا
وہ ڈانٹ گئے مجھ کو برابر سے نکل کر

دلّی سے چلو داغ کرو سیر دکن کی　　گوہر کی ہوئی قدر سمندر سے نکل کر

کہتے ہیں وہ یہ وصفِ گلِ نوبہار پر　　طرّہ ہے اپنی ایک جوانی ہزار پر
اس کو مٹائے دیتی ہے بیداد آپ کی　　اب کیجیے کرم ستم روزگار پر
پیری میں دل ہے یاد جوانی سے داغ داغ　　آئی ہوئی ہے اپنی خزاں بھی بہار پر

یوں برس پڑتے ہیں کیا ایسے وفاداروں پر　　رکھ لیا تو نے تو عشاق کو تلواروں پر
اشک خجلت کسی میکش کے جو دوزخ میں گریں　　اوس پڑ جائے دہکتے ہوئے انگاروں پر
محتسب توڑ کے شیشہ نہ بہا مفت شراب　　ارے کمبخت چھڑک دے اسے میخواروں پر
آگ تلوؤں سے لگی بزم عدو میں یارب　　فرشِ گل پر ہیں مرے پاؤں کہ انگاروں پر

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر　　بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

اپنی نظر میں ہیچ ہے سارے جہاں کی سیر　　دل خوش نہ ہو تو کس کا تماشا کہاں کی سیر
دلّی میں پھول والوں کی ہے ایک سیر داغ　　بلدے[1] میں ہم نے دیکھ لی سارے جہاں کی سیر

چبھتا ہے میرے دل میں ترے ناز کا انداز　　آزار کا آزار ہے انداز کا انداز
کیا جھوم کے مستانہ چلا جانب مقتل　　دیکھو تو ذرا عاشق جاں باز کا انداز
اے داغ مقلّد ہیں اسی طرز کے ہم بھی　　ہر شعر میں ہو بلبل[2] شیراز کا انداز

جوشِ رحمت کے واسطے زاہد　　ہے ذرا سے گناہگاری شرط

1 یعنی حیدرآباد
2 یعنی شیخ سعدی

پسند آئے ہم کو بھی اشعار داغؔ ‏ ‏ زباں پاک وشستہ بیاں صاف صاف

سب جھگڑے ہیں جانِ ناتواں تک ‏ ‏ رہے گا دم کہاں تک غم کہاں تک

وہ رخصت طلب اور میں جاں بلب ‏ ‏ رہا حشر وقتِ سحر دیر تک

عذر آنے میں بھی ہے اور بلاتے بھی نہیں ‏ ‏ باعثِ ترکِ ملاقات بتاتے بھی نہیں
منتظر ہیں دمِ رخصت کہ یہ مرجائے تو جائیں ‏ ‏ پھر یہ احسان کہ ہم چھوڑ کے جاتے بھی نہیں
کیا کہا پھر تو کہو' ہم نہیں سنتے تیری' ‏ ‏ نہیں سنتے تو ہم ایسوں کو سناتے بھی نہیں
ہو چکا قطع تعلق تو جفائیں کیوں ہوں ‏ ‏ جن کو مطلب نہیں رہتا وہ ستاتے بھی نہیں
خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں ‏ ‏ صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں
زیست سے تنگ ہوا ے داغؔ تو جیتے کیوں ہو ‏ ‏ جان پیاری بھی نہیں جان سے جاتے بھی نہیں

چوٹ کھاتا دلِ حزیں نہ کہیں ‏ ‏ درد رہ جائے گا کہیں نہ کہیں
ہے کدورت بھری ہوئی اس میں ‏ ‏ آسماں پر بھی ہو زمیں نہ کہیں
نہ کرو امتحانِ مہر و وفا ‏ ‏ آئے اس جھوٹ پر یقیں نہ کہیں
موت اسی آستاں پہ آجائے ‏ ‏ صرفِ سجدہ ہو پھر جبیں نہ کہیں
تیرے عاشق ہیں کافر و دیندار ‏ ‏ ایک ہوجائے کفر و دیں نہ کہیں
داغؔ پھر تاک جھانک کرتے ہیں ‏ ‏ اب گبھرے اب پھنسے کہیں نہ کہیں

اے فلک موردِ عتاب ہوں میں ‏ ‏ وصل سے خاک کامیاب ہوں میں
تم [1] میں یہ وصف ہے کہ ہو بے داغ ‏ ‏ مجھ میں یہ عیب بے حجاب ہوں میں

---

1 اس شعر کا عام مطلب کے علاوہ ایک خاص مطلب بھی ہے۔ یعنی حجاب مرزا داغؔ کی محبوبہ کا تخلص ہے اور داغ سے مراد خود شاعر کی ذات ہے۔

دیکھے بھلا کون انتظار کرے   اپنے قاصد کے ہمرکاب ہوں میں
جب ملا رہنما تو یہ جانا   رہرو راہ ناصواب ہوں میں
داغ کیا خوف صرصر عصیاں   خاک پائے ابو تراب ہوں میں

میں نے چاہا جو تمھیں اس کا گنہگار تو ہوں   مگر اتنا بھی سمجھ لو کہ وفادار تو ہوں
مے و معشوق سے انکار نہیں اے زاہد   عاشق زار تو ہوں، رند قدح خوار تو ہوں
گو مرے پاس نہیں غیر متاع کاسد   میں تماشائی انداز خریدار تو ہوں
تاب نظارۂ انوار تجلی نہ سہی   میری ہمت ہے کہ میں طالب دیدار تو ہوں
داغ مرنے نہیں دیتا مجھے رشک اغیار   ورنہ مرجاؤں ابھی جان سے بیزار تو ہوں

ہم دل کی بات داور محشر سے کیا کہیں   یہ راز کہہ کے اس بُت کافر سے کیا کہیں
دلبر اشارہ فہم ہے، دشمن نگاہ باز   ہم چپکے چپکے بھی دل مضطر سے کیا کہیں
کہتے ہیں وہ کہو تو سہی دل کا حال کچھ   حیران ہم کھڑے ہیں گھڑی بھر سے کیا کہیں
ہوتی صفائے دل تو بتاتا نہ آئینہ   جو ہر اس آئینہ کے سکندر سے کیا کہیں
بے وجہ اِن بتوں کی خموشی نہیں ہے داغ   کیا جانے کل یہ داور محشر سے کیا کہیں

بہت دور اسکی قیامت نہیں   مگر ان کو وعدے کی عادت نہیں
غم دوجہاں بھی ہے کافی مجھے   مگر آدمی کو قناعت نہیں
اٹھاکر مری نعش اس نے کہا   "کوئی[1] اس سے بڑھ کر مصیبت نہیں"
ہوا توبہ مے سے میں جاں بلب   عداوت ہے یہ ترک عادت نہیں
مزاج آپ کا ہے مزاج آج کل   پرائی طبیعت طبیعت نہیں

---

1 اس قول کے دو معنی ہیں۔(1) اس موت سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں یا (2) اس نعش کے اٹھانے سے۔

کہاں دل سے میں نے اسے یاد رکھ قطعہ انہیں تجھ سے نفرت ہے الفت نہیں

وہاں بے نیازی ہے ہرشاں میں وہاں خود نمائی سے فرصت نہیں
وہ کیوں وعدۂ وصل پورا کریں یہ اقرار ہے کوئی منّت نہیں
وہ کیوں جذبِ دل سے ہوں اندیشہ مند محبت ہے کوئی کرامت نہیں
وہ کیوں سوزِ داغِ جگر سے ڈریں کہ یہ آفتاب قیامت نہیں
وہ کیوں چشم پر خوں کی دیکھیں بہار یہ رونا ہے بارانِ رحمت نہیں
وہ کیوں سن کے پی جائیں غیروں کی بات یہ ہیں زہر کے گھونٹ شربت نہیں
وہ کیوں عشق ظاہر کو باور کریں حقیقت میں کچھ بھی حقیقت نہیں
وہ کیوں جوشِ مشتاق پر رحم کھائیں عدو کے مرض کی یہ شدت نہیں
وہ کیوں دیکھیں صورت اٹھا کر نگاہ یہ کیا بارِ ناز و نزاکت نہیں
وہ کیوں مول لیں جنسِ دل کیا غرض کہ اس شے کی ان کو ضرورت نہیں
وہ کیوں شکوۂ رنجِ فرقت سنیں شکایت ہے یہ کچھ حکایت نہیں
وہ کیونکر نہ دیں جھڑکیاں گالیاں کہ عاشق مزاجوں کی عزت نہیں
دیا دل نے مایوس ہو کر جواب ہیں داغ اب کوئی حسرت نہیں

جو یکدلی ہو تو ہو بات کا یقیں سے یقیں کہ ہاں سے ہاں ہے ہرے مہرباں نہیں سے نہیں
تری گلی کے مقابل جو لائیں جنت کو مکاں مکاں سے کرے روکشی مکیں سے مکیں
علاج اور نہیں کوئی خوش نصیبی کا نصیب ہو تو ملوں غیر کی جبیں سے جبیں
ہمارے دل پہ محبت کا نقش کندہ ہے ملا سکے نہ سلیماں بھی اس نگیں سے نگیں
درِ صنم سے گیا منہ اٹھائے کعبے کو اڑا کے لے گئی وحشت مجھے کہیں سے کہیں
صفائے دل ہو تو ہو پیچدار کیوں تقریر یہ باتیں آپ کی ہم نے چناں چنیں سے چنیں
تمھارے سامنے یہ آئینے کی صورت ہے کہ جس طرح سے کرے لاگ ہر حسیں سے حسیں
غزل میں داغ کی مضموں ہیں خاکساری کے نہیں ہے پست ان اشعار کی زمیں سے زمیں

اڑائی خاک تیری جستجو میں ہر کہیں برسوں
پھری ہے آسماں بن کر مرے سر پر زمیں برسوں

نہ آنکھوں کا اجارہ ہے نہ دل کا زور ہے ان پر
وہ خود مختار ہیں ٹھہریں کہیں دم بھر کہیں برسوں

صفائی اس کو کہتے ہیں؟ اسی پر ناز ہے تم کو؟
کدورت بیٹھ کر دل سے نکلتی ہی نہیں برسوں

یہیں رہنا، یہیں سہنا، یہیں مرنا، یہیں بھرنا
یہی در ہے یہی سر ہے گزاریں گے یہیں برسوں

نہیں تھا تو بھی تھا وہ بیوفا آغوش دشمن میں
کہ میری بدگمانی نے اسے رکھا وہیں برسوں

خدا کی شان اب تم داغ کی صورت سے جلتے ہو
وہی دل سوز ہے جو رہ چکا ہے دل نشیں برسوں

نام ظالم کا جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو
آسماں کو بھی ستم گار کہوں یا نہ کہوں

کہہ چکے غیر تو افسانے سب اپنے اپنے
مجھ کو کیا حکم ہے سرکار، کہوں یا نہ کہوں

داغ ہے نام مرا، برق طبیعت میری
گرم اس طرح کے اشعار کہوں یا نہ کہوں

مقتضائے وقت کا پابند ہر حالت میں ہوں
میں زمیں پستی میں ہوں تو آسماں رفعت میں ہوں

ایک میں دل کے نہ ہونے سے ہزار آفت میں ہوں
غم میں ہوں ماتم میں ہوں، حیرت میں ہوں حسرت میں ہوں

کیوں ہوا جاتا ہے دل پر ان بتوں کا اختیار
میں تو یا اللہ تیرے قبضۂ قدرت میں ہوں

جلوۂ دیدار کو ہے خودنمائی سے غرض
اور میں کم بخت بیخود شوق کی حالت میں ہوں

میں برا اور طبیعت مری اچھی کیا خوب
منتخب کیوں مرے اشعار ہوا کرتے ہیں

دیکھیں تو کیسے فتنے ہیں نیچی نگاہ میں
آئینہ رکھ دے کاش کوئی ان کی راہ میں

تقدیر کو جب آگ لگاتا ہے سوزِ عشق
ہوتی ہے روشنی مرے بختِ سیاہ میں
دل بھی کہیں جمے تو ہمارا قدم جمے
اک پاؤں بت کدے میں تو اک خانقاہ میں
کیوں داغ دہلوی کی زباں مستند نہ ہو
پیدا کیا خدا نے اسے تخت گاہ میں

یہ کیا کہا کہ غیر کو تجھ سے حسد نہیں
بن جاؤ تم گواہ تو اس کی سند نہیں
ہم کو ملے تو لطف رہے اے جنابِ خضر
گردش زدوں کو لذتِ عمرِ ابد نہیں
کیا فرض ہے کہ ہو بنی آدم ہی میں رقیب
شیطان رو سیاہ بھی تو لاولد نہیں
ہم کس شمار میں رہے ہو کر خمیدہ پشت
یہ حرف ہمزہ وہ ہے کہ جس کا عدد نہیں
وہ امتحاں کریں تو سہی سوزِ عشق کا
اے داغ داغِ دل سے زیادہ سند نہیں

تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں
تجھے ہر بہانے سے ہم دیکھتے ہیں
ہماری طرف اب وہ کم دیکھتے ہیں
وہ نظریں نہیں جن کو ہم دیکھتے ہیں
پھرے بت کدے سے تو اے اہلِ کعبہ
پھر آکر تمہارے قدم دیکھتے ہیں
نہ ایمائے خواہش نہ اظہارِ مطلب
مرے منہ کو اہلِ کرم دیکھتے ہیں
ہزار رنج و مصیبت کے دن گزارے ہیں
کبھی جو لڑ گئی قسمت تو وارے نیارے ہیں
خدا کی شانِ کریمی کا پوچھنا کیا ہے
غضب تو یہ ہے گنہ گار ہم تمہارے ہیں
برا نہ جان حسینوں کو، مان اے واعظ
خدا گواہ یہ بندے خدا کو پیارے ہیں
کھلے نہ بابِ اجابت تو کیا کرے کوئی
بہت دعا نے پکارا ہے، ہاتھ مارے ہیں

وہ میں اس بزمِ ہستی میں عزیزِ اہلِ محفل ہوں
ہزاروں جان کی اک جان، لاکھوں دل کا اک دل ہوں
پتے کی کہہ رہا ہوں بھی بھی بیخودی میں بھی
عجب مجذوب سالک ہوں، عجب ہشیار غافل ہوں

کہاں کی داد خواہی، حشر میں جب یہ کہا اس نے
ترا جی چاہتا ہے میں گنہ گاروں میں شامل ہوں
محبت کی نشانی دفتر عالم میں ہے مجھ سے
نہ کوئی مدّ زائد ہوں، نہ کوئی حرف باطل ہوں
زمیں سے آسماں تک جانتے ہیں جاننے والے
مجھے دیکھو کہ میں اپنے کیے سے آپ غافل ہوں
خدا جانے فلک کو داغ مجھ سے کیوں عداوت ہے
کسی فن میں نہ لائق ہوں، نہ فائق ہوں، نہ کامل ہوں

جل کے ٹھنڈے ہوئے ترے غم میں — ہم کو جنت ملی جہنم میں
کیا اسی نازکی پہ دھوئی ہے — آپ پھرتے ہیں چشم عالم میں
رو سیاہی گئی نہ اے زاہد — ڈوب مرنا تھا چاہ زمزم میں
اب عنایت ہے کیوں خدا کے لیے — کون سی بات بڑھ گئی ہم میں
داغ کو وہ جلا کے کہتے ہیں — ہم نے روشن کیا ہے عالم میں

شکر بھی ٹھہرا شکایت میں کروں تو کیا کروں — بات کرنی ہے قیامت میں کروں تو کیا کروں
التجائیں جس قدر تھیں، اس بت کافر سے کیں — اب خدا سے عرض حاجت میں کروں تو کیا کروں
پا برہنہ، دشت ویراں، دور منزل راہ سخت — تو بتا اے شام غربت میں کروں تو کیا کروں
ہوش ہی جاتے رہیں تو آدمی کیا کر سکے — دیکھ لوں جب اچھی صورت میں کروں تو کیا کروں
ضبط غم بھی ناصح مشفق کیا دو چار دن — اور اے حضرت سلامت میں کروں تو کیا کروں

اس ادا سے وہ جفا کرتے ہیں — کوئی جانے کہ وفا کرتے ہیں
یوں وفا عہد وفا کرتے ہیں — آپ کیا کہتے ہیں کیا کرتے ہیں

چلیے عاشق کا جنازہ اٹھا
آپ بیٹھے ہوئے کیا کرتے ہیں
نامہ بر تجھ کو سلیقہ ہی نہیں
کام باتوں میں بنا کرتے ہیں
داغ تو دیکھ تو کیا ہوتا ہے
جبر پر صبر کیا کرتے ہیں

اُن کو کہاں ہے صبر وتحمل عتاب میں
دم بھر کے بعد اور خط آیا جواب میں
کیوں فکر اس قدر ہے رقیبوں کے باب میں
ان کے گنہ بھی ڈال دو میرے حساب میں
صوفی کو اجتناب ہے واعظ کو احتراز
کیا زہر گھل گیا ہے الٰہی شراب میں
اس نے بغیر خط کے پڑھے لکھ دیا جواب
یہ بات بھی ہے لکھنے کے قابل کتاب میں
آنکھ اپنی بند ہوتے ہی پردے سے اٹھ گئے
دیکھا تھا ہم نے خاک جہان خراب میں
تم مجھ پر جور کر کے پشیمان بھی نہیں
میں تم سے دل لگا کے پڑا کس عذاب میں
دل دے کے مفت مول لیا پھر ہزار بار
اپنے دھوئیں بکھر گئے عہد شباب میں
ترجمہ ہوئے ہیں کیسے، وہ برسے ہیں کس قدر
لگتی لگاتی بات جو کہہ دی عتاب میں
کچھ ہوش ہو تو داغ کو سمجھائیں نیک و بد
ڈوبا ہوا ہے نشۂ جامِ شراب میں

یا تو ایسی مہربانی مجھ پہ یا کچھ بھی نہیں
ابتدا ہی ابتدا تھی، انتہا کچھ بھی نہیں
دیکھ کر تصویر یوسف کہہ دیا کچھ بھی نہیں
آپ ہی سب کچھ ہیں گویا دوسرا کچھ بھی نہیں
تم اگر بیداد گر ہو تو خدا ہے داد گر
یہ نہ سمجھو پرسشِ روز جزا کچھ بھی نہیں
ان کو خط لکھا ہے سو پہلو بچا کر خوف سے
ہے عبارت ہی عبارت مدعا کچھ بھی نہیں
تو نے قسامِ ازل غیروں کو کیا کیا کچھ دیا
داغ ہے محروم، اس کے نام کا کچھ بھی نہیں

کسی کا مجھ کو نہ محتاج رکھ زمانے میں
کمی ہے کون سی یارب ترے خزانے میں
اس انفعال سے گھر چھوڑنا پڑا مجھ کو
وہ آج آئیں گے میرے غریب خانے میں
سرِ نیاز کے جھکتے ہی آنکھ سے دیکھا
بھرا ہے جلوہ عجب تیرے آستانے میں

نہ رکھ مجھے قفس آہنی میں اے صیاد　　بجائے خار تھے گل میرے آشیانے میں
مآل کار خدا جانے داغ کیا ہوگا　　خدا سے کام پڑا آخری زمانے میں

مزہ دے گیا ہے فسانہ ہمارا　　مہینوں وہاں اس کے چرچے رہے ہیں
عجب خوبیاں خوب رویوں میں دیکھیں　　برائی میں بھی سب سے اچھے رہے ہیں
نصیبوں سے ملتا ہے درد محبت　　یہاں مرنے والے ہی اچھے رہے ہیں
جنہیں اس نے لکھا ہے حرف تسلی　　وہ کم بخت برسوں تڑپتے رہے ہیں
گئی داغ کے ساتھ مہر و محبت　　فقط اب تو دعوے ہی دعوے رہے ہیں

خط میں لکھے ہوئے رنجش کے کلام آتے ہیں　　کس قیامت کے یہ نامے مرے نام آتے ہیں
تاب نظارہ کسے ہو دیکھے جو ان کے جلوے　　بجلیاں کوندتی ہیں جب لب بام آتے ہیں
رہرو راہ محبت کا خدا حافظ ہے　　اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں
وہ ڈرا ہوں کہ سمجھتا ہوں یہ دھوکا تو نہ ہو　　اب وہاں سے جو محبت کے پیام آتے ہیں

کھلے گر بال و پر اب کے تو صیاد　　قفس رکھا ہوا ہے آشیاں میں
جو ہو اجازت صیاد و طاقت پرواز　　قفس کو لے کے چلا جاؤں آشیانے میں

ہوئی جاتی ہے عالم کی صفائی　　رہو تم امتحاں ہی امتحاں میں
سنا دے قصہ خواں ان کو مرا حال　　لگا دے یہ بھی ٹکڑا داستاں میں
نمود حسن کو ہے عشق درکار　　بہت ہوتے ہیں یوسف کارواں میں
کہا سب نے کلام داغ سن کر　　غنیمت ہے یہ دم ہندوستاں میں

دم نہیں، دل نہیں، دماغ نہیں　　کوئی دیکھے تو اب وہ داغ نہیں

داغ کو کیوں مٹائے دیتے ہیں   دل سے ہو دور یہ وہ داغ نہیں

خدا سے گفتگو ہے اور میں ہوں   کل اُسے بے مہر تو ہے اور میں ہوں
نکالوں چھان کر ساری خدائی   اب اس کی جستجو ہے اور میں ہوں
ملیں گے کل کہ وہ سمجھیں گے مجھ سے   کہا ہے "داغ تو ہے اور میں ہوں"

نیند آئے جو کسی رات ، یہ ممکن ہی نہیں   مجھ پہ گزری نہ قیامت ، وہ کوئی دن ہی نہیں
دم شماری دل مجبور بری ہوتی ہے   جان کی خیر اسی میں ہے کہ تو گن ہی نہیں
کون گرداب محبت سے نکالے مجھ کو   آشنا کوئی مدد گار و معاون ہی نہیں
آپ کے دل کی خبر کیوں نہ ہو میرے دل کو   کیا زمانے میں کوئی صاحب باطن ہی نہیں
کس کو اے داغ سنائیں غزل اپنی کہہ کر   میر و مرزا ہی نہیں ، غالب و مومن ہی نہیں

صبح تک دل کو دلاسے شب غم دیتے ہیں   جس کو تم دے نہیں سکتے ہاسے ہم دیتے ہیں
وعدے کرنے کو وہ تیار تھے سچے دل سے   میں نے کمبخت یہ جانا ، مجھے دم دیتے ہیں
سادگی ہے کہ شرارت ہے ، جو ہر بات پہ وہ   میرے دشمن کو مرے سر کی قسم دیتے ہیں
دل شکن ان سے زیادہ کوئی لکھے گا جواب   کس لیے ہاتھ میں دشمن کے قلم دیتے ہیں
زاہدوں کو برکت کا ہے مہینہ رمضاں   فاقے کرتے ہیں مگر کب یہ بھرم دیتے ہیں
رنج دینے کا عبث داغ ہے شکوہ ان سے   جس کو دیتا ہے خدا ، اس کو صنم دیتے ہیں

ان کے اک جاں نثار ہم بھی ہیں   ہیں جہاں سو ہزار ہم بھی ہیں
اے فلک کہہ تو کیا ارادہ ہے   عیش کے خواستگار ہم بھی ہیں
تم اگر اپنی گوں کے ہو معشوق   اپنے مطلب کے یار ہم بھی ہیں
کون سا دل ہے جس میں داغ نہیں   عشق میں یادگار ہم بھی ہیں

کل جو تھا آج وہ مزاج نہیں
اس تلون کا کچھ علاج نہیں

آئینہ دیکھتے ہی اترائے
پھر یہ کیا ہے اگر مزاج نہیں

دل بے مدعا خدا نے دیا
اب کسی شے کی احتیاج نہیں

بے نیازی کی شان کہتی ہے
بندگی کی کچھ احتیاج نہیں

درد فرقت کی گو دوا ہے وصال
اس کے قابل بھی ہر مزاج نہیں

صبر بھی دل کو داغ دے لیں گے
ابھی کچھ اس کی احتیاج نہیں

سب لوگ جدھر وہ ہیں اُدھر دیکھ رہے ہیں
ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں

اب اے نگہ شوق نہ رہ جائے تمنا
اس وقت اِدھر سے وہ اُدھر دیکھ رہے ہیں

ہر چند کہ ہر روز کی رنجش ہے قیامت
ہم کوئی دن اس کو بھی مگر دیکھ رہے ہیں

کیوں کفر ہے دیدار صنم حضرت واعظ
اللہ دکھاتا ہے بشر دیکھ رہے ہیں

میں داغ ہوں، مرتا ہوں، ادھر دیکھیے مجھ کو
منہ پھیر کے یہ آپ کدھر دیکھ رہے ہیں

دل کے سوا نہ کعبے میں ہے وہ نہ دیر میں
گر ہے تو بس یہیں ہے نہیں تو کہیں نہیں

اس در پہ جبہ سا ہو تو پھر کوئی کیوں اٹھے
یا سنگ آستاں ہی نہیں یا جبیں نہیں

کیا لطف دے رہی ہیں ادائیں عتاب کی
ہے موج بحر حسن وہ چین جبیں نہیں

تم مہربان ہو کہ نہ ہو اس سے بحث کیا
وہ دل نہیں، وہ لاگ نہیں، وہ ہمیں نہیں

معشوق بن کے چھوٹ گئے سب ستم شعار
یارب ستم رسیدوں کی پرسش کہیں نہیں

مذہب میں اپنے ترک ملاقات کفر ہے
یہ بات ہم نشیں کی تو کچھ دل نشیں نہیں

باتیں تمھاری اور تمھاری شکایتیں
جو کچھ سنی ہیں ہم نے وہ تم سے کہیں نہیں

وہ نہایت ہمیں مغرور نظر آتے ہیں
پاس بیٹھے ہیں مگر دور نظر آتے ہیں

چاند سورج کو فلک اپنے لیے رہنے دے — ہم کو کیا کیا رخ پر نور نظر آتے ہیں
نہیں غم خانہ عالم میں کوئی بھی ہشیار — ہم کو مخمور ہی مخمور نظر آتے ہیں
شکر کرتا ہوں انہیں دیکھ کے دشمن ہوں کہ دوست — مجھ کو دنیا میں جو مسرور نظر آتے ہیں

ہے تاک میں دزدیدہ نظر دیکھیے کیا ہو — پھر دیکھ لیا اس نے ادھر دیکھیے کیا ہو
زاہد کو بڑا ناز ہے میکش کو بڑا عجز — اللہ کو مقبول مگر دیکھیے کیا ہو
اب کے تو بمشکل دل مضطر کو سنبھالا — اندیشہ ہے یہ بار دگر دیکھیے کیا ہو
اندیشۂ فردا میں عبث حال گنوائیں — ہے آج کے کل کی خبر دیکھیے کیا ہو
پھر یاس منافی ہے مرے دل کی تمنا — بن بن کے بگڑتا ہے یہ گھر دیکھیے کیا ہو

کیوں وعدۂ وصال سے دل بدگماں نہ ہو — یہ شرط ہے تری کہ خدا درمیاں نہ ہو
گھلتی ہے جان ایک ہی دشمن کی فکر میں — یارب شریک حال عدو آسماں نہ ہو
پوچھیں وہ جب خوشی سے قیامت کی بات ہے — میرا ہی حال اور مجھ سے بیاں نہ ہو
سارا جہان جان کو کہتا ہے بے وفا — مجھ کو یہ فکر ہے تمھیں جان جہاں نہ ہو
یارب پس فنا بھی رہے شرم بیکسی — یہ مشت خاک گرد رہ کارواں نہ ہو
یارب بنا دے تو اسی صورت کا اور کچھ — اس آسماں سے تنگ ہیں یہ آسماں نہ ہو

نہ دنیا سے ملے راحت نہ تجھ سے چین اصلا ہو — مگر پھر یہ دعا دیتا ہوں، تو ہو اور دنیا ہو
ترے دیدار کو بھی مجمع محشر ہی زیبا ہو — کہ جیسے دیکھنے والے ہوں ویسا ہی تماشا ہو
جو وحدت میں دوئی اس مرتبہ کی ہو تو زیبا ہو — تمھیں تم ہو تو بہتر ہو، ہمیں ہم ہوں تو اچھا ہو
اگر غافل نہ ہوتے ہم تو کب کے مر چکے ہوتے — کسے یہ یاد کل کیا تھا، کسے معلوم کل کیا ہو
نگاہ پاک سے دیکھے جمال پاک محبوبی — اگر دامان یوسف، پردۂ چشم زلیخا ہو

ہوئی یہ انتظار یار میں ہر اشک کی صورت
جو تھم جائے تو پتھر ہو، جو بہہ جائے تو دریا ہو

ابھی نفرت ہے تم کو داغ سے وہ دن بھی آتے ہیں
خدا چاہے تو اس کمبخت کو دل سے تمھیں چاہو

تم آئینہ ہی نہ ہر بار دیکھتے جاؤ
مری طرف بھی تو سرکار دیکھتے جاؤ

نہیں ہے جنس وفا کی تمھیں جو قدر نہ ہو
بنیں گے کتنے خریدار دیکھتے جاؤ

بہار عمر میں باغ جہاں کی سیر کرو
کھلا ہوا ہے یہ گلزار دیکھتے جاؤ

ہوا ہے کیا ابھی ہنگامہ اور کچھ ہوگا
فغاں ہیں حشر کے آثار دیکھتے جاؤ

تمھیں غرض جو کرو رحم پائمالوں پر
تم اپنی شوخی رفتار دیکھتے جاؤ

ادھر کو آ ہی گئے اب تو حضرت زاہد
یہیں ہے خانہ خمار دیکھتے جاؤ

نہیں ہیں جرم محبت میں سب کے سب ملزم
خطا معاف! خطا وار دیکھتے جاؤ

کوئی نہ کوئی ہر اک شعر میں ہے بات ضرور
جناب داغ کے اشعار دیکھتے جاؤ

عشق تاثیر کرے اور وہ تسخیر بھی ہو
یہ تو سب کچھ ہو مگر خواہش تقدیر بھی ہو

طبع زری سے انسان کی مٹی ہے خراب
خاک میں ہم تو ملادیں اگر اکسیر بھی ہو

مارے باندھے ہی سے چھوڑے گا فلک اپنی چال
کہکشاں اس کے لیے تیغ بھی زنجیر بھی ہو

کوئی نادان ہوں یاروں کے کہے میں آؤں
جس کو تدبیر بتاتے ہیں وہ تدبیر بھی ہو

جو سمجھے ہیں کوئی کام نہیں کرسکتے
انہیں بوڑھوں میں شمار فلک پیر بھی ہو

تم نمک خوار ہوئے شاہ دکن کے اے داغ
اب خدا چاہے تو منصب بھی ہو جاگیر بھی ہو

کیوں کرتے ہو دنیا کی ہر اک بات سے توبہ
منظور تو ہے میری ملاقات سے توبہ

کیونکر نہ کروں شور مناجات سے توبہ
آغاز ہو جب چار گھڑی رات سے توبہ

زاہد نے چھپایا ہے اسے گوشۂ دل میں
بھاگی تھی کسی رند خرابات سے توبہ

یہ فصل اگر ہوگی تو دن رات پئیں گے — ہم سے سے کریں توبہ کہ برسات سے توبہ
وہ آئی گھٹا جھوم کے للچانے لگا دل — واعظ کو بلاؤ کہ چلی بات سے توبہ
دنیا میں کوئی بات ہی اچھی نہیں زاہد — اس بات سے توبہ کبھی اس بات سے توبہ
امید ہے مجھ کو یہ ندا آئے دم مرگ — مقبول ہوئی اس کی مناجات سے توبہ
یہ داغؔ قدح خوار کے کیا دل میں سمائی — سنتے ہیں کیے بیٹھے ہیں وہ رات سے توبہ

دل کی ہے پرورش خلش و درد و غم کے ساتھ — کتنے لگے پڑے ہیں یہاں ایک دم کے ساتھ
افسوس اس زمانے میں وہ چیز ہی نہیں — دل کو ملا کے دیکھتے ہم جام جم کے ساتھ
اہل و دل نہ دیکھیں مجھے چشم نم سے داغؔ — دولت لگی پڑی ہے مری دم قدم کے ساتھ
قاصد کی چال اور ہے تیور کچھ اور ہیں — اچھا برا جواب یہ لایا تو کچھ نہ کچھ
ہنگام امتحان ستم یاد تو کیا — بارے انہیں ہوئی مری پروا تو کچھ نہ کچھ
عشرت نہ ہو قلق ہو، یہ قسمت کی بات ہے — پھل عاشقی کا داغؔ نے پایا تو کچھ نہ کچھ

دنیا سے کیا غرض جو رہے ہم سے واسطہ — اس واسطہ سے چھوڑ دو عالم سے واسطہ
تیرے مریض غم کی دعا ہے یہ دم بدم — ڈالے خدا نہ عیسیٰ مریم سے واسطہ
جب غیر غیر ہے تو اسے کیوں ہو لاگ ڈانٹ — کچھ تم سے واسطہ ہے نہ کچھ ہم سے واسطہ
سچ ہے مقام دوست کے طالب کو کیا غرض — جنت سے واسطہ نہ جہنم سے واسطہ
پیغام بے رقیب کا آخر بنا لیا — پیدا کیا یہ کوشش پیہم سے واسطہ
آخر بغیر تر ہوئے دامن نہ بچ سکا — اس کو پڑا ہے دیدۂ پرنم سے واسطہ

آرام کچھ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا — زیر فلک نہیں ہے تو زیر زمیں سہی
سجدے ہی کرتے جائیں گے ہم تیری راہ میں — ہے نقش پا سے عار تو نقش جبیں سہی
بے دل لگی بھی داغؔ گزرنی محال ہے — وہ دل نہیں سہی، وہ تمنا نہیں سہی

ایک طوفاں ہے غمِ عشق میں رونا کیا ہے — نہیں معلوم کہ انجام کو ہونا کیا ہے
ابرِ رحمت ہے ادھر، دیدۂ پُرنم ہے ادھر — مشکل اس نامۂ اعمال کو دھونا کیا ہے
تم پہ مر جائیں گے اس آس پہ ہم جیتے ہیں — زندگی شرط ہے تو جان کا کھونا کیا ہے
آشنا بحرِ محبت سے نکالیں نہ مجھے — ڈوبنے والے کو دشوار ڈبونا کیا ہے

سب کچھ تو ہو چکا یہ فقط انتظار ہے — کہہ دیں بگڑ کے آپ، "تجھے اختیار ہے"
ان پہلوؤں سے پوچھ لیا اس نے دردِ دل — نکلا مری زبان سے بے اختیار "ہے"
یہ آپ جانیں داغ میں جو ہیں برائیاں — اتنا تو ہم کہیں گے بڑا وضع دار ہے

کلیجا کرے خون وہ دل یہی ہے — تمھارے برابر کا قاتل یہی ہے
برائی نہ چاہے، بروں سے برا ہے — اگر ہے تو دنیا میں مشکل یہی ہے
نہ آئے گا کوئی نہ بیٹھے گا کوئی — اگر آپ کا رنگِ محفل، یہی ہے
ترا جلوہ ٹھہرا ہے مقصودِ عالم — کہ ساری خدائی کا حاصل یہی ہے
ہماری شبِ غم گزر جائے یارب — کہ آسان کرنے کی مشکل یہی ہے
وفا وہ کریں داغ یہ کس نے مانا — مگر آپ کا زعمِ باطل یہی ہے

آرزو ہے وفا کرے کوئی — جی نہ چاہے تو کیا کرے کوئی
گر مرض ہو دوا کرے کوئی — مرنے والے کا کیا کرے کوئی
ان سے سب اپنی اپنی کہتے ہیں — میرا مطلب ادا کرے کوئی
یہ ملی داد رنجِ فرقت کی — اور دل کا کہا کرے کوئی
جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں — ایسی جنت کا کیا کرے کوئی
اس جفا پر تمھیں تمنا ہے — کہ مری التجا کرے کوئی
منہ لگاتے ہی داغ اترایا — لطف ہے پھر جفا کرے کوئی

کب وہ چونکے جو شرابِ عشق سے مستانہ ہے　　شورِ محشر اس کو بہرِ خواب اک افسانہ ہے
پھر سرِ شوریدہ پہ جوشِ جنوں دیوانہ ہے　　پھر دلِ تفیدہ پہ برق بلا پروانہ ہے
اس کے در پہ جا کے ہوتا ہے گدا کو بھی یہ ناز　　لوگ کہتے ہیں مزاج اس شخص کا شاہانہ ہے
پائے ساقی پہ گرایا جب گرایا ہے مجھے　　چال سے خالی کہاں یہ لغزشِ مستانہ ہے
کوہکن کا تھا یہی پیشہ جو کاٹا تھا پہاڑ　　کام مشکل جاں کنی لے ہمت مردانہ ہے
داغ یہ ہے کوئے قاتل، مان ناداں، ضد نہ کر　　اٹھ یہاں سے، آ ادھر، گھر بیٹھ، کچھ دیوانہ ہے

غیر ہو ناشاد! کیوں کیسی کہی؟　　چاہتا ہوں داد، کیوں کیسی کہی؟
تم نے دل کی بات کیوں کیسی سنی　　ہم نے یہ روداد کیوں کیسی کہی!
تو بھی اے ناصح کسی پہ جان دے　　ہاتھ لا استاد، کیوں کیسی کہی!

کہا تھا ہم نے جو کچھ رازداں سے　　سنا وہ آج دشمن کی زباں سے
مری آہیں، رقیبوں کی دعائیں　　یہ فوجیں لڑ رہی ہیں آسماں سے
چلے بے راہ اکثر رہروِ شوق　　بچی جاتی ہے منزل کارواں سے
ہر اک میں عیب نکلیں گے کہاں تک　　تمہیں اچھے سہی سارے جہاں سے
سنا ہے آئی کچھ اس پر بھی آفت　　مزہ ملنے کا اب ہے پاسباں سے
کہاں اے داغ اب اپنا ٹھکانا　　اٹھا بیٹھے ہیں دل دونوں جہاں سے

تاثیرِ محبت نے کیوں دیر لگائی ہے　　یارب مری قسمت نے کیوں دیر لگائی ہے
میخانہ پہ آ جائے گھنگھور گھٹا گھر کر　　اللہ کی رحمت نے کیوں دیر لگائی ہے
کم ظرف نہیں میکش، ہے ان کو حیا مانع　　ساقی تری ہمت نے کیوں دیر لگائی ہے

کل صبح قیامت ہے، کیا جانے کوئی اس کو　　میری شب فرقت نے کیوں دیر لگائی ہے
دشوار نہیں میرے لکھے کا بدل دینا　　پھر کاتب قدرت نے کیوں دیر لگائی ہے
تم کہہ نہ سکے جلدی اشعار بہت اچھے　　اے داغ طبیعت نے کیوں دیر لگائی ہے

وقت انصاف جو تم پاس ہمارے ہوتے　　روبرو داور محشر کے اشارے ہوتے
میرے گن گن کے گذاری شب دیجور فراق　　کیا مصیبت تھی جو گنتی کے ستارے ہوتے
شب فرقت میں دھوں دھار گھٹا چھائی ہے　　کاش گنتے جو نمودار ستارے ہوتے
بے نیازی کی ادا ان میں نہ ہوتی ہرگز　　داغ یہ بت جو نہ اللہ کو پیارے ہوتے

فراق یار میں تسکیں دل بیتاب کو ہوتی　　جو اپنے عیش سے فرصت مرے احباب کو ہوتی
پسند آتی اگر اس شوخ کو اس دل کی بیتابی　　یہ حسرت برق کو یہ آرزو سیماب کو ہوتی
ملایا ان حسینوں کو تباہی کے لیے ورنہ　　ترقی سی ترقی عالم اسباب کو ہوتی
نئی میریں، نرالے رنگ، کیونکر دیکھتا کوئی　　ہمیشہ کیوں نہ گردش عالم اسباب کو ہوتی
نگاہ شوق موسیٰ کی طرح گر دیکھتی تجھ کو　　کہاں یہ تاب تیرے روئے عالم تاب کو ہوتی
شب غم داغ سینے سے نہ اٹھا ہاتھ ہی ورنہ　　فروغ داغ سے نسبت نہ کچھ مہتاب کو ہوتی

لطف وہ عشق میں پائے ہیں کہ جی جانتا ہے　　رنج بھی ایسے اٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے
جو زمانے کے ستم ہیں وہ زمانہ جانے　　تو نے دل اتنے ستائے ہیں کہ جی جانتا ہے
انہیں قدموں نے تمھارے انھیں قدموں کی قسم　　خاک میں اتنے ملائے ہیں کہ جی جانتا ہے
کعبہ و دیر میں پتھرا گئیں دونوں آنکھیں　　ایسے جلوے نظر آئے ہیں کہ جی جانتا ہے
داغ وارفتہ کو ہم آج ترے کوچے سے　　اس طرح کھینچ کے لائے ہیں کہ جی جانتا ہے
کس طرح کہوں قیس ترے دل کو لگی ہے　　نالوں سے کبھی آگ بھی محمل کو لگی ہے؟

میں تیرے سوا اور نہ اللہ سے مانگوں — مدت سے بھی دشمن ترے سائل کو لگی ہے؟
اے راہنما راہ لے تو اور طرف کی — کچھ اور ہوا رہرو منزل کو لگی ہے
انصاف سے دشمن نے کبھی حق میں ہمارے — اچھی بھی کہی ہے تو بری دل کو لگی ہے
مجبور ہوا شکر جفا سے بھی تو کم بخت — کیا موت کی ہچکی ترے بسمل کو لگی ہے
جب سے یہ سنا داغ نے کی عشق سے توبہ — گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں کیا دل کو لگی ہے

ہم اپنے ہی سر لیں گے مصیبت ہو کسی کی — آئے گی اسی جان پہ آفت ہو کسی کی
تم ظلم کیے جاؤ، یہ ذمہ ہے ہمارا — پرسش بھی جو فردائے قیامت ہو کسی کی
ہم لطف کے رستے کو بھی جانچ رہے ہیں — دل دیں اگر ایسی ہی عنایت ہو کسی کی
انصاف اسی روز تو ٹھہرا ہے ہمارا — ایسا نہ ہو شرمندہ قیامت ہو کسی کی
راحت طلبی نے مجھے رکھا نہ کہیں کا — طاعت ہو کسی کی نہ اطاعت ہو کسی کی
یہ داغ ہماری نہیں سنتا نہیں سنتا — ایسی بھی الٰہی نہ بری مت ہو کسی کی

یہ چرچے ہیں ہمیں دونوں کے دم سے — نہ تم سے بھر زمانے میں نہ ہم سے
یہاں تک ہو گئے ہیں محو دیدار — یہ آنکھیں کم نہیں بیت الصنم سے
خدا یا آبرو دے رزق اے داغ — نہیں ہے بحث ہم کو بیش و کم سے

پھول دن بھر میں تر و تازہ کہاں رہتا ہے — آدمی تیس برس تک بھی جواں رہتا ہے
میں برا ہوں تو برا جان کے ملیے مجھ سے — عیب کو عیب سمجھیے تو کہاں رہتا ہے
کچھ مجھے وہم بندھا کرتے ہیں تنہائی میں — کچھ انہیں بھی مری جانب سے گماں رہتا ہے

ایسے تنگ آئے ہاتھ سے دل کے — روئے ہم غیر سے گلے مل کے

عرش سے آگے آگے ملتے ہیں — کچھ کچھ آثار اپنی منزل کے
بوسہ دینے کا لطف تو یہ ہے — ہونٹ ملنے نہ پائیں سائل کے

کام رکنے کا نہیں اے دلِ ناداں کوئی — خود بخود غیب سے ہو جائے گا ساماں کوئی
دیر ہو جائے بلا سے انہیں آرائش میں — رہ نہ جائے کسی کمبخت کا ارماں کوئی
اے حیاتِ ابدی کچھ تو سہارا دینا — نظر آتا ہے مجھے جان کا خواہاں کوئی
جب سے کی عشق سے توبہ نظر آتے ہیں یہ خواب — کھینچتا ہے کوئی دامن تو گریباں کوئی
برسوں امیدِ شہادت میں جیے اے خضر — تیغ سے بڑھ کے نہیں دم کا نگہباں کوئی
نظر آتا نہیں محفل میں کہیں پروانہ — بن کے بیٹھا ہے کہاں شمعِ شبستاں کوئی
مٹ چکی ہے خلشِ دل مگر اب بھی اے داغ — پھانس کی طرح کھٹک جاتا ہے ارماں کوئی

جاتے تھے منہ چھپائے ہوئے میکدے کو ہم — آتے ہوئے ادھر سے کئی پارسا ملے
اللہ دے تو فقر کی دولت سے سلطنت — جتنے فقیر مجھ کو ملے بادشاہ ملے
دنیا میں دل لگی کے لیے کچھ تو چاہیے — ہم ان بتوں سے ہیں جب تک خدا ملے
اپنی بھی شامت آ گئی توبہ کے ساتھ ہی — عہدِ شباب کے جو کہیں آشنا ملے
اب منحصر ہے داورِ محشر کے علم پر — میرے گواہ ٹوٹ کے دشمن سے جا ملے
اے داغ اپنی وضع ہمیشہ یہی رہی — کوئی کھچا، کھچے، کوئی ہم سے ملا، ملے

ابھی آئی ابھی چھائی، شبِ ہجراں اے چرخ — دوڑتی ہے ترے منہ پر یہ سیاہی کیسی
دل نہیں مال، تو اس کا تمہیں لالچ کیسا — تم نہیں چور، تو دزدیدہ نگاہی کیسی

واہ کیا شان بے نیازی ہے — دے دیا دل پر اختیار کسے

دل دعا کیا کرے مرے حق میں　　بخشو اے گناہ گار کیے
داغ سے وہ اگر نہیں ملتے　　نہ ملیں ہے یہ افتخار کیے

ہیں خونِ دل سے دیدۂ گریاں بھرے ہوئے　　دونوں چراغ ہیں شبِ ہجراں بھرے ہوئے
بجھ رند پاکباز کو خالی سمجھ نہ شیخ　　اس دل میں ہیں خزانۂ عرفاں بھرے ہوئے
اے داغ دل ترا نہ شگفتہ ہوا کبھی　　عالم میں ہیں گلوں سے گلستاں بھرے ہوئے

اس آزادی میں کیا وحشت کبھی تھی　　مجھے اپنے سے بھی نفرت کبھی تھی
ہمارا دل، ہمارا دل کبھی تھا　　تری صورت تری صورت کبھی تھی
دکن میں آئے ہم ہندوستاں سے　　تصور میں بھی یہ صورت کبھی تھی؟
مٹی کیا آبروئے عشق افسوس　　کہ اس ذلت میں بھی عزت کبھی تھی
کریں کیا اب زمانے کی شکایت　　کہ دنیا منزلِ راحت کبھی تھی
محبت سے تری ہوتا ہے اب رنج　　عداوت سے تری الفت کبھی تھی
شبِ ہجراں میں سویا کون کمبخت　　کبھی کچھ ہوش تھا، غفلت کبھی تھی
مزا آتا نہیں وہ قتل میں اب　　ترے چرکوں میں جو لذت کبھی تھی
شکایت سن کے یہ ہوتا ہے ارشاد　　تری تقدیر میں راحت کبھی تھی
ہجومِ غم سے اب تک مر نہ جاتا　　مجھے مرنے کی بھی فرصت کبھی تھی
یہ دل حاضر ہے، لیجیے، اس سے کیا بحث　　نہ تھی یا آپ کی نیت کبھی تھی
تم اترائے کہ بس مرنے لگا داغ　　بناوٹ تھی جو وہ حالت کبھی تھی

ساقیا دے بھی دے روح فزا تھوڑی سی　　بے وفا عمر کرے اور وفا تھوڑی سی
تم مرے جرم کی تفصیل نہ پوچھو مجھ سے　　کہ خطا وار بتاتا ہے خطا تھوڑی سی

تم سلامت رہو آزار کے دینے والے
کون سنتا ہے مبارک مری فریاد مجھے

آسماں ٹوٹ پڑا مجھ پہ تری الفت میں
پہلے ہی سے نظر آتی تھی یہ افتاد مجھے

ہچکیاں داغ دمِ نزع چلی آتی ہیں
شاید اس بھولنے والے نے کیا یاد مجھے

قیامت تھک گئی جب اٹھتے اٹھتے میرے نالوں سے
تو آخر مضطرب ہو کر ترے قدموں سے جا لپٹی

صبا اٹکھیلیاں کرتی ہے کیا کیا راہ میں ان سے
کبھی کاکل سے آلپٹی، کبھی دامن سے جا لپٹی

میں صبحِ شبِ وصل نہ دیکھوں اسے جاتے
آنکھوں ہی میں آجائے سپیدیِ سحر بھی

اللہ کرے ہو ترے دربان کو وحشت
میرا ہی گریبان بنے پردۂ در بھی

اک چیز ہے اس عالمِ ہستی میں بشر بھی
دنیا کا طلب گار بھی، دنیا سے حذر بھی

اس تیر کا زخمی ہے مرا دل بھی جگر بھی
اچھوں کی بری ہوتی ہے سیدھی سی نظر بھی

ہوتی ہے دعا کافر و دیندار کی مقبول
اللہ کی سرکار میں لٹتا ہے اثر بھی

شکستِ عہد سے بنتا ہے کیا ہے
انہیں اس بات کی پروا ہی کیا ہے

ترقی کر رہی ہے ان کی شوخی
ابھی تڑپے گا دل تڑپا ہی کیا ہے

حقیقت میں ہو تم دنیا سے اچھے
حقیقت میں مگر دنیا ہی کیا ہے

شکایت ہی سہی عرضِ تمنا
ذرا انصاف کر بیجا ہی کیا ہے

اگر سن لیں وہ حالِ زار اے داغ
ترے کہنے کا پھر کہنا ہی کیا ہے

ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے
ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے

ضعف سے اٹھتے نہیں دستِ دعا
اب ہماری شرم اس کے ہات ہے

بات کرنی بھی نہ آئی تھی تمھیں — یہ ہمارے سامنے کی بات ہے
داغ سے جا کر ملے تھے ہم بھی آج — آدمی خوش وضع ، خوش اوقات ہے

اب وہ یہ کہہ رہے ہیں مری جان جایئے — اللہ تیری شان کے قربان جایئے
انسان کو ہے خانۂ ہستی میں لطف کیا — مہمان آئے تو پشیمان جایئے
وہ آزمودہ کار تو ہے گر ولی نہیں — جو کچھ بتائے داغ اسے مان جایئے

ایمان کی تو یہ ہے غضب ہیں بتانِ ہند — اپنا ہی سا مجھے بھی یہ کافر بنائیں گے
حرف غلط نہیں مری تقدیر کا لکھا — احباب چھیل کر اسے کیونکر بنائیں گے
افسوس ہے کہ ٹوٹ پڑے گا وہیں فلک — ہم جان توڑ کر جو کہیں گھر بنائیں گے
تیرے بگاڑنے تو بگاڑا ہے دل مرا — تیرے بناؤ بھی مرے دل پر بنائیں گے
خاکی نہ ہوگی لطف بے بیداد محتسب — ہم شیشۂ شکستہ کو ساغر بنائیں گے
عادت ہی ہوگئی ہے وہ دیکھیں گے جب مجھے — چتون غضب کی قہر کے تیور بنائیں گے

کسی کے ہیں جلوے یہاں کیسے کیسے — عیاں کیسے کیسے ، نہاں کیسے کیسے
دیے داغ نے امتحاں کیسے کیسے — مٹائے ہیں ان کے گماں کیسے کیسے
نشیب و فراز ان کو سمجھائے کیا کیا — ملائے زمین آسماں کیسے کیسے
ہوئیں ان سے غمازیاں کیسی کیسی — بنے تھے مرے رازداں کیسے کیسے
کھلائے ہیں گل نوک مژگاں نے کیا کیا — بنائے ہیں دل پر نشاں کیسے کیسے
وطن سے چلے داغ جب ہم دکن کو — چھٹے اہل ہندوستاں کیسے کیسے

مبارکباد اب صیاد کو ، مژدہ اسیری کو — بہت مشہور میری خوش نوائی ہوتی جاتی ہے

خدا جانے یہ ہے کیا بھید، کیا ہوتا ہے اے کافر　　جدھر تو ہے، ادھر ساری خدائی ہوتی جاتی ہے
خدا ہے طالب دیدار محشر کوئی رہ جائے　　بہت مشہور تیری خود نمائی ہوتی جاتی ہے
کدورت سی کدورت تھی مٹایا داغ نے جس کو　　بحمد اللہ اب ان سے صفائی ہوتی جاتی ہے
تو وہ ہے سب بت کافر ترے قربان گئے　　جو خدا کو بھی نہ مانیں وہ تجھے مان گئے
یا الٰہی کہیں تقی تو نہیں راہ عدم　　جانے والے جو یہاں چھوڑ کے سامان گئے
کہتے ہیں شکوۂ بیداد کرے گا پھر بھی　　ہم اگر روز جزا تیرا کہا مان گئے
رہ گئے دشت محبت میں نہ کچھ ساتھ دیا　　حضرت خضر بھی دوچار ہی میدان گئے
بندۂ عشق ہو ایسے کہ الٰہی توبہ!　　تم تو معشوق کو اے داغ خدا مان گئے
احباب کو جنازہ اٹھانا بھی بار تھا　　ہم خاک میں ملے وہ سبک دوش ہو گئے
ہاں ہاں، ٹھہر ٹھہر کے اٹھاہ رخ سے تو نقاب　　پیدا طبیعتوں میں بہت جوش ہو گئے

ساتھ شوخی کے کچھ حجاب بھی ہے　　اس ادا کا کہیں جواب بھی ہے
سو جہنم ہے اک تری رنجش　　اس سے بڑھ کر کوئی عذاب بھی ہے

ہم سے برگشتہ کسی کی نظر ایسی تو نہ تھی　　گرچہ تھی چشم تغافل مگر ایسی تو نہ تھی
وصل کے ساتھ ہی جاتے رہے کیا لیل ونہار　　شام ایسی تو نہ تھی وہ سحر ایسی تو نہ تھی

پرسش جو ان سے ظلم کی روز جزا ہوئی　　اتنا ہی کہہ کے چھوٹ گئے وہ خطا ہوئی

خدمت پیر مغان کر زاہد　　تو اب انسان ہوا جاتا ہے
موت سے پہلے مجھے قتل کرو　　اس کا احسان ہوا جاتا ہے
لذت عشق الٰہی مٹ جائے　　درد ارمان ہوا جاتا ہے

گریہ کیا ضبط کروں اے ناصح — اشک پیکان ہوا جاتا ہے
بے وفائی سے بھی رفتہ رفتہ — وہ مری جان ہوا جاتا ہے
عرصۂ حشر میں وہ آپہنچے — صاف میدان ہوا جاتا ہے
مدد اے ہمت دشوار پسند — کام آسان ہوا جاتا ہے
چھائی جاتی ہے یہ وحشت کیسی — گھر بیابان ہوا جاتا ہے
داغؔ خاموش نہ لگ جائے نظر — شعر دیوان ہوا جاتا ہے

اے فلک چین سے دم بھر تو پڑا رہنے دے — ہم بھی بستے ہیں جہاں خلق خدا بستی ہے
ہاتھ سے دامنِ امید کرم چھوٹ گیا — ہم یہ سمجھے کہ یہی وجہ تہہ دستی ہے
کوئی دم موت کا کھٹکا نہیں جاتا دل سے — نیستی کہتے ہیں جس کو وہ یہی ہستی ہے

سنگ اسود نہ ٹلا کعبہ سے — پتھر اپنی ہی جگہ بھاری ہے
عرض مطلب پہ زبان قطع ہوئی — بات کرنے کی گنہ گاری ہے
داغؔ دشمن سے بھی جھک کر ملیے — کچھ عجب چیز ملنساری ہے

کرتے ہیں عشق کا ہم جان لگا کر سودا — اس میں انجام کو نقصان رہا ہے نہ رہے
سخن عشق کی تاثیر سے وہ ڈرتے ہیں — سامنے داغؔ کا دیوان رہا ہے نہ رہے

تری خاطر سے کہہ دوں، آرزو اے ساز نہیں نکلی — نہیں نکلی، نہیں نکلی، نہیں نکلی، نہیں نکلی
تہِ شمشیر گھٹ گھٹ کر مری جانِ حزیں نکلی — تمنا آپ کے دل کی بھی نکلی یا نہیں نکلی
اٹھے دست دعا کیا! ضعف نے ایسا گھلایا ہے — جسے میں ہاتھ سمجھا تھا وہ خالی آستیں نکلی
نیاز و ناز عشق و حسن دیکھا قیس و لیلیٰ میں — جو یہ صحرا نشیں نکلا تو وہ محمل نشیں نکلی

مری طبع رواں اے داغ جس دم جوش پر آئی — وہی پانی ہوئی جو شعر کی چھر زمیں نکلی

عرض احوال کو گلا سمجھے — کیا کہا میں نے آپ کیا سمجھے
ان کنایوں کو اپنے تم سمجھو — بات وہ ہے جو دوسرا سمجھے
کیا یقیں ہے مری محبت کا — وہ شکایت کو التجا سمجھے
دل کو کیا ہوگیا خدا جانے — کیوں ہے ایسا اداس کیا جانے
نہیں کوتاہ دامن امید — آگے اب دستِ نارسا جانے

نہ مانا بُرا میرے شکوے کا اس نے — بڑے کام آیا یہ دیوانہ پن بھی
طریق محبت میں رہبر ہو اچھا — یہی راہ آسان بھی ہے کٹھن بھی
خدا کی عنایت سے ہے داغ سب کچھ — جو وہ مہرباں ہے تو شاہِ دکن بھی

کیا ہے ضبط جب درد محبت — گرے ہیں ٹپ ٹپ آنسو چشم تر سے
خدا کی دین ہے غم ہو کہ شادی — یہ بندے لائے ہیں کیا اپنے گھر سے

لذت سیر دگر چشم تمنا لے گی — ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی
شکوۂ دہر نہ بیداد فلک کی فریاد — حشر میں خلق خدا نام تمھارا لے گی
کریں میرے لیے حضرت ناصح تکلیف — خود طبیعت دل بیتاب کو سمجھا لے گی
ایک مدت سے ہے برباد ہماری مٹی — دیکھیے کب ترے دامن کا سہارا لے گی
اوپری دل ہی سے تم دل کے خریدار ہو — جس کو تم لوگے اسی چیز کو دنیا لے گی

گرویدہ اس ستم پہ بھی رہتے ہیں سیکڑوں — میری وفا کا رنگ تمھاری جفا میں ہے

سر پھوڑنا فضول ہے، دم توڑنا عبث
دل پھیر دے بتوں کا یہ قدرت خدا میں ہے
اب داغ کو جو دیکھیے وہ داغ ہی نہیں
سب رنگ چھوڑ چھاڑ کے یاد خدا میں ہے

ہم اس جہان سے ارمان لے کے جائیں گے
خدا کے گھر بھی سامان لے کے جائیں گے
چڑھی نہ تربتِ مجنوں پہ آج تک چادر
ہم اپنا چاک گریباں لے کے جائیں گے
صنم کدے کے ہوئے ہم نہ میکدے کے ہوئے
یہ داغ دل میں مسلمان لے کے جائیں گے
نہیں ہے تشنگی حشر کا کچھ اندیشہ
ہم اشکِ شرم کا طوفان لے کے جائیں گے

وعدے پہ ان کی بات بنائی ہوئی سی ہے
کھائی ہے وہ قسم کہ جو کھائی ہوئی سی ہے
افسردہ خاطری میں بھی ہے آگ شوق کی
پوری بجھی نہیں یہ بجھائی ہوئی سی ہے

ہردم اسی کی دھن ہے اسی کا خیال ہے
چھوٹے چھٹائے رہا پر اب تک یہ حال ہے
جینا ہے ننگ عشق تو مرنا خلاف عقل
یہ بھی محال ہے مجھے وہ بھی محال ہے
نیرنگی انداز صنم کو کوئی سمجھے
دل تنگی مردان خدا کو کوئی دیکھے
جو دیکھتے ہیں چشم تصور سے ترا حسن
اُن دیکھنے والوں کی ادا کو کوئی دیکھے
اے داغ سنے ہیں بہت اگلے تو فسانے
کیا حال ہے اب اہل وفا کو کوئی دیکھے

دل جگر سب آبلوں سے بھر چلے
مر چلے اے سوز فرقت مرچلے
کہتی ہے رگ رگ ہمارے حلق کی
دم میں دم جب تک رہے خنجر چلے
مار ڈالے گی قفس میں بوئے گل
ہم اسیروں سے ہوا بچ کر چلے
منزل مقصود کے خواہاں ہیں سب
ساتھ کس کس کو کوئی لے کر چلے
حسرتوں سے کیوں نہ ہو دل پائمال
اس زمیں پر سیکڑوں لشکر چلے

کیا دھرا تھا اس تہی خم خانے میں — ہم بھی آ کر اپنا بھرنا بھر چلے
داغ کے لب پر ہے مصرع درد کا — "جب تلک بس چل سکے ساغر چلے"

اب کیوں نہ کروں نالہ مجھے ڈر تو نہیں ہے — یہ عرصۂ محشر ہے ترا گھر تو نہیں ہے
گو وصل ہو، لیکن مجھے باور تو نہیں ہے — ہاں دل میں نہ ہو،ان کی زباں پر تو نہیں ہے
بگڑ جائے تو بگڑ جائے بلا سے نہیں پروا — کچھ آپ کا دل میرا مقدر تو نہیں ہے
کرتا ہے امام آج بہت سہو کے سجدے — پوشیدہ جماعت میں وہ کافر تو نہیں ہے

ہم اگر مانگیں تو اے زاہد یہ بے شک ہے گناہ — بے طلب رکھ دے جو کوئی بھر کے ساغر سامنے؟
لیں مرے دل میں کسی کافر نے کیا کیا چٹکیاں — جب نظر آیا مجھے اللہ کا گھر سامنے

نگاہ شوخ جب اس سے لڑی ہے — تو بجلی تھر تھرا کر گر پڑی ہے
لہو کی بوند مژگاں سے جھڑی ہے — یہی گلزار دل کی پنکھڑی ہے
قیامت میں قیامت کر گیا کون — کہ دل تھامے صف محشر کھڑی ہے

نظر کعبے میں اس بُت سے لڑی ہے — کہاں جا کر مری قسمت لڑی ہے
جنازہ دیکھ لو عاشق کا در پر — سواری اس مسافر کی کھڑی ہے

پوشیدہ دل کی چوٹ قیامت کی چوٹ ہے — فرہاد کے تو سر پہ لگی یہ کہاں لگی
تقدیر نے نہ جمنے دیا اس جگہ مجھے — اکھڑے قدم وہاں سے طبیعت جہاں لگی

مدت سے رسم مہر و وفا میں کمی تو تھی — آخر ترے زمانے میں متروک ہو گئی

برسات ہی میں مست ہے ارگن کی بھی صدا
کوئل کی کوک اس کے لیے کوک ہوگئی

ابروئے یار کیوں نہ کھنچے اس مثال سے
اس کے تو ناخنوں میں پڑے ہیں ہلال سے

ہوتا ہے خشک دامن تر کیا طلسم ہے
طوفان گریہ و عرق انفعال سے

اے داغ ہے دکن سے بہت دور لکھنؤ
ملتے امیر احمد و سید جلال سے

وصل کا وعدہ کسی سے ہو وہ گویا ہم سے ہے
کیا یقیں ہے جانتے ہیں ہم یہ ایما ہم سے ہے

مٹ گئے جب ہم تو جانو مٹ گئی ساری بہار
ہم ہیں دنیا میں تو یہ گلزار دنیا ہم سے ہے

دل یہ کہتا ہے ہمارے دم سے ہیں آثار عشق
وہ ہم سے ہے یہ تپش ہم سے ہے یہ سودا ہم سے ہے

کیوں نہ حیرت ہو کہ بغض و کینہ و رنج و ملال
ہم کو دشمن سے ہے، تم کو جتنا ہم سے ہے

کوئی کافر ہی کرے اے داغ ان کی آرزو
اے تری شان، اب تمنا کی تمنا ہم سے ہے

دھن لگی رہتی ہے اپنے دوست کی آٹھوں پہر
میں غنیمت جانتا ہوں کنج تنہائی تجھے

جستجو جس کی ہے، اپنے آپ میں تو دیکھ لے
دیکھنے کو دی ہے اے غافل یہ بینائی تجھے

تو اگر سن لے تو کیا جانے کرے کیسا غرور
دیکھ کر سمجھا ہے جو تیرا تماشائی تجھے

جمع ہیں پاک اک زمانے کے
ہائے جلسے شراب خانے کے

برق پھونکے اڑائے باد خزاں
چار تنکے ہیں آشیانے کے

شب وعدہ امید وصل کسے
ہم تو ہیں منتظر بہانے کے

ہنکار اٹھے مست محبت تو ہے وہ راز
بیہوشیوں میں یہ کبھی لیتا ہے ہوش کی

دیکھا جمال یار سنی داستان عشق
دعوت یہ ساری عمر رہی چشم و گوش کی

وہ دل کے ولولے، وہ جوانی کی زور شور ۔۔۔ اک داستاں ہے اپنی طبیعت کے جوش کی
دل میں عاشق کے تصور سے کھٹک ہوتی ہے ۔۔۔ ان حسینوں کی غضب نوک پلک ہوتی ہے
پست ہمت کبھی پاتے نہیں عالم میں عروج ۔۔۔ قاعدہ ہے کہ زمیں زیر فلک ہوتی ہے

اچھی کہی کہ عشق میں بیمار کیوں ہوئے ۔۔۔ اچھوں کے آپ درپے آزار کیوں ہوئے
پی کر نہ توبہ کی ہو تو واعظ زباں جلے ۔۔۔ یہ اعتراض کیا ہے کہ میخوار کیوں ہوئے
دیکھا نہیں یہ شان یہ جلوہ کچھ اور ہے ۔۔۔ بُت کہہ کے لوگ تجھ کو گنہ گار کیوں ہوئے
خجلت تو کہہ رہی ہے نہایت برا کیا ۔۔۔ رحمت نہ یہ کہے گی گنہ گار کیوں ہوئے
دل کہہ رہا ہے اس سے کہو ماجرائے عشق ۔۔۔ میں کہہ رہا ہوں کہہ کے گنہ گار کیوں ہوئے

دنیا میں ہیں سب عیش کے ساماں کوئی دن کے ۔۔۔ یہ جلوے نظر آتے ہیں نادان کوئی دن کے
ڈرتی ہے بلا بھی تو مرے روز سیہ سے ۔۔۔ ہو سکتی ہے روکش شب ہجراں کوئی دن کے
بیباک ہوئے جاتے ہیں اب وہ کوئی دن میں ۔۔۔ دربان کوئی دن کے ہیں نگہباں کوئی دن کے
ہے جوش جوانی میں خیال ے و معشوق ۔۔۔ اے دل ہیں یہ سب خواب پریشاں کوئی دن کے
لے جائے کہاں دیکھیے اب گردش قسمت ۔۔۔ دلی میں ہم اے داغ ہیں مہماں کوئی دن کے

دل لے ہی چکے ناز سے شوخی سے ہنسی سے ۔۔۔ اب ان کی بلا آنکھ ملاتی ہے کسی سے
معشوق کو عشاق نے بیدرد بنایا ۔۔۔ انصاف تو یہ ہے کہ ہوئی چوک سبھی سے
گھر پھونک دیے آتش الفت نے ہزاروں ۔۔۔ یہ آگ قیامت کی لگی دل کی لگی سے
پہچانو تو کس نقش کف پا کی ہے یہ خاک ۔۔۔ اکسیر اٹھا لائے ہیں دشمن کی گلی سے

کاوش فلک تفرقہ پرداز ہمیں سے؟ ۔۔۔ کیوں اے فلک انداز یہ انداز ہمیں سے؟

ہوتے ہیں ادا عشق کے انداز ہمیں سے — یہ سحر ہمیں سے ہیں، یہ اعجاز ہمیں سے
ہر چند کچھ ایسی بھی ہیں باتیں کہ نہ سنیے — کیا کیجیے کہتے ہیں وہ سب راز ہمیں سے
صیاد کی بیداد نہیں کنج قفس میں — ٹوٹے ہیں پھڑک کر پرِ پرواز ہمیں سے
ایجاد کیے رسم محبت میں ہمیں نے — انجام کو پہنچے گا یہ آغاز ہمیں سے

یہ ٹپکتا ہے رنگ بسمل سے — ہولی کھیلے گا آج قاتل سے
ہو گی پاس عہد باطل سے — ہم کو جینا پڑا مرے دل سے
کس نے مذکور کر دیا میرا — بگڑے بیٹھے ہیں ساری محفل سے
لب زباں سے وہ پھر نہیں سکتیں — جو دعائیں نکل گئیں دل سے
کیوں ہوا نا خدا کو اطمینان — ابھی کشتی ہے دور ساحل سے
مٹ گئے ہم تو، جب یہ اس نے کہا — تو نے شکوے کیے تھے کس دل سے
محتسب آ گیا تو اے ساقی — ہم اڑا دیں گے اٹھ کے محفل سے
آتش عشق میں مزا کیا ہے — پوچھیے اس کو داغ کے دل سے

ملتا ہے محبت کا جزہ زہر فنا سے — گلی بھی کریں ہم نہ کبھی آب بقا سے
وہ دل پہ چھری پھیر گئے ناز و ادا سے — اب کوئی مرے کوئی جیے ان کی بلا سے
ہم تیرے سوا اور ہوں کس چیز کے طالب — کیا چھوڑ دیا مانگنے والوں نے خدا سے
میں بزم سے اٹھ جاؤں، نکل جاؤں، چلا جاؤں — کیا بات ہوئی، خیر تو ہے، کیوں ہو خفا سے
جب دیکھتے ہیں داغ کو ہوتا ہے یہ ارشاد — معلوم نہیں زندہ ہے یہ کس کی دعا سے

مرض عشق کی دوا بھی ہے — مجھ میں دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے؟
دیر کے جانے والوں سے کہہ دو — تم میں اک بندۂ خدا بھی ہے

میں سناؤں تو داستاں اپنی ۔۔۔ آپ کو بات کا مزا بھی ہے؟
چار دن کے شباب پر یہ غرور ۔۔۔ ابتدا ہے تو انتہا بھی ہے؟
کچھ ہے بیجا عتاب بھی ان کا ۔۔۔ کچھ یونہی سی مری خطا بھی ہے
سب کو ملتی ہے دولت دیدار ۔۔۔ اس میں حصہ فقیر کا بھی ہے؟
حال دل کب ادا ہوا پورا ۔۔۔ کچھ کہا بھی ہے کچھ رہا بھی ہے

کب تک کھچے رہو گے، کب تک تنی رہے گی ۔۔۔ کس کی بنی رہی ہے، کس کی بنی رہے گی
نبھ جائے ان سے اپنی، جس طرح ہے غنیمت ۔۔۔ یہ جانتے ہیں اکثر بگڑی بنی رہے گی

آئینہ سے وہ کہتے ہیں تیری نظر ہوئی ۔۔۔ اے چشم شوق اس کی تجھے بھی خبر ہوئی
گو عرض مدعا پہ زباں قطع کیوں نہ ہو ۔۔۔ اب کیا چھپے گی وہ جو خطا عمر بھر ہوئی

مٹے داغ دل آرزو رہ گئی ۔۔۔ چمن اڑ گیا اور بو رہ گئی
شب وصل کی داستاں کیا کہوں ۔۔۔ زباں تھک گئی گفتگو رہ گئی
بہت اے شب غم بلائیں ٹلیں ۔۔۔ خدا جانے کس طرح تو رہ گئی
بہت چل بسے یار اے زندگی ۔۔۔ کوئی دن کی مہمان تو رہ گئی
کہاں سے کہاں لے گیا ہم کو شوق ۔۔۔ مگر رہ گئی، جستجو رہ گئی
دکھا کر جھلک، کون چلتا ہوا ۔۔۔ نظر ڈھونڈتی چار سو رہ گئی

جلا تھا دل جب کیا تھا نالہ، جلیں گے لب جب دعا کریں گے
جو وہ کیا تھا تو کیا کیا تھا، جو یہ کریں گے تو کیا کریں گے
عداوت ان کو ہے آج جس سے، اسی پہ کل مہربانیاں ہیں
جو دشمنی کر سکیں نہ پوری، وہ دوستی ہم سے کیا کریں گے

ہزار ہیں رنگ عاشقی کے جو ان کو برتے وہ ان کو جانے
تمھیں کو ہم بے وفا کہیں گے، تمھیں سے ہم التجا کریں گے
'خطا کرو گے جو بوسہ مانگا' یہ کیا کہا پھر نہ ہم سے کہنا
خطا کریں گے، خطا کریں گے، خطا کریں گے، خطا کریں گے
کوئی سہے رنج و غم کہاں تک اٹھائے رنج و ستم کہاں تک
وہ حضرت داغ ہی نہیں، اب جو تجھ سے مہر و وفا کریں گے

محبت میں ناکامیوں سے اخیر — بہت کام دیکھے نکلتے ہوئے
ذرا داغ کے دل پہ رکھو تو ہاتھ — بہت تم نے دیکھے ہیں جلتے ہوئے

اندیشہ ہے اک صاحبِ تقویٰ کی نظر کا — مے چھوڑ دیا کرتے ہیں میخوار ذرا سی
موسیٰ کو تو جب بھی نہ رہی تابِ نظارہ — جھلکی تھی پے طالبِ دیدار ذرا سی
اس شانِ رحیمی نے بہت رنگ دکھایا — جس وقت جھکی چشمِ گنہگار ذرا سی

زاہد کو روزِ حشر پڑی امتحان کی — پیرِ مغاں نے خلد میں جا کر دکان کی
تعریفِ غیرتِ کے جو میں نے دیا جواب — اس بات پر خفا ہیں کہ ہم سے زبان کی

جس کو کہتے ہیں اثر وہ نہ ملا ہے نہ ملے — کیا گئی آہ فلک کے بھی اگر پار گئی
جان کیا رکنے کی شے ہے کہ جسے روک سکیں — نہ گئی آج اگر، کل یہ چلن ہار گئی

صدمے سہنے کے لیے بھی ہے توانائی شرط — اب طبیعت غمِ فرقت سے بہت ہار گئی
داغ خورشید قیامت نے قیامت کی ہے — آج کیا جانے کہاں اپنی شبِ تار گئی

رہے گا عشق ترا خاک میں ملا کے مجھے
کہ ابتدا میں ہوئے رنج انتہا کے مجھے

بغیر موت کے کس طرح کوئی مرتا ہے
یقیں نہ آئے تو وہ دیکھ جائیں آ کے مجھے

بلائے عشق تو دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
مرا رقیب بھی رویا گلے لگا کے مجھے

ستم تو یہ ہے کہ پھر اس خوشی کی قدر نہیں
تم اپنے دل میں ہو خوش کس قدر ستا کے مجھے

غضب ہے آہ مری، داغ نام ہے میرا
تمام شہر جلاؤ گے کیا جلا کے مجھے

انتخاب مہتاب داغ تمام شد
7 نومبر 1966 آگرہ

انتخاب یادگار داغ

ان آنکھوں نے کیا کیا تماشا نہ دیکھا ۔۔۔ حقیقت میں جو دیکھنا تھا نہ دیکھا
ان آنکھوں کے قربان جاؤں جنھوں نے ۔۔۔ ہزاروں حجابوں میں پردا نہ دیکھا
نہ ہمت، نہ قسمت، نہ دل ہے، نہ آنکھیں ۔۔۔ نہ ڈھونڈا نہ پایا نہ سمجھا نہ دیکھا
وہ کب دیکھ سکتا ہے اس کی تجلی ۔۔۔ جس انسان نے اپنا جلوا نہ دیکھا
اسے دیکھ کر اور کو پھر جو دیکھے ۔۔۔ کوئی دیکھنے والا ایسا نہ دیکھا
کہاں نقش اول، کہاں نقش ثانی ۔۔۔ خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ دیکھا
تری یاد ہے یا ہے تیرا تصور ۔۔۔ کبھی داغ کو ہم نے تنہا نہ دیکھا

وہ جلوہ تو ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا ۔۔۔ آنکھوں کو مگر دید کا لپکا نہیں جاتا
کیا خاک کروں ان سے تغافل کی شکایت ۔۔۔ یہ حال ہی ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
کیا جانے کوئی اور، وہ کیا ہے، وہی جانے ۔۔۔ سمجھا نہیں جاتا اسے، جانا نہیں جاتا
میں وضع کا پابند ہوں، گو جان بھی جائے ۔۔۔ جب کوئی بلانے نہیں آتا نہیں جاتا

سرسبز [1] کبھی برگِ خزاں ہو نہیں سکتا　　جو پیر ہوا ، پھر وہ جواں ہو نہیں سکتا
آنکھیں ہوں تو وہ جلوہ نہاں ہو نہیں سکتا　　پھر عرش بھی پردے کا مکاں ہو نہیں سکتا
یا پرسشِ بیداد ہو اے داورِ محشر　　یا کہہ دے کہ انصاف یہاں ہو نہیں سکتا
ہم کہتے ہیں دعوے سے ترا عشق ستمگر　　ہاں کر نہیں سکتا کوئی ، ہاں ہو نہیں سکتا
کیونکر نہ کہوں غیرتِ جنت ہے ترا گھر　　دنیا کا کوئی کام یہاں ہو نہیں سکتا
افسانہ مرا تم نے سنا ، میں نے سنایا　　اک حرف رہا ہے وہ بیاں ہو نہیں سکتا
رگ رگ میں چھپاتا ہوں ترا دردِ محبت　　پھر بھی تو یہ کم بخت نہاں ہو نہیں سکتا
اے داغ تمھیں وصل کی تدبیر بتادی　　تقدیر کا ذمہ تو یہاں ہو نہیں سکتا

آ کر شبِ فراق مری موت ہوگئی　　روزِ وصال جاکے ، گیا وقت ہوگیا

عاشقوں سے عشق چھپتا ہے کہیں　　پھوٹ کر جب روئے دریا بہہ گیا

آتا تھا کوئی نشہ صہبا میں ڈوب کر　　ملتے ہی آنکھ رنگ میں اپنے ڈبو گیا

کر [2] گیا تاثیر نالہ بلبلِ ناشاد کا　　ہاتھ لینا، پاؤں اب جمتا نہیں صیاد کا
کوندتی ہے آج بجلی آشیاں پر بے طرح　　ہم وہیں ہوتے جو ہوتا پاس گھر صیاد کا
ہو اثر اتنا تو سوزِ نالہ و فریاد کا　　ہم تماشا دیکھ لیں گھر پھونک کر صیاد کا
مجھ کو دیوانہ سمجھ کو ڈالتا تھا بیڑیاں　　ہاتھ میں میرے گریباں آ گیا جلاد کا
ہوگیا تھا کس قدر بے آب جوئے شیر سے　　خون میں فرہاد کے تیشہ بجھا فرہاد کا
یہ بہارِ داغ ہے گلزارِ ابراہیم کی　　ذوق کہتے ہیں جسے ہے فیض اس استاد کا

---

1 یہ دو غزلوں کا انتخاب ہے۔

2 یہ تینوں غزلوں کا انتخاب یکجا کر دیا گیا ہے۔

اے داغ داغِ عشق کی تعریف کیا لکھوں ۔۔۔ یہ آفتاب ہے مرے روزِ سیاہ کا

جھکی پڑتی ہیں آنکھیں رات بھر جاگے ہو تم جب تک ۔۔۔ جوانی کے تو نشے کا سرور ایسا نہیں ہوتا
تجلی جلوہ گر لاکھوں حجابوں میں بھی ہوتی ہے ۔۔۔ چھپائے سے چھپے، رنگ ظہور ایسا نہیں ہوتا
وہ مست ناز پھر جوشِ شباب اس کا کوئی دیکھے ۔۔۔ کہ میکش نشۂ صہبا میں چور ایسا نہیں ہوتا

خار حسرت بیان سے نکلا ۔۔۔ دل کا کانٹا زبان سے نکلا
فتنہ گر کیا مکان سے نکلا ۔۔۔ آسماں آسمان سے نکلا
ذکر اہلِ وفا کا جب آیا ۔۔۔ داغ ان کی زبان سے نکلا

یوں تو دنیا نے زمانے کا تماشا دیکھا ۔۔۔ منصفی شرط ہے، ہم نے تمھیں کیسا دیکھا

میرے بختِ سیہ نے کام کیا ۔۔۔ صبح محشر کو بھی جو شام کیا

سب نے جانا کہ ہم سے کہتا ہے ۔۔۔ اس نے جب ایک سے کلام کیا

عجب حیرت میں ہوں کیونکر بتاؤں میں زمانے کو ۔۔۔ کہ ہو سکتا ہے تجھ سا اور تجھ سا ہو نہیں سکتا

تپش سے درد سے نالوں سے فرقت سے نہیں فرصت ۔۔۔ مزے لیتا ہے دل کیا کیا جگر کیا کیا گلو کیا کیا
کوئی جانے تو کیا جانے کہ یہ ہیں راز کی باتیں ۔۔۔ رہی ہے دل ہی دل میں میری ان کی گفتگو کیا کیا

نظر میں چبھ گئی اس گل عذار کی صورت ۔۔۔ یہ پھول بھی تو کھٹکتا ہے خار کی صورت

ستم شریک ہوا کون ایک لطف کے ساتھ — بدل گئی ستمِ روزگار کی صورت
جھٹک جھٹک کے وہ دامن کو اپنے دیکھتے ہیں — مٹی مٹی مرے مشتِ غبار کی صورت

کسے دماغ کہ احسان چارہ گر کے اٹھائے — یہی تاموت ہے بس انتہائے دردِ جگر

مضطرب ہوں کبھی گھر میں، کبھی مضطر باہر — اندر اندر کبھی پھرنا، کبھی باہر باہر
جلوہ بیتاب جو ہوتا ہے تو کب چھپتا ہے — بجلیاں کوندتی ہیں پردے کے اندر باہر
شکوۂ غیر پہ اس نے جو کیے عذر بہت — نہ ہوا جیبِ خجالت سے مرا سر باہر

لگتی ہے آگ جوشِ خریدار دیکھ کر — جلتا ہوں تیری گرمیِ بازار دیکھ کر
مجھ بادہ کش کے واسطے کوثر میں کیا بچا — جی بجھ گیا ہے مجمعِ مے خوار دیکھ کر
دم کھنچ کے آ گیا ہے مری چشمِ شوق میں — قاتل کھنچی ہوئی تری تلوار دیکھ کر
ہوگی ہماری کثرتِ عصیاں ہی سے نجات — آئے گا اس کو رحم گنہ گار دیکھ کر

اب برسنے لگے وہ ہم پر بھی — کھل گئی ہے زبان دشمن پر
داغ تم دل کو دوست سمجھے ہو — دوستی کا گمان دشمن پر

یارب[1] ہوں بہت تنگ، بدل چرخ و زمیں اور — یا پھینک دے دنیا سے نکلوا کے کہیں اور
وہ کون سی خوبی ہے جو دنیا میں نہیں ہے — کیا کون و مکاں کے ہے سوا خلد بریں اور
مشکل ہے کہ میں منزلِ مقصود کو پہنچوں — بڑھ جاتی ہے تاثیر سے قدموں کی زمیں اور
مسجد سے ہیں بت خانہ کے انداز نرالے — در اور ہے، سر اور ہے، سنگ اور، جبیں اور
اللہ کا گھر کعبے کو سب کہتے ہیں لیکن — دیتا ہے پتا اور، وہ ملتا ہے کہیں اور

---

1 دو غزلوں کا انتخاب ملا کر ایک غزل مرتب کر دی گئی ہے۔

یہ در ہے یہ سر ہے یہیں ہم جان بھی دیں گے
کیا جائیں گے مرنے کے لیے اٹھ کے کہیں اور

وہ آج بدلتے ہیں نیا سنگ در اپنا
سجدے کے لیے چاہیے مجھ کو بھی جبیں اور

دل دوسرا دینے کے لیے لاؤں کہاں سے
اے داغ وہ کہتے ہیں یہ درکار نہیں اور

جب ترے دل سے اتر جاتا ہے دل
جیتے جی کمبخت مر جاتا ہے دل

یاس ہوتی ہے تو مر جاتا ہے دل
میں سمجھتا ہوں ٹھہر جاتا ہے دل

ان پری رویوں کی صورت دیکھ کر
آدمیت سے گزر جاتا ہے دل

جب سماتا ہے ترا اس میں غرور
اپنے آپے سے گزر جاتا ہے دل

راہ میں کعبہ بھی ہے بت خانہ بھی
دیکھیے لے کر کدھر جاتا ہے دل

کھینچتے ہیں وہ تو چشم یاس سے
دیکھتا مجھ کو ادھر جاتا ہے دل

کس کی نبھتی ہے ہمیشہ رسم و راہ
چار دن میں داغ بھر جاتا ہے دل

گلچیں کے ہاتھ آئے عروس چمن کے پھول
یارب کسے نصیب ہوئے اس دلہن کے پھول

جھڑتے ہیں پھول منہ سے ترے بات بات میں
ان کو سخن کے پھول کہوں یا چمن کے پھول

جھونکا تھا ہائے باد خزاں کا کہ قہر تھا
نکہت کے ساتھ اڑ گئے سارے چمن کے پھول

میرے سرشک خون کی نہ کیوں کر بہار ہو
یہ دل کی لاگ کے ہیں یہ دل کی لگن کے پھول

کیسی سدا بہار حسینوں کی ہے بہار
کس باغ کے نہال ہیں یہ کس چمن کے پھول

مسجد میں آ رہی ہے جو خوشبو یہ دلفریب
لایا ہے کوئی بت کدۂ برہمن کے پھول

اے داغ روشنی ہے خدا داد طبع میں
بجھتے نہیں ہیں میرے چراغ سخن کے پھول

غم سے کہیں نجات ملے چین پائیں ہم
دل خون میں نہائے تو گنگا نہائیں ہم

ڈر ہے نہ بھول جائے وہ سفاک حشر میں
دنیا میں لکھتے جاتے ہیں اپنی خطائیں ہم

ممکن ہے یہ کہ وعدے پر اپنے وہ آ بھی جائیں — مشکل یہ ہے کہ آپ میں اس وقت آئیں ہم
یہ اور کوئے یار کا چکر، زہے نصیب — لیتے ہیں اپنے پاؤں کی اکثر بلائیں ہم
تاثیر کو سلام کریں دونوں ہاتھ سے — جس وقت اپنے ہاتھ دعا کو اٹھائیں ہم
جلوہ دکھا رہا ہے وہ آئینہ جمال — آتی ہے ہم کو شرم کہ کیا منہ دکھائیں ہم
دشمن سے ملتے جلتے ہیں خاطر سے دوست کی — کیا فائدہ کہ دوست کو دشمن بنائیں ہم
تو بھولنے کی چیز نہیں خوب یاد رکھ — اے داغ کس طرح تجھے دل سے بھلائیں ہم

وہ ہم نہیں تو رہا کون سے حساب میں دل — کہاں سے لائیں جو تھا عالم شباب میں دل
ازل کے روز سے کمبخت ہے عذاب میں دل — خدا نے مجھ کو دیا تھا بڑے عتاب میں دل
پڑا ہے برق تجلی سے اضطراب میں دل — قصور آنکھ کا تھا آ گیا عذاب میں دل

واقف رموز عشق و محبت سے داغ ہے — ملا اگر تو پوچھتے کچھ اس ولی سے ہم

ملے شباب میں ہر ایک گل عذار سے ہم — لٹے بہار کے موسم میں کس بہار سے ہم
یہ ناز عشق ہے کہتے ہیں افتخار سے ہم — جو تم ہزار سے اچھے تو سو ہزار سے ہم
نہ ہو جو قدر وفا پھر کہاں کا استقلال — ملے تو لے لیں تلون مزاج یار سے ہم
زباں کھلے جو شکایت پہ ایک تم کیا ہو — ہزار میں بھی نہ چوکیں کبھی ہزار سے ہم
تمھارے لطف کا کیا لطف جب ستم ہو شریک — یہی ہے پیار، تو باز آئے ایسے پیار سے ہم
یہ بات بزم عدو میں ہمیں ہوئی حاصل — کہ دور بیٹھے رہے چپ گناہگار سے ہم
خدا کے قہر سے اتنا کوئی نہیں ڈرتا — ہوئے ہیں خوف زدہ جتنے تیرے پیار سے ہم
چمن کو بلبل بیتاب نے نہ یوں چھوڑا — وطن کو چھوڑ کے آئے جس اضطرار سے ہم
عجب ترنگ میں تھا ہائے رے لٹک اس کی — ملے تھے راہ میں کل داغ بادہ خوار سے ہم

مجھ سیاہ کار کو لے جاتے ہیں کیوں دوزخ میں کس خطا پر یہ جہنم کو سزا دیتے ہیں
دیکھ اے چشم گہر بار ذرا اپنی طرف دینے والے کہیں کیا گھر کو لٹا دیتے ہیں

دنیا میں آدمی کو مصیبت کہاں نہیں وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں
غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہے داغ اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

بگاڑے بگڑتے نہیں حسن والے یہ بندے خدا کے سنوارے ہوئے ہیں

سینکڑوں گرچہ ستم پر وہ ستم کرتے ہیں لذت جور یہی کہتی ہے کم کرتے ہیں
جب سے لکھا ہے ترا عشق مری قسمت میں ناز لکھنے پہ مرے لوح و قلم کرتے ہیں

ساقیا تشنگی کی تاب نہیں زہر دے دے اگر شراب نہیں
روز مرتا ہوں روز جیتا ہوں زندگی کا کوئی حساب نہیں
جزو میں کل کو دیکھتے ہیں ہم کون سا ذرہ آفتاب نہیں
ہو کے تو لا جواب آیا ہے واہ قاصد ترا جواب نہیں

طریق عشق میں رہبر کی ہے تلاش مجھے چلیں گے خضر علیہ السلام بھی کہ نہیں
فسانہ کہنے کو بیٹھا ہوں ان سے ڈرتا ہوں تمام رات میں ہوگا تمام بھی کہ نہیں

وہ دور بھی ہیں جب بھی تصور میں قریں ہیں ہم بے خود و وارفتہ جو ہیں بھی تو نہیں ہیں
آئے بھی ہیں بیٹھے بھی ہیں جاتے بھی نہیں ہیں مجھ پر یہ کرم ان کے دم باز پسیں ہیں
کیوں کیجیے تحقیق کہ وہ برسر کیں ہیں گر ہیں تو بلا سے ہیں، نہیں ہیں تو نہیں ہیں

مجھ کو ندائیں آتی ہیں کچھ مانگتا نہیں اللہ کا ہے گھر، کسی محتاج کا نہیں

کوئی امیدوار کرم ہم سا ہو تو لے ‏ ‏ مقبول جو نہ ہو وہ ہماری دعا نہیں
آئی ہمی کو بہار، کھلائے بھی گل ہزار ‏ ‏ ہم جس ہوا کو دیکھتے ہیں وہ ہوا نہیں
ہے گرچہ سب کی آنکھ ترے حسن کی طرف ‏ ‏ جلوہ یہ کہہ رہا ہے کوئی دیکھتا نہیں
مٹ جائے راہ دوست میں کس طرح داغ دل ‏ ‏ تمغائے عشق یار ہے یہ نقش پا نہیں

ہم کو شکایتوں کے مزے آئے جاتے ہیں ‏ ‏ سن سن کے دل ہی دل میں وہ شرمائے جاتے ہیں
شرما کے ذکر غیر پہ گھبرائے جاتے ہیں ‏ ‏ پھر آپ میری سر کی قسم کھائے جاتے ہیں
وقت دعا یہ حال ہے خوف گناہ سے ‏ ‏ دل کانپتا ہے ہاتھ بھی تھرائے جاتے ہیں

قیامت کی مری آہیں غضب کے میرے نالے ہیں ‏ ‏ کلیجا دیکھیے ان کا جو ان کے سننے والے ہیں
یہ عیاری تمہیں چلنے کی طرز دل ربائی میں ‏ ‏ جناب داغ کو تم جانتے ہو، دتی والے ہیں

بے پردہ اگر جلوہ نما وہ نہیں گھر میں ‏ ‏ بجلی سی چمک جاتی ہے کیوں روزن در میں

غصے کے طور ہیں نگہ شرمسار میں ‏ ‏ کیا جانے کہہ دیا انہیں کیا ہم نے پیار میں
ساقی پڑے ہیں حلق میں کانٹے یہ خوف ہے ‏ ‏ الجھے نفس کا تار نہ اس خار زار میں
مے خوار کی نگاہ نے ہنگام مے کشی ‏ ‏ نشتر چبھو دیا رگ ابر بہار میں

یہ کیا کہا کہ داغ ہے تو کس شمار میں ‏ ‏ یکتا ہوں میں ہزار میں کیا سو ہزار میں
انسان کیا وہ جبر جو دل پر نہ کر سکے ‏ ‏ بے اختیاریاں ہیں مرے اختیار میں

چھپ کے بیٹھا ہے کہ کیا کوئی میکش ‏ ‏ بھر کے جاتا ہے کیوں گلاس کہیں

قطرہ قطرہ پلا نہ اے ساقی — اوس سے بھی بجھی ہے پیاس کہیں
مجھ کو اس سے ہے احتمالِ وفا — نہ غلط ہو مرا قیاس کہیں
کعبے جاتے تو ہیں، یہ دھڑکا ہے — ہم نہ پہنچیں خدا کے پاس کہیں
لوگ کہتے ہیں اس کو توبہ شکن — ٹوٹ جائے نہ اپنی آس کہیں

خبر بھی ہے تمھیں شوخی سے تم ہر کام پر کیا ہو — یہاں کیا ہو وہاں کیا ہو اِدھر کیا ہو اُدھر کیا ہو
تمھیں ہے دردِ سر کا شکوہ حرفِ مدعا سن کر — بیانِ شوق اس سے بھی زیادہ مختصر کیا ہو
کسی کو بھی یہ دیکھا میں نے اپنے حال پر روتے — تجھے جو دیکھ خوش ہو وہ میرا نوحہ گر کیا ہو
زمانہ ہے، فلک ہے، مدعی ہے، ان کے شکوے ہیں — تمھیں اک فتنہ گر کیا ہو تمھیں بیداد گر کیا ہو
وہ ہرجائی اگر ہے داغ، ہو تم بھی تو آوارہ — تمھیں کب صبر ہے، بیٹھے ہوئے تم ایک پر کیا ہو

مجھے نکالنے آئے ہو اپنے کوچہ سے — نکلنے والے کو دوزخ میں ڈالتے جاؤ
دکھائی دے گا کسی دن وہ دل کے آئینے میں — مگر یہ شرط ہے اس کو اجالتے جاؤ

ذکرِ یوسف سنتے ہی کیا جانے کیا آیا خیال — ہاتھ میں اس نے اٹھایا مسکرا کر آئینہ
ذکر مے سے کس قدر آتی ہے سرخی رنگ پر — حضرت واعظ رکھیں بالائے منبر آئینہ

نہ تھی تاب اے دل تو کیوں چاہ کی — بڑا تیر مارا، اگر آہ کی

یہ کیا کہا کہ میری بلا بھی نہ آئے گی — کیا تم نہ آؤ گے تو قضا بھی نہ آئے گی؟
وعدے کی رات کیوں نہ بہانہ کریں تنے وہ — جب تک نہ ہو بہانہ قضا بھی نہ آئے گی؟

نہیں نہیں وہ قلق آہ نارسا کے مجھے
اثر اثر کے ہیں لالے دعا دعا کے مجھے

نکالے اپنے ہی تلووں سے خار گھڑیوں میں
ابھی تو پاؤں دبانے ہیں رہنما کے مجھے

ملے گی داد ستم کس طرح کہاں کیوں کر
اسی کے ان کو بھرد سے ہیں جس خدا کے مجھے

لاگ اے چارہ گر نہ ہوجائے
تیرے سر صد سر نہ ہوجائے

ہو صفائی اگر تو کیا، ممکن
دل کی دل کو خبر نہ ہوجائے

اپنی آنکھیں نکال ڈالوں گا
تجھ کو میری نظر نہ ہوجائے

عرض مطلب پہ لگ گئی ہچکی
قصہ ہی مختصر نہ ہوجائے

آتی جاتی حیا میں شوخی ہے
پردگی پردہ در نہ ہوجائے

اک زمانہ ہے آج میری طرف
کل ادھر سے اُدھر نہ ہوجائے

دل ہے خواہان لذت بیداد
کیوں وہ بیداد گر نہ ہوجائے

ذکر سے غیر ہی کے دل بہلاؤں
منفعل تو، مگر نہ ہوجائے

مرگ دشمن کی کیا دعا مانگوں
کہیں الٹا اثر نہ ہوجائے

یہ تو آثار ہیں قیامت کے
عشوہ گر فتنہ گر نہ ہوجائے

ہے بس مرگ مجھ کو خوف عذاب
قبر دشمن کا گھر نہ ہوجائے

دیکھنے والوں کو نہ دیکھا کر
اس نظر کو نظر نہ ہوجائے

اس کو تعلیم ناز خوب نہیں
بے خبر با خبر نہ ہوجائے

ہیں قیامت کے خواستگار بہت
وقت سے پیشتر نہ ہوجائے

کیوں جگہ دیں وہ اپنے پہلو میں
داغ داغ جگر نہ ہوجائے

وہاں عاشقوں کو سزا مل رہی ہے
محبت کو لو داد کیا مل رہی ہے

وفا پہ مجھے بددعا مل رہی ہے
خطا کی تھی اس کی سزا مل رہی ہے

بہت منزلِ عشق میں راہزن ہیں — خبر مجھ کو یہ جابجا مل رہی ہے
علاج اور بیمارِ الفت کا کیا ہو — دوا مل رہی ہے دُعا مل رہی ہے
رخ صاف آئینہ سے مل رہا ہے — پھر اس پر ادا سے ادا مل رہی ہے
وصالِ دل وجاں پہ حیرت ہے مجھ کو — وفا دار سے بے وفا مل رہی ہے
غنی کررہی ہے محبت کی دولت — مرے حوصلے سے سوا مل رہی ہے
سنی ہے جو ظالم نے تاثیر الٹی — ہماری دُعا کو دعا مل رہی ہے
الگ شورِ محشر سے سنیے گا نالے — ابھی تو صدا میں صدا مل رہی ہے
ملو داغ سے تم بھی ہے عید کا دن — گلے آج خلقِ خدا مل رہی ہے

زمانہ بتوں پر فدا ہورہا ہے — خدا کی خدائی میں کیا ہورہا ہے
ستم ہو کے عذرِ جفا ہورہا ہے — وہ کیا ہو رہا تھا یہ کیا ہورہا ہے
وہ مصروفِ ناز و ادا ہورہا ہے — بڑی دیر سے یہ مزا ہورہا ہے
دھڑکتا ہے دل کانپتا ہے کلیجا — ادا اس طرح مدعا ہورہا ہے
یہ آکر کہا مجھ سے پیغام بر نے — وہاں دشمنوں کا کہا ہورہا ہے
خدا شرم رکھ لے مری عاشقی کی — وہاں امتحانِ وفا ہورہا ہے
ستم ہو جو کم کم تو ہم سہتے جائیں — مگر وہ تو بے انتہا ہورہا ہے
جگت آشنا داغ ملتا تھا سب سے — مگر اب تو وہ آپ کا ہورہا ہے

یہ پیشتر زمیں سے ہے یا آسماں سے ہے — کیا جانے ابتدائے محبت کہاں سے ہے
قربان جاؤں صبرِ دلِ بے قرار کے — پیغام جو یہاں سے نہ تھا وہ وہاں سے ہے
کیا لطف زندگی ہے کہ اس زندگی کا لطف — آگے بڑھا ہوا مری عمرِ رواں سے ہے
برسوں وہ مہرباں ہیں دم بھر میں کچھ نہیں — مجھ کو تو ہول دل ستم ناگہاں سے ہے

جاتا ہے کون، کوئی، وہاں جاکے کیا کرے — اک چھیڑ ہم کو مدِّ نظر پاسباں سے ہے
پیری میں داغ جوشِ مضامیں ہے رنگ پر — اس باغ کی بہار ہماری خزاں سے ہے
دن گزارے عمر کے انسان ہنستے بولتے — جان بھی نکلے تو میری جان ہنستے بولتے
مجھ کو مجبوری نہ تھی، اس کی زبردستی نہ تھی — لے گیا کافر مرا ایمان ہنستے بولتے
یہ تو ان کی دل لگی ہے، یہ تو ان کی بات ہے — وعدہ اٹھتے بیٹھے، پیمان ہنستے بولتے

ملک الموت اس کو کیا لے گا — دل میں عاشق کے جان اور ہی ہے
عشق کے ہیں جدا نشیب و فراز — یہ زمین آسمان اور ہی ہے
تو مٹائے گی اے قیامت کیا — مرمٹوں کا نشان اور ہی ہے

گر ہو سلوک کرنا، انسان کرکے بھولے — احسان کا مزا ہے، احسان کرکے بھولے
اپنے کیے پہ نازاں ہو آدمی نہ ہرگز — طاعت ہو یا اطاعت انسان کرکے بھولے
اب یاد ہے اسی کی فریاد ہے اسی کی — سارے جہان کو جس کا ہم دھیان کرکے بھولے

کبھی بیگانہ ہے سب سے کبھی وہ آشنا سب کا — کبھی محفل میں خلوت ہے کبھی خلوت میں محفل ہے
بھروسا ہے خدا پر ناخدا سے التجا کیسی — مری کشتی ہی ساحل ہے مری کشتی میں ساحل ہے
اٹھایا شوق نے اٹھے، بٹھایا ضعف نے بیٹھے — یہی رستے کا رستہ ہے، یہی منزل کی منزل ہے

قرینے سے عجب آراستہ قاتل کی محفل ہے — جہاں سر چاہیے سر ہے، جہاں دل چاہیے دل ہے
ہر اک کے واسطے کب عشق کی دشوار منزل ہے — جسے آساں ہے آساں ہے جسے مشکل ہے مشکل ہے
طریق عشق کچھ آسان ہے کچھ ہم کو مشکل ہے — ادھر رہبر ادھر رہزن یہی منزل بمنزل ہے
مسیحا نے ترے بیمار کو دیکھا تو فرمایا — "نہ یہ جینے کے قابل ہے نہ یہ مرنے کے قابل ہے"

مدارج عشق کے طے ہو سکیں یہ ہو نہیں سکتا   زمیں سے عرش تک اے بے خبر منزل بمنزل ہے

سنیں کیوں لن ترانی طور پر کیوں جائیں کیا حاصل   کہ مستغنی ہیں تیری خود نمائی دیکھنے والے

اک وار جگر پر تجھے یار سے ہو جائے   تلوار کا جو کام ہے تلوار سے ہو جائے
پھر کون سی امید رہی لطف و کرم کی   جب فیصلہ ہی آپ کے انکار سے ہو جائے
پھر دیکھے کوئی آئینہ دل کی صفائی   یہ صاف جو عکس رخ دلدار سے ہو جائے
اس بات پہ بجتے نہیں کیوں حضرت واعظ   بخشش کی یہاں شرط گنہ گار سے ہو جائے

وہ شمع کی تعریف کریں بزم میں صد حیف   اے آہ تجھے شعلہ فشانی نہیں آتی
طول شب ہجراں سے نہ گھبرا دل بیتاب   اللہ کو کیا رات گھٹانی نہیں آتی
اس داغ کو مرجھائے ہوئے پھول سے پوچھو   پیری میں کسے یاد جوانی نہیں آتی

ہاتھ نکلے اپنے دونوں کام کے   دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے
ہاتھ سے صیاد کے گر کر چھری   کٹ گئے حلقے ہمارے دام کے
ہے گدائے میکدہ بھی کیا حریص   بھر لیے جھولی میں ٹکڑے جام کے
داغ کے سب حرف لکھتے ہیں جدا   ٹکڑے کر ڈالے ہمارے نام کے

دشت الفت نہیں بازی گہ طفلاں اے دل   ہاتھ آتا ہے یہ میدان بڑی مشکل سے

برپا ہو نہ کیوں فتنہ ہر اک شوخ حسیں سے   ان چلبلوں کی خلقت ہے قیامت کی زمیں سے
یہ رشک ہے مجھ کو کہ تری راہ گزر میں   نقش قدم اپنا بھی مٹاتا ہوں زمیں سے
برپا ہے ترے دل کی کدورت سے قیامت   یہ خاک نکل آئی ہے محشر کی زمیں سے

کھل جائے ابھی عالمِ بالا کی حقیقت — اس راز کو پوچھو جو کسی خاک نشیں سے
گر نام سے ہے داغ کے نفرت تو مٹا دو — عاشق کے دل گرم سے زاہد کی جبیں سے

منہ دکھانے کی جگہ اب مجھے باقی نہ رہی — آئینہ دیکھ کے اس نے مری صورت دیکھی
کبھی کعبہ میں نظر شان خدا کی آئی — کبھی بت خانہ میں اللہ کی قدرت دیکھی

ان کا میرا کس طرح جھگڑا چکے — واسطہ ہے ایک ہی اللہ سے

میں حُسن سے سکتے میں وہ ہے عشق سے حیران — دیوار کھڑی ہوگئی دیوار کے آگے

ہزار بار جو مانگا کرو تو کیا حاصل — دُعا وہی ہے جو دل سے کبھی نکلتی ہے
شب فراق جو کھولے ہیں ہم نے زخم جگر — یہ انتظار ہے کب چاندنی نکلتی ہے

سنی جاتی نہیں عاشق کی حالت — نہ آیا رحم تجھ کو دیکھ کر بھی

کچھ آپ کو بھی قدر ہماری وفا کی ہے — ہم آپ کے ہیں ساری خدائی خدا کی ہے
اے داغ بزم اہل سخن گرم ہوگئی — گرمی ترے کلام میں بھی انتہا کی ہے

حور پہ یہ طبیعت اے واعظ — تجھ سے کہہ تو دیا نہیں آتی
نہیں آسان جان سے جانا — مرتے مرتے قضا نہیں آتی
تیرے عاشق کا ہائے عہد شباب — موت بے وقت کیا نہیں آتی

پردے پردے میں محبت دشمن جانی ہوئی
یہ خدا کی مار کیا اے شوق پنہانی ہوئی

ابتدا سے انتہا تک حال ان سے کہہ تو دوں
فکر یہ ہے اور جو کہہ کر پشیمانی ہوئی

غم قیامت کا نہیں واعظ مجھے یہ فکر ہے
دین کب باقی رہا دنیا اگر فانی ہوئی

مجھ میں دم جب تک رہا مشکل میں تھے تیماردار
میری آسانی سے سب یاروں کی آسانی ہوئی

بزم سے اٹھنے کی غیرت، بیٹھنے سے دل کو رشک
دیکھ کر غیروں کا مجمع کیا پریشانی ہوئی

میں سراپا سجدے کرتا اس کے در پر شوق سے
سر سے پا تک کیوں نہ پیشانی ہی پیشانی ہوئی

دل کی قلب ماہیت کا ہو اسے کیوں کر یقیں
کب ہوا مٹی ہوئی ہے آگ کب پانی ہوئی

عرصۂ محشر میں تجھ کو ڈھونڈ لاؤں تو سہی
کوئی چھپ سکتی ہے جو صورت ہو پہچانی ہوئی

ہمیں کیا غم قیامت میں جو پرسش ہونے والی ہے
کہ جب وہ فتنہ گر آیا تو پھر میدان خالی ہے

کدورت دل کی جو فریاد کرنے سے نکالی ہے
وہ کہتے ہیں محبت پر ہماری خاک ڈالی ہے

ہماری توبہ زاہد کی جوانی دونوں بے کس ہیں
نہ کوئی اس کا وارث ہے نہ کوئی اس کا والی ہے

جوانی کی امنگیں ہیں طبیعت لا ابالی ہے
نہ تم دنیا میں خالی ہو نہ دنیا تم سے خالی ہے

ترا کینہ نہ کھلتا تھا ذرا انصاف کر ظالم
تری باتوں سے دل کی بات چھن کر ہم کیا لی ہے

بھری ہیں حسرتیں ہی حسرتیں اس خانہ دل میں
مگر دیکھو تو پھر یہ گھر کا گھر خالی کا خالی ہے

کبھی ہے اس کی چوکھٹ پر کبھی ہے اس کے قدموں پر
ازل سے میری پیشانی بڑی تقدیر والی ہے

بچا تھا برق و صرصر سے بمشکل آشیاں اپنا
نظر صیاد کی اب چتے چتے ڈالی ڈالی ہے

جہاں دیکھو حسینوں کا ہے مجمع عاقبت میں بھی
نہ جنت ان سے خالی ہے نہ دوزخ ان سے خالی ہے

یہ دو آنکھیں دو رنگی دیکھتی ہیں اس کے جلوے کی
کہیں شان جلالی ہے کہیں شان جمالی ہے

ذرا سا ہوش آ جائے ذرا سا دیکھ لیں جلوہ
سنبھلنے کے لیے ہم نے طبیعت کب سنبھالی ہے

اقرار کیا ہے لب شیریں سے کسی نے — جو بات مزے کی ہو وہ کیوں کر نہ مزا دے

کیا کیا نہ کیا عشق میں اپنی سی بہت کی — تدبیر سے کیا ہو جسے تقدیر مٹا دے

عنقا نظر آتے ہیں مگر اہل کرامت — درویش وہ کامل ہے جو اپنا سا بنا دے

یہ سیر ہے کہ دوپٹا اڑا رہی ہے صبا — وہ جب چھپاتے ہیں سینہ کمر نہیں چھپتی

طور پر موسیٰ نے باتیں کر ہی لیں — طالب دیدار جو چاہے کرے

آدمی کا ہے خدا پر زور کیا — ہے بڑی سرکار جو چاہے کرے

جو نہ چاہے کیوں کرے وہ التجا — التجائے یار جو چاہے کرے

مزے فرقت میں تھے خون جگر کے — پیا ہم نے خدا کا شکر کر کے

وہ کیسا دن قیامت کا کٹے گا — وہ کیسی رات ہوگی دن گزر کے

وہی پھر ولولے ہیں اور ہم ہیں — کہیں تھمتی ہیں یہ چوٹیں ابھر کے

جناب داغ اب کیا سنبھلیں گے خاک — کہ یہ بگڑے ہوئے ہیں عمر بھر کے

محشر میں کامیاب ہوں اس میں کلام ہے — یہ طول مدعا ہے تو بس دن تمام ہے

میں عمر بھر سناؤں تمہیں اپنی داستاں — پوچھو اگر تو پھر یہ کہوں نا تمام ہے

داغ کا دل ہوگیا دنیا سے سرد — گرمی اشعار باقی رہ گئی

کر چکے آہ و سحر بھی ، نالۂ شبگیر بھی — ہم نے دیکھا چوکتے یہ تیر بھی وہ تیر بھی

اس لیے وحشت میں ہم نے کر دیا ترک لباس — ہوگا جب دامن تو ہوگا کوئی دامن گیر بھی

[illegible] — پھر [illegible] آنکھ ہو اچھی تو حور ہوتا ہے

قصور وار ہوں مجھ سے قصور ہوتا ہے — مگر جبھی کہ یہ دل ناصبور ہوتا ہے
ادائے خاص ہے معشوق کے لیے نخوت — بری بھی شکل ہو جب بھی غرور ہوتا ہے
جو مے پیوں تو گنہگار کیا کروں واعظ — مجھے تو نام لیے سے سرور ہوتا ہے
یہ عاشقی میں نئی بات ہے کہ اے ظالم — ترا قصور بھی میرا قصور ہوتا ہے
ہزار رنگ میں ہے اور پھر نظر میں نہیں — اسی کا پردہ اسی کا ظہور ہوتا ہے
بٹھا دیا ہے محبت نے آپ کی سکہ — یہ دل سے داغ کے اب کوئی دور ہوتا ہے

زہے نصیب طبیعت میں ہو جو آزادی — بہت بلاؤں سے انسان دور رہتا ہے
یہ بزم وعظ ہے کیا کوئی پاک میخانہ — مدام ذکر شراب طہور رہتا ہے
خطا تو ہم سے ہو دنیا میں حشر میں ہو سزا — ہمارے ذمہ کہاں تک قصور رہتا ہے
اثر تو دیکھیے جب دیکھتا ہوں میخانہ — تو دیکھ کر مجھے پہروں سرور ہوتا ہے

مرجاؤں اگر میں تو ستم کون اٹھائے — زندہ مجھے رکھا ہے رقیبوں کی دعا نے

دینے کا ہاتھ کم نہیں لینے کے ہاتھ سے — بڑھتا ہے دست جود ہی سائل کے سامنے

اللہ ہی اللہ ہے، صنم خانے میں کیا ہے — لو برہمو جاتے ہیں ماننا ہی خدا ہے
اب داغ کے احوال سے مطلب تمہیں کیا ہے — اچھا ہے تو اچھا ہے، برا ہے تو برا ہے
سب عیش کے سامان بگڑ جاتے ہیں بن کر — کیا خانہ خرابی نے یہ گھر دیکھ لیا ہے

گرچہ بحر عشق اک زخار ہے — ڈوبنے والے کا بیڑا پار ہے
نشہ میں وہ بیخود و سرشار ہے — ہر نگہ کو فرصت دیدار ہے

اشک خوں سے تر ہوا وحشت سے چاک　　اب گریباں زخم دامن دار ہے
کیا محبت میں تری پھیلا ہے رشک　　آدمی سے آدمی بیزار ہے
اور سب آسانیاں ہیں عشق میں　　آدمی کو زندگی دشوار ہے

نامرادوں کی بھی پوری کہیں ہوتی ہے مراد　　میری کشتی وہیں ڈوبی ہے جہاں ساحل ہے
وادیٔ عشق میں رکھتا ہوں قدم ڈر ڈر کر　　راہزن کا وہیں کھٹکا ہے جہاں منزل ہے
شوق کہتا ہے بہت پاس ہے، اب آ پہنچے　　پاؤں کہتے ہیں بڑی دور ابھی منزل ہے

ہزاروں رنگ میں دیکھا، جہاں دیکھا تجھے دیکھا　　پریشاں ہے نظر عالم کی تیری خودنمائی سے
ہمارے ہو کے ہم کو راہ پر لے جائیں کیا ممکن　　نہیں فرصت خضر کو دشمنوں کی رہنمائی سے

بزم آرا ہیں وہ اس انداز سے　　بھر گئی ہے ساری محفل ناز سے
میں تو اس سے بھی چھپاتا کیا کروں　　ہے خدا آگاہ دل کے راز سے
عشق سے دل یوں ہو روشن جس طرح　　آئینہ کی روشنی پرواز سے
کان کے پردوں میں لگ جاتی ہے آگ　　دل جلوں کے شعلۂ آواز سے
وہ کیا ڈرے غریب کی فریاد وآہ سے　　جو چاہتا ہو داد ستم داد خواہ سے
مستی نے اپنا رنگ وہاں بھی جما دیا　　ہُو حق کا شور اٹھنے لگا خانقاہ سے
دیکھا ہے دیکھنے کی طرح اک جہان کو　　گزرا ہے اک زمانہ ہماری نگاہ سے
برسا جو خون آنکھ سے میری تو کیا ہوا　　پہلے ٹپک رہا تھا تمھاری نگاہ سے
اب نقش پائے غیر کی ہے پیروی مجھے　　جاتا ہوں کوئے دوست میں دشمن کی راہ سے
دشمن کا دل جلا کے گئی آہ چرخ پر　　رہرو کو دیر لگ گئی چکّر کی راہ سے
دیکھو یہ ضبط سوز محبت بڑا ہے داغ　　تم جل نہ جاؤ آپ کہیں اپنی آہ سے

کھلا نہیں ہے راز ہمارے بیان سے   لیتے ہیں دل کا کام ہم اپنی زبان سے

اس دن سے مجھ کو نیند نہ آئی تمام عمر   اک شب ملی تھی آنکھ ترے پاسبان سے

شوریدہ سر دہ ہوں کہ اسے سر سے توڑ دوں   گر سنگ حادثہ بھی گرے آسمان سے

دل بھی بچا جگر بھی بچا، خیر ہوگئی   تیر نگاہ یار ہوا درمیان سے

مہر و وفا کا نام ہے اب بات بات پر   یہ سن لیا ہے آپ نے کس کی زبان سے

کیسا کھلا ہے پھول جب آیا بہار پر   پوچھے تو کوئی لطف جوانی جوان سے

خطائے عشق کی توبہ نہ جیتے جی ہوگی   ہزار بار ہوئی اور پھر وہی ہوگی

مے طہور کا بھی وصف سن نہیں سکتے   ہماری طرح سے توبہ کسی نے کی ہوگی؟

مزا ہے ان کو بھی مجھ کو بھی ایسی باتوں کا   چلی گئی یوں ہی باہم کئی چھنی ہوگی

انہیں نفرت ہوئی سارے جہاں سے   نئی دنیا کوئی لائے کہاں سے

پریشاں وہ اٹھے خواب گراں سے   میری فریاد ہے آہ و فغاں سے

جہاں کے ہو رہے بس ہو رہے ہم   قفس بھی کم نہیں ہے آشیاں سے

گیا ہوں پہلی منزل تک تو مر کر   اب آگے جاؤں گا کیونکر وہاں سے

ترے در پر جگہ ہے داغ کی گرم   گیا ہے وہ ابھی اٹھ کر یہاں سے

نہیں فرصت جنوں سے ایک دم کی   ہمارے سر میں گردش ہے قدم کی

شب وعدہ رہا یہ شغل اپنا   گنی گنتی ترے قول و قسم کی

ترے کوچے سے روتا کون گزرا   کہ مٹی جم گئی نقش قدم کی

کبھی ہوں اس گلی میں نقش دیوار   کبھی اس بزم میں تصویر غم کی

ان آنکھوں کی ذرا مستی تو دیکھو   نگاہوں میں بھی لغزش ہے قدم کی

یہاں آئے ہیں جانے کے لیے ہم   یہ ہستی پہلی منزل ہے عدم کی

مری مشکل ابھی ہوتی ہے آساں　　الٰہی دیر ہے تیرے کرم کی
عدو پڑھتے ہیں سیلی حضرتِ داغ　　پڑھو اب فاتحہ تم اپنے دم کی

کرے کس کس سے کوئی بدگمانی　　وہاں ہیں سیکڑوں قسمیں قسم کی
طے گر اس کے ملنے کی مجھے راہ　　کروں طے اک قدم میں سو قدم کی
وہ آتش پا ہیں راہ شوق میں ہم　　کہ بجلی ہے زمیں نقش قدم کی

ہائے وہ بانکی ادائیں اس بت میخوار کی　　شوخیاں گفتار کی، اٹکھیلیاں رفتار کی
حضرت موسیٰ نے دیکھا آ کے اس دنیا میں کیا　　حور ہیں ان کی تو آنکھیں ایک ہی دیدار کی
آ پڑی ہے بحث میرے قطرہ ہائے اشک سے　　آج بوندیں گن رہا ہوں ابر گوہر بار کی
دو قدم چل چل کے گرتے ہیں طریق عشق میں　　ٹھوکریں ہیں منزلیں اس راہ ناہموار کی
حسرت عمر ابد نے مار رکھا ہے مجھے　　زندگی میری جناب خضر نے دشوار کی

اس چوٹ کو پوچھے کوئی اس خستہ جگر سے　　اترا جو ترے دل سے، گرا تیری نظر سے
آگاہ ہوئے ہیں جو مرے زخم جگر سے　　اب آنکھ چراتے ہیں وہ اپنی ہی نظر سے
دو چار بہے اشک تو کیا دیدہ تر سے　　بارش کا مزا یہ ہے کہ جو ٹوٹ کے برسے
دم لے کے چلا جاؤں گا میخانہ ہے نزدیک　　اے شیخ بہت دور ہے مسجد مرے گھر سے
میری نہ بجھی پیاس تو جھنجھلا کے سرِ بزم　　ساقی نے سبو کھینچ کے مارا مرے سر سے

پرائے واسطے جو اپنی جان کھوتا ہے　　وہ جاں نثار ہزاروں میں ایک ہوتا ہے
ہمیشہ ہم نے یہ دیکھا ہے بادہ خواروں میں　　کہ چاند عید کا انتیسویں کو ہوتا ہے
کسی کی سعی سے ملتا ہے پھل کسی کو کبھی　　کوئی نصیب سے کھاتا ہے کوئی بوتا ہے

کسی کو نفع ہے اس سے کسی کو ہے نقصان
متاعِ دل کوئی پاتا ہے، کوئی کھوتا ہے

نہیں مجال اٹھائے جو عشق کی سختی
اگر پہاڑ کے پتھر بھی کوئی ڈھوتا ہے

وہ پوچھتے ہیں مرا حال کس تجاہل سے
یہ داغ کون ہے؟ یہ کس کا ذکر ہوتا ہے؟

عاشق متحمل نہ ہوئے قہر و غضب کے
بیٹھے رہو اب صبر سمیٹے ہوئے سب کے

کس دھوم کے کس لطف کے کس عیش و طرب کے
یاد آتے ہیں جلسے وہ ہمیں چودھویں شب کے

یا تیسرے فاقے سے بچے حضرت زاہد
یا تیسرے دن پھول ہوئے بنت عنب کے

گلزار کی صورت ہے، مگر رنگ نہ خوشبو
ہمراہ خزاں داغ بہار آئی ہے اب کے

☆☆

متفرقات

مولانا احسن مارہروی نے اپنے استاد حضرت داغ کی زندگی میں ایک اردو لغت ''فصیح اللغات'' کے نام سے مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ اس میں الفاظ و محاورات کی سند کے لیے مرزا داغ سے اشعار لکھوائے تھے۔ یہ سب اشعار چوتھے دیوان (یادگار داغ) کے آخر میں درج ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ ناتمام غزلیں بھی ہیں۔ ان متفرقات کی تعداد ایک ہزار اشعار سے زیادہ ہے۔ جن میں اکثر صرف لفظ و محاورہ کا مفہوم و استعمال بتائے گئے۔ شعریت و تغزل کچھ نہیں۔ مثلاً

اس نے سب کھول دیا راز مرا   راز داں چینڈے کا ہلکا نکلا

پورا مہٗ صیام کریں گے نہ شیخ جی   حضرت کا چار دن میں پلیتھن نکل گیا

ان میں سے اچھے اشعار انتخاب کر کے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

ہے مری تحریر پہ الزام اس کافر کا یہ   خط کی پیشانی پہ کیوں اللہ تو نے لکھ دیا

اس کے دینے کی انتہا کیا ہے   جس نے قاروں کو دے کے پاٹ دیا

لو لگائے خدا سے بیٹھے تھے   آ گیا بیچ میں خیال ترا

آتے ہیں اس روش سے تری جلوہ گاہ میں ہم پاؤں پھونک پھونک کے رکھتے ہیں راہ میں

مہرباں وہ ہوئے میں ڈرتا ہوں راز دل کا پیار میں کہہ دوں

للہ ابر گہر بار چلے آتے ہیں بھیگتے بھاگتے سے خوار چلے آتے ہیں

گو ہے عاشق مزاج وشاہد باز داغؔ لیکن شراب خوار نہیں

پروانہ شمع کعبہ کے پھرتا ہے ارد گرد ایسی لگی ہوئی ہو تو پاس ادب کہاں

رگ جاں سے نزدیک ہے میری جاں تو مگر پھر جو دیکھا کہاں میں کہاں سے
نہ تو مجھ کو چھوڑے نہ میں تجھ کو چھوڑوں وہیں تو جہاں میں، وہیں میں جہاں تو

خالی ہی سہی شیشے میں تو گھول دے پانی اک بوند بھی کیا پیر خرابات نہ ہوگی

ہاتھ سے دوستوں کو کھو بیٹھے ہنسنے والوں کو ہم تو رو بیٹھے

ساقی کا دل نہ توڑیں گے ترک شراب سے حاصل کسی طرح ہو غرض ہے شراب سے
عاشق بچائے جان کو کس کس عذاب سے تیرے عتاب سے کہ خدا کے عتاب سے
آتی ہے کیا ہنسی مجھے تیرے حجاب سے میری نگاہ شوق رکے گی نقاب سے؟
اے خضر سے کشوں کو بھی ہو لطف زندگی بھر جائے کاش چشمہ حیواں شراب سے

سائل سے خفا یوں مرے پیارے نہیں ہوتے کیا مانگنے والوں کے گذارے نہیں ہوتے

اس سے ملنے کی آس ٹوٹی ہے اب مصیبت سے جان چھوٹی ہے

کون روشن ہو محمدؐ کے تن پر نور سے ادلا بدلا جس کے سایہ کا ہو برق طور سے

☆☆

'کمالِ داغ' فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے چار دواوین گلزارِ داغ، آفتاب داغ، مہتاب داغ اور یادگار داغ کا ایک جامع انتخاب ہے۔ بزرگ نقاد پروفیسر حامد حسن قادری نے اسے مرتب کیا ہے۔ اس میں ان کا ایک طویل فاضلانہ مقدمہ بھی ہے جس میں غزل کے صنفی تشخص کے علاوہ غزلیاتِ داغ کے امتیازات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ معاصر شعراء سے موازنہ کر کے داغ کی زبان، جدت ادا، شوخی و ظرافت، محاورات و امثال کے حوالے سے ان کے اختصاص کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس انتخاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں داغ کے ہر رنگ کے بہترین اشعار موجود ہیں۔ ہزلیات یا کوئی ایسا شعر شامل نہیں کیا گیا ہے جس میں داغ کا رنگ نظر نہ آتا ہو۔ عامیانہ اور پست مضامین سے بھی گریز کیا گیا ہے۔ یہ انتخاب پہلی بار 1934 میں آگرہ اخبار پریس سے شائع ہوا تھا۔ 1959 میں کچھ اضافے کے ساتھ اس کی دوبارہ اشاعت عمل میں آئی تھی۔ یہ داغ کے کلام کا سب سے مستند اور معتبر انتخاب ہے۔

نواب مرزا خاں نام، داغ تخلص۔ نواب شمس الدین خاں والئی فیروز پور جھرکہ کے بیٹے۔ ولادت 25 مئی 1831 کو دلی میں ہوئی۔ والدہ وزیر خانم نے آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے ولی عہد مرزا فخرو سے عقد کرلیا۔ اس طرح داغ کی تعلیم و تربیت لال قلعہ میں ہوئی۔ 1886 میں مرزا فخرو کے انتقال کے بعد رام پور پھر حیدر آباد دکن چلے گئے حیدر آباد ہی میں 17 مارچ 1905 میں بعارضہ فالج انتقال فرمایا۔

ISBN: 978-93-5160-084-8
9 789351 600848
NCPUL
New Delhi
₹ 117/-

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025